امریکہ عراق جنگ کے پس منظر
میں لکھا گیا ناول

طارق اسمٰعیل ساگر

URDU FICTION
TARGET KAHOOTA
TARIQ ISMAIL SAGAR

نام

مصنف طارق اسماعیل ساگر

ناشر ساگر پبلشرز، 7۔اے لوئر مال، داتا دربار روڈ، لاہور

فون:۔7230423

کمپیوٹر کوڈ 1S97

قیمت -/200روپے

ملنے کے پتے:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

پیش لفظ

میرے لئے اپنی کسی کتاب کا پیش لفظ لکھنا بسا اوقات کتاب لکھنے سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

کسی بھی ادیب کے لئے اپنے قاری سے براہ راست مخاطب ہونا بڑا اعصاب شکن مرحلہ ہوتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جب قارئین نے اس سے بہت سی توقعات بھی وابستہ کر رکھی ہوں۔

''بھٹکا ہوا راہی'' کے بعد میں نے ''آپریشن کہوٹہ'' میں بھی پاکستان کے خلاف دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔

میں جب بھی پاکستان کی بات کرتا ہوں تو بات ایک نظریئے کے حوالے سے ہوگی۔ یہ وہ نظریہ ہے جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے اور رہے گا۔

میرا ایمان ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان ملک' کوئی چھوٹا ملک اپنی غیرت ملی کے حوالے سے اپنی شناخت دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرے گا...... بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالے گا۔

دنیا کے کونے کونے میں موجود انسان دشمن' اسلام دشمن طاقتیں اکٹھی ہو کر اس کی سالمیت پر حملہ آور ہوں گی۔

ان انسان نما درندوں کے راستے میں کوئی اخلاقی' انسانی' بین الاقوامی ضابطہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔

کیونکہ

آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی؛

خود کو بزعم خویش مہذب کہلانے والی ان قوموں نے اپنے چہروں پر انسانیت کے نقاب ضرور اوڑھ رکھے ہیں۔

لیکن!

اصل میں آج بھی وہ وحشت و بہیمیت کے اس دور میں زندہ ہیں جسے حیوانیت کے عروج کا دور کہا جاتا تھا۔

جب طاقت کی زبان ہی بولی اور جانی جاتی تھی۔

آج کا بزعم خویش ترقی یافتہ اور طاقتور انسان بھی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر کارفرما ہے۔

خود کو انسانی امن کا ٹھیکیدار کہلانے والی ان طاقتوں کے نزدیک امن و انسانیت جیسے الفاظ کے صحیح معنی وہی ہیں جو ان کے نزدیک ٹھیک ہیں۔

یہ وہ انسان نما درندے ہیں جو دنیا کو اپنی عینک سے اپنی مرضی کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔

اپنی مرضی کے "ورلڈ آرڈر" کمزور انسانوں پر ٹھونسنے کے درپے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محض اس خوف سے کہ کہیں ہمارے "زمینی آقا" ناراض نہ ہو جائیں...... کیا ہم اپنی قومی غیرت اور عزت نفس کو داؤ پر لگا دیں؟

چلئے یہی سہی!

لیکن......

یہ سلسلہ آخر کب تک؟ کہاں تک چلے گا؟

یہ بات بات پر Compromise سمجھوتہ آخر ہمیں ذلت کی کن اندھیری راہوں پر گھسیٹ رہا ہے۔

کیا لاکھوں زندگیاں مملکت خداداد کے حصول پر اس لئے قربان ہوئی تھیں کہ قیام پاکستان کے 50 سال بعد ہم اپنے "آقا" بدل لیں۔

محض چند روزہ اقتدار کے لئے پاکستان کے کروڑوں عوام کی عزت نفس کو داؤ پر لگا کر پاکستان کی سالمیت کے نشان؛ پاکستان کا مان؛ پاکستان کے پرامن ایٹمی پروگرام پر سمجھوتہ خفیہ یا علی الاعلان کر کے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو دوام دے سکتا ہے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔

ہوس اقتدار کے اندھے یہ سوداگر نہیں جانتے کہ وہ کسی بھی سپر پاور کی حمایت چند دنوں یا چند ماہ سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتے کہ سپر پاور کی ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔

انسانی خون کی ایسی لت ان کے منہ کو لگ جاتی ہے کہ پھر ان کی پیاس بڑھتی چلی جاتی ہے۔

تقاضے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

بالآخر یہ اپنے غلاموں کے جسد ملی کو کھوکھلا کر کے اپنی راہ لیتے ہیں۔

O

میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ "کہوٹہ" کی ترقی میں ہماری بقا کا راز مضمر ہے۔

جدید دور کے غنڈے صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہیں۔

اسرائیل سے بڑی مثال اس کی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

آج کی مہذب دنیا کی اخلاقیات؛ ترجیہات وہ ہرگز نہیں؛ جو کمزور؛ بے بس اور کسی بھی دھمکی پر جھک جانے والوں کی ہیں۔

"کہوٹہ" پاکستان کا مان ہے۔

پاکستان کی آبرو ہے۔

جان لیں وہ سب جو اس پر سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔

ابھی اس قوم میں اتنی غیرت باقی ہے کہ وہ اپنی "آبرو" کا دفاع کر سکے۔

"کہوٹہ" پاکستان کے دشمنوں کے سینے پر مونگ دلتا رہے گا۔

"کہوٹہ" عالمی سازشوں کی زد میں ہے۔

پاکستان کے دشمن، عالم اسلام کے دشمن اس کی تباہی پر متفق ہیں۔
لیکن......

وہ نہیں جانتے کہ پاکستانی عوام بھی اسی مسئلے پر متحد ہیں۔ سیسہ پلائی دیوار کی طرح۔
وہ ڈٹ جائیں گے ہر طوفانی یلغار کے سامنے۔

کہوٹہ کی طرف اٹھنے والے ہاتھ توڑ دیئے جائیں گے۔

یہ دیکھے بغیر کہ ان پر کس ملک کی مہر لگی ہے۔

میں نے "آپریشن کہوٹہ" میں کہوٹہ کے خلاف ہونے والی سازشوں کی ایک جھلک آپ کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔ میرا ایمان ہے پاکستان "عوام" نے بنایا تھا "خواص" نے نہیں۔
میرا ایمان ہے کہ پاکستان کا دفاع "عوام" کریں گے "خواص" نہیں۔

طارق اسمٰعیل ساگر

درندے

جے الیف کینیڈی ایئرپورٹ کے یوں تو سارے ہی ٹرمینل بہت مصروف رہتے تھے لیکن امریکن یونائیٹڈ ایئر لائن سے منسلک برٹش ایئرویز کے اس ٹرمینل پر معمول سے زیادہ ہی رش رہتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تھی اس ٹرمینل کو آنے والا اکیلا راستہ......!!

پٹس برگ سے وہ امریکن ایئر لائن کی جس پرواز کے ذریعے نیویارک کے جے الیف کینیڈی ایئرپورٹ تک پہنچا تھا وہ لیٹ ضرور تھی لیکن اتنی زیادہ بھی نہیں کہ اسے اپنے منصوبے کے مطابق کام کرنے سے روک سکتی۔

پٹس برگ سے لندن تک کا ٹکٹ اس نے دو الگ الگ ایئر لائنز سے بک کروایا تھا، لیکن عین وقت پر جب اسے علم ہوا کہ نارتھ ویسٹ ایئر لائن نے اپنی وہ فلائیٹ کسی فنی خرابی کی وجہ سے کینسل کر دی ہے جس کے ذریعے اس نے نیویارک پہنچنا تھا تو اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔

"اف میرے خدایا!" اس نے زیر لب کہا۔ "کیا میری تین سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا۔ نہیں...... ایسا نہیں ہونا چاہئے۔" اس نے سوچا اور لرز کر رہ گیا۔ اس منصوبے کی ناکامی کا مطلب تھا ایک تھکا دینے والی جدوجہد کا خاتمہ اور وہ بھی بلا مقصد۔

"مجھے کوئیکنڈ فلائیٹ لینی ہے مس، میرے لئے آپ کی اگلی فلائیٹ کا انتظار بھی ممکن نہیں۔ مہربانی سے جیسے بھی ممکن ہو مجھے بروقت نیویارک پہنچانے کا بندوبست کیجئے۔ جیسے بھی ممکن ہو۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں نارتھ ویسٹ ایئر لائن کے کاؤنٹر پر کھڑی اس موٹی سی درمیانی عمر کی نیگرو عورت سے کہا۔ جس نے اپنے چہرے پر اتنی زیادہ لیپا پوتی کی ہوئی تھی کہ اس کی اصل جلد کا رنگ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

عام حالت میں شاید وہ ایسے لہجے میں کسی کو بات کرنے کی اجازت بھی نہ دیتی لیکن آج کل ملازمت اور ایسی اچھی ملازمت ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل جاتی تو پھر مشکل سے ہی ہاتھ آتی تھی اور جانتی تھی کہ اس ملک میں مرفی لاء "Marphy Law" نافذ ہے۔ یہاں ''ہائر اینڈ فائر'' کی پالیسی چلتی تھی اور اس ایئر لائن کے مالکان اپنے ملازمین کی باتوں پر تو کبھی کان ہی نہیں دھرتے تھے صرف گاہکوں کی سنتے تھے۔

بڑی مشکل سے بے چاری نے دوسری ایئر لائن پر اس کی روانگی کا بندوبست کیا تھا اور اس روز یہ کینیڈی ایئر پورٹ کی طرف جانے والی واحد ایئر لائن تھی۔

اس کی خوش قسمتی تھی کہ جس ٹرمینل پر وہ اترا۔ اسی ٹرمینل سے اسے برٹش ایئرویز والے ٹرمینل کی طرف جانے والی چینل بس مل گئی تھی۔ بس میں بیٹھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔ کیونکہ وہ دس منٹ لیٹ تھا۔ اگر مطلوبہ فلائیٹ مل جاتی تو وہ آدھ گھنٹہ پہلے وہاں آ جاتا۔

چینل بس نے جب اسے مقررہ ٹرمینل تک پہنچایا تو مزید دس منٹ گزر چکے تھے۔ اپنا چھوٹا سا بیگ گلے میں لٹکائے وہ قریباً بھاگتا ہوا ان سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا جن کے ذریعے وہ لاؤنج تک پہنچ سکتا تھا۔

برقی سیڑھیوں کے خاتمے پر جیسے ہی اس نے فرش پر قدم رکھے تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کے سامنے ابواحمد کھڑا مسکرا رہا تھا۔

دونوں بے قراری سے ایک دوسرے کی طرف لپکے۔

''حماد میرے بھائی! میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔'' ابواحمد نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''فلائیٹ بدل کر آنا پڑا۔'' ابوحماد نے کہا۔

دونوں نے بغل گیر ہوتے ہوئے اس احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو وہ سامنے کونے میں نصب کیمرے کی رینج میں نہ آ جائیں۔ یہ شارٹ سرکٹ کیمرے تھے جو ہر وقت گھومتے ہوئے باہر کا مکمل نظارہ اندر کی سکرینوں کو منتقل کر دیا کرتے تھے۔

عین ان لمحات میں جب کیمرے نے اپنا رخ دوسری طرف بدلا ابواحمد نے اپنے لمبے

کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکال کر انتہائی پھرتی سے ابوحماد کی جیب میں منتقل کیا تھا کہ خود ابوحماد کو بھی احساس نہ ہو سکا۔

''خدا حافظ برادر! اگلی ملاقات اگر اس دنیا میں نہ ہوئی تو جنت میں ہو گی۔'' کہہ کر ابو حماد اس سے الگ ہو گیا۔

''یونائیٹڈ یا برٹش'' لاؤنج کی طرف بڑھتے ہوئے دونوں سے ایک باوردی شخص نے دریافت کیا تھا۔

''برٹش۔'' ابواحمد نے کہا تھا۔

''اس طرف جناب۔'' اس شخص نے سائفر مشین کی طرف اشارہ کیا۔

ابواحمد نے بڑے اطمینان سے اپنا بیگ سائفر مشین پر رکھا اور سکیورٹی کلیئر ہونے پر اٹھا لیا۔

اس دوران اس نے کنکھیوں سے ابوحماد کو یونائیٹڈ ایئر لائن کے کاؤنٹر سے ملحقہ اس راستے کی طرف گھومتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ابوحماد بڑے اطمینان سے چلتا ہوا اس باتھ روم کے سامنے تک پہنچ گیا تھا جس سے ملحقہ لاؤنج میں گیٹ نمبر 22 کی قطار لگی تھی۔

گیٹ نمبر 22 پر برٹش ایئرویز کی لندن جانے والی فلائیٹ کے مسافر سوار ہو رہے تھے۔

یہاں ایک اور سائفر مشین نصب ہے جس سے دوبارہ ہینڈ بیگ گزارنے کے بعد گیٹ کے دروازے پر مستعد برٹش ایئرویز کے دو آفیسر صرف اس مسافر کو گیٹ کے اندر جانے کی اجازت دیتے تھے جس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ وہ چیک کر لیتے۔

عموماً برٹش ایئرویز کے جہاز پر اپنے پیاروں کو رخصت کرنے والے اسی چور راستے سے گھوم کر جہاز کے دروازے تک آیا کرتے تھے۔ سکیورٹی حکام کو اس بات کا علم تھا لیکن وہ مطمئن رہتے تھے کہ جہاز میں سوار ہونے سے پہلے چونکہ مسافروں کو ایک مرتبہ پھر تلاشی کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یوں بھی ٹکٹ اور ویزے کے بغیر کسی کو گیٹ کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس لئے کسی غیر متعلقہ شخص کے لئے جہاز تک پہنچنا ممکن نہیں تھا...... یہاں مسافروں کو چھوڑنے کے لئے آنے والوں کا اجتماع خطرے کا باعث نہیں بنتا تھا۔

O

ابو احمد فلائیٹ سے اڑھائی گھنٹے پہلے یہاں پہنچا تھا اسے ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اپنے ''مہمان'' کا بےچینی سے انتظار کرتے لیکن ابھی تک دور دور تک اسے اپنے ''مہمان'' کی آمد کا نام و نشان نہیں مل رہا تھا۔

سائنز مشین سے گزرنے کے بعد اس نے سامنے برٹش ایئر ویز کے کاؤنٹر کا رخ کرنے کے بجائے لاؤنج میں بچھی کرسی پر بیٹھنے کو ترجیح دی تھی۔ اس نے وقت گزاری کے لئے ایک بیگ سے کچھ کاغذات نکال کر انہیں پڑھنا اور ان پر نشانات لگانے شروع کر دیئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی مصروف کاروباری شخص ہے جو اس وقت بھی کوئی کاروباری الجھن سلجھا رہا ہے۔

سامنے کاؤنٹر پر اب مسافروں کی قطاروں میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

اچانک ہی اس کی مراد بر آئی جب اس نے سر کے درمیانی حصے پر کپڑے کی گول ٹوپی رکھے ایک ڈھلتی عمر کے یہودی کو سائنز مشین سے اپنا سامان اٹھا کر اس طرف آتے دیکھا۔ ابو احمد اس شخص کو ہزار پردوں میں پہچان سکتا تھا گو کہ وہ آج چھ سال بعد اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا لیکن یہ چہرہ ایسا نہیں تھا جو اسے مرتے دم تک کبھی بھول پاتا......!

یہ شمعون تھا......!

O

تل ابیب کے انٹیروگیشن سینٹر کا سابقہ انچارج......!

''موساد'' کا اعلیٰ افسر۔

سینکڑوں بے گناہ فلسطینیوں کا قاتل!

شمعون نے اپنے ہاتھوں درجنوں فلسطینی بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور نوجوانوں کی جان لی تھی لیکن آج تک اس نے کسی کو پستول کی گولی سے نہیں مارا تھا۔

وہ اپنی اس شہرت پر فخر کیا کرتا تھا کہ اس نے درجنوں فلسطینیوں کو اذیتیں دے دے کر سسک سسک کر مرنے پر مجبور کیا۔

''موساد'' کے اس اذیت خانے میں جس کا وہ انچارج تھا۔ ایک بڑا مرتبان اس کی میز پر سجا رہتا تھا جس میں اس کی درندگی کی بھینٹ چڑھنے والے بے گناہ فلسطینیوں کے جسم سے

اتارے گئے کان محفوظ رہتے تھے۔

جب ان سے بدبو اٹھنے لگتی تو انہیں پھینک کر نئے گرفتاروں کے کان اس میں بھرنے شروع ہو جاتے۔ وہ اپنے ہر ''شکار'' کا تعارف اسی حوالے سے کرایا کرتا تھا۔ ابو احمد کو یاد تھا جب اسے اسرائیلی خفیہ پولیس نے انتفادہ کے آغاز پر ایک روز اچانک ان کے ایک ٹھکانے پر چھاپہ مار کر گرفتار کیا تھا۔

یہ کوئی ایسا خفیہ ٹھکانہ بھی نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ جس کا مالک ان کا ایک فلسطینی ساتھی ہی تھی، لیکن اس بات کا علم تو انہیں بعد میں ہوا کہ ان کا وہ ساتھی دراصل اسرائیلی خفیہ پولیس کا ٹاؤٹ تھا اور ایک روز جب بیروت سے سرحد عبور کر کے آنے والے ایک فلسطینی مجاہد کو جو ''انتفادہ تحریک'' کی کمان سنبھالنے کے لئے مرکزی کمان کی طرف سے اسرائیل میں داخل ہوا تھا۔ وہ اس ہوٹل میں اپنی میٹنگ میں لائے تو اچانک ہی اسرائیلی فوج نے ہوٹل کو گھیرے میں لے لیا۔

شاید اسرائیلی کمانڈوز بہت پہلے سے منصوبہ بندی کرنے کے بعد یہاں چھپ گئے تھے اور ان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ حرکت میں آ گئے۔ مقابلہ کرنے کو ان کے پاس تھا ہی کیا۔ صرف ایک پستول۔ وہ بھی بیروت سے آنے والے مجاہد ساتھی کے پاس۔

''گرفتاری تو یقینی ہے برادر لیکن ہم آپ کو ضرور بچا سکتے ہیں۔'' ابو احمد نے بیروت سے آنے والے ساتھی سے کہا۔ جب اسرائیلی فوج کے کمانڈوز انہیں ہاتھ کھڑے کر کے باہر آنے کی وارننگ دے رہے تھے۔

''یہ بزدلی ہو گی ابو احمد۔ میں تمہارے ساتھ ہی گرفتار ہوں گا یا ہم سب فرار ہوں گے......''

''نہیں برادر! خدا کے لئے وقت کی حکمت کو سمجھو۔ اگر ہم سب پکڑے گئے تو تحریک ختم ہو جائے گی۔ ہماری جانوں سے زیادہ اہمیت اس وقت تحریک کو زندہ رکھنے کی ہے۔ یوں بھی ابھی تک اگلی پلاننگ کا علم تمہارے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ ادھر آؤ......اس طرف۔''

O

اس نے قریباً ہاتھ کھینچتے ہوئے اس ہوٹل کے پچھلے دروازے کی طرف کھینچا۔ اس

دروازے کا راستہ مقبوضہ بیت المقدس کی اس گنجان آباد گلی میں کھلتا تھا جس کے ہر مکان پر کسی بھی فلسطینی مجاہد کے لئے محفوظ پناہ گاہ موجود تھی۔ ابواحمد کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر ان کا کمانڈر کسی بھی طرح اس راستے سے نکل گیا تو انشاء اللہ غاصبوں کی دسترس سے محفوظ ہو جائے گا۔

''ایک منٹ ٹھہرو۔ میں نے ابھی ہوٹل کا حساب بے باق کرنا ہے۔'' کمانڈر نے اچانک ہی پستول نکال کر چھوٹے سے ہال کمرے میں لگے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے اس مخنی سے عرب کو للکار کر رک جانے کا حکم دیا جو کاؤنٹر کی آڑ لے کر شاید کسی عقبی دروازے سے بھاگ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''اپنے دین اپنے وطن اور لوگوں سے بغاوت اور دشمن کا ایجنٹ بن جانے کے جرم میں تمہیں سزائے موت کا حکم سنایا جاتا ہے جس پر ابھی اور اسی وقت عمل ہوگا۔''

کمانڈر کے منہ سے نکلے الفاظ نے اس کے چہرے کا رنگ زرد کر دیا تھا۔

''ابواحمد تم......تم......؟'' اس نے مدد کے لئے ابواحمد کو پکارا۔

''چپ کر غدار! کاش ہمیں کچھ مہلت مل جاتی اور ہم تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی نوچ کر اسے صحرائی گدھوں کی خوراک بنا سکتے۔ کاش تمہیں اذیت ناک موت دی جا سکتی۔'' ابواحمد نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''دیکھو! تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔ اگر تم نے مجھے مار دیا تو وہ تم سب کو......''

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی جب کمانڈر کی پستول نے یکے بعد دیگرے دو شعلے اگلے اور غدار اپنے ناپاک وجود کے ساتھ کاؤنٹر پر اوندھا گر پڑا۔

اچانک ہی ایک خیال ابواحمد کے دوسرے ساتھی حمدان کو سوجھا تھا۔ اس نے کاؤنٹر کے دوسرے سرے پر موجود مٹی کے تیل کا چولہا کاؤنٹر پر الٹ دیا اور اپنے پاس موجود ماچس کی جلتی ہوئی تیلی اس طرف پھینک دی۔

چند سیکنڈ کے اندر ہی تین عمل وقوع پذیر ہوئے۔

کمانڈر ''فی امان اللہ'' کہہ کر ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مقامی آبادی کے مجاہدین نے جب اسرائیلی فوجیوں کو ہوٹل گھیرے میں لیتے دیکھا تو وہ صورت حال کی نزاکت جان گئے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی اپنے مکانوں اور گلیوں کی بتیاں بجھا دی تھیں۔

یہ اندھیرا گھیرے میں آنے والے مجاہدین کو فرار میں سہولت بہم پہنچانے کے لئے کیا

گیا تھا۔

پلک جھپکتے آگ نے لکڑی کی اس عمارت کو بارود کے ڈھیر میں بدل دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی محفوظ دروازے سے ابواحمد اور حمدان ہاتھ اٹھائے باہر نکل آئے۔ ان کے تعاقب میں ہوٹل میں موجود تین دوسرے گاہک بھی باہر آ گئے تھے۔

اسرائیلی فوج چیلوں کی طرح ان پر لپکی اور انہیں اپنے ہاتھ میں پکڑی بندوقوں کے بٹ اور ٹھوکریں مارتے ہوئے اپنے ٹرکوں کی طرف لے جانے لگے۔ آگ اتنی تیزی سے پھیلی تھی کہ ان لوگوں کے لئے اندر موجود اپنے ٹاؤٹ کو بچانے کا کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

فوجیوں میں موجود ''موساد'' کے ایک افسر نے اپنی قہرناک نگاہوں سے باری باری ان سب کا جائزہ لیا۔ پھر وہ احمد کی طرف پلٹا۔

''اندر کتنے لوگ موجود ہیں؟''

''مجھے کچھ علم نہیں۔ ہم تو ہاتھ اٹھائے باہر آنے کی تیاریاں کر رہے تھے جب اچانک آگ بھڑک اٹھی۔'' اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو۔'' اس نے اتنی زور سے تھپڑ ابواحمد کے کان پر مارا تھا کہ اسے کان کا پردہ پھٹتا محسوس ہوا۔

اس کے ساتھ ہی وہ مقہوروں میں موجود اس بوڑھی خاتون کی طرف پلٹا۔ جو اپنے بچے کے ساتھ ہاتھ اٹھائے باہر نکلی تھی۔ اس نے بوڑھی لیکن جواں عزائم رکھنے والی مسلمان عورت سے یہی سوال دریافت کیا۔

''مجھے علم نہیں۔ میں تو اپنے بیٹے کے ساتھ دوسرے کونے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی جب اچانک آگ بھڑک اٹھی۔ ہم تو آپ لوگوں کے للکارنے پر ہاتھ کھڑے کر کے دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آگ کب اور کیسے لگی؟'' محترم خاتون نے بڑے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

''ہوں ں ں......'' موساد کے کیپٹن کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے اپنی ٹانگ پوری قوت سے بوڑھی عورت کے پیٹ میں ماری۔ وہ کراہتی ہوئی الٹ کر دوسری طرف جا گری۔

بوڑھی عورت کے نوجوان بیٹے نے ایک لمحے کے لئے اپنی ماں کی طرف دیکھا پھر اپنا

منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

کیپٹن نے ہوٹل سے برآمد ہونے والے تمام نو گرفتاروں سے یہی سوال کیا تھا لیکن اسے سب نے وہی جواب دیا جو ابو احمد دے چکا تھا۔ ہر نو گرفتار کے ساتھ اس نے یہی سلوک دہرایا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے اپنے ساتھی ایک نوجوان لیفٹیننٹ کو اپنے قریب بلا کر کچھ ہدایات دیں۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے اسرائیلی فوجیوں کے ایک ٹرک اور جیپ کو تیز رفتاری سے مقامی آبادی کی طرف بڑھتے دیکھا۔ ابو احمد سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ کمانڈر کی گرفتاری کے لئے گئے ہیں لیکن وہ مطمئن تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اب تک ان کا کمانڈر محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گیا ہوگا۔

اور یہی ہوا......!!

اس بات کا علم انہیں تل ابیب جانے کے بعد ہوا کہ اسرائیلی فوجیوں کو وہاں سے کچھ ہاتھ نہیں لگا تھا۔

O

ان سب کو وحشیوں کی طرح مارتے پیٹتے اسرائیلی اپنے ٹرکوں تک لائے اور نیم بے ہوش نو گرفتاروں کو ایک ٹرک میں پھینک کر اپنے ایک اڈے کی طرف لے گئے۔ یہاں تین روز تک جن اذیت ناک تفتیشی مراحل سے انہیں گزرنا پڑا وہ ابو احمد کی زندگی کا بڑا بھیانک اور کبھی نہ بھولنے والا حادثہ تھا۔

تین دن تک جب ان دونوں کو مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا تو چوتھے روز ابو احمد اور حمدان کو ان کے درد سے ٹوٹتے اور زخموں سے چور بدن کے ساتھ ایک فوجی جہاز میں راتوں رات تل ابیب پہنچا دیا گیا۔

تل ابیب کے جس ٹارچر کیمپ میں پہنچایا گیا۔ اس کی داستانیں دونوں بچپن ہی سے سنتے آ رہے تھے۔ یہاں سے اول تو کوئی خوش نصیب ہی زندہ بچ کر آیا کرتا تھا۔ اگر کوئی آ بھی جاتا تو مکمل جسم کے ساتھ شاید ہی کبھی واپس لوٹا ہو۔

مقبوضہ بیت المقدس میں جس فلسطینی کا کان کٹا ہوا نظر آتا تو لوگ جان جاتے کہ یہ بدنصیب تل ابیب کے ٹارچر سیل سے ہو کر واپس لوٹا ہے۔ بیشتر لوٹنے والے چلنے پھرنے سے محتاج

تھے۔ یہاں وہ بدقسمت عورتیں بھی موجود تھیں جن کے جسموں کو اذیت ناک مراحل سے گزرنے کے بعد سگریٹوں سے داغدار کیا گیا تھا۔

لیکن......

جو بے گناہ ثابت ہوتی تھیں۔

ان کا اگر کوئی گناہ تھا تو صرف اتنا کہ وہ فلسطینی ہیں اور ان کا تعلق ایک ایسی بدبخت قوم سے ہے جو 50 سال ظلم و ستم کی چکی میں پسنے کے بعد بھی اپنا حق مانگ رہی تھیں جبکہ اصولاً انہیں اب تک اپنے حق آزادی سے دستبردار ہو کر بے غیرتوں جیسی زندگی جینا چاہئے تھا۔

بالکل ایسی زندگی جس کا تصور سپر پاور کے ہاں پایا جاتا تھا......!!

O

شمعون سے ابو احمد کا پہلا تعارف اسی مذبح خانے میں ہوا تھا۔

وہ لوگ رات گئے تل ابیب کے اس انٹروگیشن سینٹر تک پہنچے تھے۔ ہوائی اڈے سے ہی ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر دونوں ہاتھ ہتھکڑیوں سے بازوؤں کے پیچھے باندھ کر انہیں اسرائیلیوں نے قمیص کے کالروں سے پکڑ کر ٹرک میں پھینکا تھا اور اسی طرح سفر کرتے وہ انٹروگیشن سینٹر تک لائے گئے تھے۔

ان کی آنکھوں پر پٹی اتنی کس کر باندھی گئی تھی کہ دونوں خود کو اندھا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ ہوائی اڈے سے انٹروگیشن سینٹر تک انہیں اپنے جسموں پر لگنے والی ضربات کی گنتی بھول گئی تھی۔

سچی بات تو یہ تھی کہ مسلسل مار کھاتے کھاتے اب ان کے جسم ہی بے حس ہو گئے تھے۔

جب ان کی آنکھوں سے پٹی کھول کر اور ہاتھوں سے ہتھکڑیاں اتار کر انہیں دو الگ الگ کوٹھڑیوں میں پھینکا گیا تو دونوں کو کافی دیر تک تو کچھ نظر ہی نہیں آیا تھا۔

چھ سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد ابو احمد نے حمدان کو نہیں دیکھا اسے صرف اتنا علم تھا کہ شمعون نے اس کے ساتھی کے جسم سے مختلف مراحل میں گوشت اتار اتار کر اسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ اس بری طرح مسخ ہو چکا تھا کہ اس کی شکل پہچاننی بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

ایک روز رات کی تاریکی میں اس کی مسخ شدہ لاش اسرائیلی درندے مقبوضہ بیت المقدس میں اس کے گھر کے سامنے پھینک کر چلے گئے تھے۔

اس بدقسمت بستی کے مکینوں کے لئے یہ کوئی انہونی بات نہیں تھی یہ تو یہاں کا معمول تھا۔ آئے روز کسی نہ کسی مسلمان مرد وعورت کو اغوا کر کے لے جانا اور پھر اس کو معذور یا مردہ حالت میں پھینک کر چلے جانا اسرائیلیوں کا وطیرہ تھا۔

کئی مرتبہ جان پر کھیل کر فلسطینیوں نے یہ واقعات شواہد کے ساتھ بین الاقوامی پریس تک پہنچائے تھے لیکن یا تو وہ شائع نہ ہو سکے۔ اگر کسی نے اپنی جان پر کھیل کر انہیں شائع کر ہی دیا تو مہذب اقوام کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

خدا جانے اسرائیل کے حوالے سے فلسطینیوں پر بہیمت کی کسی خبر کو مغربی پریس کیوں برداشت نہیں کرتا تھا؟

مہذب اقوام کی زبانوں پر تالے کیوں لگ جاتے تھے؟

انسانی حقوق کی علمبردار تنظیموں کی بیان بازی اور چیخ وپکار کا کوئی نوٹس کیوں نہیں لیا جاتا تھا؟

O

جب اسے شمعون کے سامنے پیش کیا گیا تو ابو احمد کی حالت ایسی تھی کہ اس کے پاؤں ڈھنگ سے زمین پر نہیں لگتے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ حسب معمول اس نے اپنے سامنے شیشے کے ایک بڑے جار میں مظلوموں کے جسموں سے نوچے گئے کان سجا رکھے تھے!!

''اگر تم فلسطینی ہو تو میرا نام ضرور جانتے ہو گے۔ بیت المقدس اور حیفہ کی مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے بعد سب سے پہلے میرے ظلم وستم کی داستانیں سناتی ہیں۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے سگار سلگایا۔

سگار کا دھواں اس کے منہ پر پھینکتے ہوئے وہ ابو احمد سے مخاطب ہوا۔ ''میں تم سے کسی صورت یہ وعدہ نہیں کروں گا کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر تم میرے دو سوالوں کا صحیح جواب دے دو تو تمہیں کچھ رعایت ضرور مل جائے گی۔''

ابو احمد کو اس کا مکروہ چہرہ ڈھنگ سے دکھائی اور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ لوگ جو انہیں یہاں تک لائے تھے وحشیوں کی طرح بیت المقدس سے تل ابیب تک انہیں مارتے پیٹتے آئے تھے۔ اس دوران انہیں کسی ایک وقت بھی ڈھنگ کا کھانا نصیب نہیں ہوا تھا۔ انہیں اتنا ہی کھانا دیا جاتا جتنا ان کے زندہ رہنے کے لئے کافی ہو۔

''میرا پہلا سوال ہے کہ بیروت سے تمہارا جو ساتھی آیا تھا وہ کہاں ہے؟ اور میرا دوسرا سوال ہے کہ ہوٹل کو آگ کس نے لگائی؟ میں جانتا ہوں تم میری آواز سن رہے ہو اور اس وقت تک سوچنے سمجھنے سے عاری نہیں ہوئے۔ میں تم پر یہ واضح کر دوں کہ میرے سوالات کے جوابات تمہیں دینے ہوں گے۔ تمہاری زبان نہیں دے گی تو تمہاری ہڈیاں دیں گی۔ میں ایک ایک کر کے تمہارے جسم کی ساری ہڈیاں توڑ دوں گا۔ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ میں تم سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی چھین لوں گا۔ کیا تم ایک مخبوط الحواس اپاہج کی زندگی گزارنا پسند کرو گے؟'' شمعون نے اس کے منہ کے قریب ایک مرتبہ پھر اپنے حلق میں موجود سگار کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے ان باتوں کا کچھ علم نہیں۔ میں تو ہوٹل میں حسب معمول قہوہ پینے گیا تھا کہ فوج نے ہوٹل کو گھیرے میں لے لیا۔ ہم لوگ باہر آنے لگے تو ہوٹل کو آگ لگ گئی۔'' ابو احمد کے قدم ضرور ڈگمگا رہے تھے لیکن عزائم نہیں۔

''ہوں ں ں.....'' شمعون کی ہوں خاصی لمبی تھی۔ ''تو یہ بات ہے۔'' اس نے کمرے میں موجود دو سپاہیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے بجلی کی سی پھرتی سے ابو احمد کے دونوں ہاتھ لوہے کے مضبوط کنڈوں سے جکڑ کر اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

اس کرسی نے آج تک نہ جانے کتنے بے گناہوں کا خون چوسا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ اس کا جسم حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

''کیوں نہ میں پہلے تمہارے جسم کا امتحان لے لوں۔'' اتنا کہتے ہوئے وہ گھوم کر ابو احمد کی پشت پر پہنچا اور جلتا ہوا سگار اس کے دونوں کندھوں کے درمیان لگا دیا.....!

ابو احمد کی قمیص کیا مدافعت کرتی۔ آگ اس کے گوشت کو جلانے لگی تھی۔ وہ شدت کرب سے چلاتے ہوئے شمعون کو گالیاں دے رہا تھا لیکن جواب میں شمعون کے قہقہے کمرے

کے در و دیوار ہلا رہے تھے۔ ان قہقہوں میں اس کے دونوں جلاد سپاہی بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے یہ ان لوگوں کا دل پسند مشغلہ رہا ہو۔ جیسے جیسے ابو احمد کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں اس کے ساتھ ان کے قہقہے بلند ہوتے تھے۔ وہ بچوں کی طرح ناچتے ہوئے اس کی چیخوں پر اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔

شمعون چند سیکنڈ کے لئے اس کے جسم پر سگار سے آتشی ضرب لگاتا۔ پھر سگار کا کش لے کر دھواں اس کی طرف اچھال دیتا۔

یہ شیطانی عمل کب تک جاری رہا......!

اس کا احساس ابو احمد کو نہ ہو سکا۔ اسے تو یہ علم بھی نہ ہو سکا کہ کب بے ہوش ہوا اور وہ درندے اسے اٹھا کر کوٹھڑی میں پھینک گئے۔

ابو احمد کو ہوش دوپہر کے بعد اس وقت آئی جب کسی نے اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اس کے منہ پر پانی پھینکا۔ آنے والے کی شکل بھی وہ ڈھنگ سے نہ دیکھ پایا۔ اس نے مٹی کے پیالے میں شوربہ نما کوئی چیز اس کے آگے اس طرح رکھی جیسے کتوں کے سامنے راتب پھینکا جاتا ہے اور عبرانی زبان میں بڑبڑاتا آگے بڑھ گیا۔

ابو احمد کو پانی کی طلب بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ کوٹھڑی کے کونے میں موجود مٹی کی صراحی سے اس نے جیسے تیسے کچھ پانی اپنے حلق میں انڈیلا۔ اسے اپنی پشت پر انگارے دھکتے محسوس ہو رہے تھے۔ شمعون نے جسم ایسی جگہ سے جلایا تھا کہ وہ اپنا زخم بھی نہ دیکھ پائے اور اس کی کسک سے تڑپتا بھی رہے۔

ظلم ڈھانے کا یہ سائنٹیفک انداز ایک یہودی کے سوا اور کون جان سکتا تھا۔ اسے انتہائی صبر کا مظاہرہ کرنا تھا۔

یہی اسے سکھایا اور سمجھایا گیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ ظلم کی یہ رات بہت طویل ہے اور اس کا سویرا ابھی بہت دور...... انہیں بڑے حوصلے اور استقلال سے اس صبح امید کا انتظار ہے...... اس صبح امید کی راہ میں وہ اپنی جانوں کے نذرانے دیتے چلے آ رہے تھے۔ جانے ان کے جسموں کو دم پیدائش ہی جبر سہنے کی عادت پڑ جاتی تھی۔

کون سی ایسی فلسطینی ماں تھی جس کی کوکھ سے جنم لینے والا بچہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس کی ماں

پر اس کے جسم سے پہلے تشدد کے پہاڑ توڑے گئے تھے...... وہ آہنی ارادوں والی ماؤں کے سپوت تھے......!

جو ہاتھوں میں پتھر اٹھائے صیہونی آتش و آہن کے سیلاب کو روکنا چاہتے تھے......!

O

حسن جبلات کی گرفتاری ابو احمد کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ ایسا اکثر ہوتا تھا...... ان کا ایک گرفتار ہونے والا ساتھی اپنے پہلے سے گرفتار شدہ ساتھی کو چند دنوں یا چند گھنٹوں کی اذیت سے بچانے کے لئے اپنے کسی بھی "جرم آزادی" میں اس کا نام لے دیا کرتا تھا......"

اس کے ساتھ ہی اسرائیلی انٹیلی جنس کے لوگ حرکت میں آتے اور اس کے ساتھی کو "مذبح خانے" میں لے آیا کرتے تھے تاکہ دونوں کی تفتیش اکٹھی کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کر لیں۔

حسن جبلات کے ساتھ مل کر ابو احمد نے اسرائیلی فوجیوں کو ناکوں چنے چبائے تھے اور حسن کوئی معمولی "مجرم" نہیں تھا۔ جانے کتنے صبر آزما مراحل سے گزرنے کے بعد ان لوگوں نے اسے گرفتار کیا تھا......!!

حسن جبلات کو علم تھا کہ اس کا دوست گزشتہ ایک ہفتے سے شمعون درندے کے قبضے میں ہے اور اب اس کے جسم کو بھلے چند دنوں یا چند گھنٹوں ہی کے لئے سہی کچھ مہلت ضرور درکار ہے۔

O

رات ڈھلے تک کسی نے اسے کچھ نہیں کہا شاید اس درمیان شمعون اس کے ساتھی حمدان پر اپنا ستم آزما رہا تھا۔

اچانک ہی رات ایک پہر ڈھلنے کے بعد جب وہ اوندھے منہ لیٹا اپنے زخموں کی اذیت محسوس کر رہا تھا اس نے دو فوجیوں کو اپنی کوٹھڑی کی طرف بڑھتے دیکھا۔ ابو احمد سمجھ گیا کہ اس کی باری پھر آ گئی ہے۔ وہ ذہنی طور پر خود کو آنے والے حالات سے نمٹنے کے لئے تیار کرنے لگا۔

"اٹھو! اٹھو!" ایک سپاہی نے کوٹھڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

دوسرے سپاہی نے گالیاں بکتے ہوئے اس کی پسلیوں پر اپنے بوٹ کی ٹھوکر ماری اور

اسے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔

صبر و رضا کا پیکر...... فلسطین کا سپوت...... اپنے قدموں پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں کو پیچھے کی سمت ہتھکڑی لگا کر کس دیا گیا۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور اس کے دونوں بازوؤں میں ہاتھ دے کر دونوں سپاہی اسے بھگاتے ہوئے ایک جیپ تک لائے اور پھر جیپ میں پھینک دیا۔ اسے کچھ بتایا نہیں گیا تھا۔

لیکن......!

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ ان کی منزل اس مرتبہ شمعون کا مکروہ چہرہ نہیں کوئی اور ہے۔

ایک گھنٹہ تک جیپ تل ابیب میں دوڑتی رہی پھر اس کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور اسے جیپ سے نیچے اتار کر اس کی آنکھوں سے پٹی بھی کھول دی تھی۔

ابو احمد کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے خود کو مسلح فوجیوں کی ٹولی کے درمیان گھرے ہوئے پایا۔

ایک لمبے تڑنگے یہودی فوجی افسر کو اس نے اپنی طرف آتے دیکھا۔ جس نے اچانک ہی ٹارچ کی روشنی اس کے منہ پر ڈالی تھی۔ ابو احمد کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ فوجی افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر اطمینان ظاہر کیا اور ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

ایک فوجی نے اس کا بازو پکڑا اور اسے اپنے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ قریباً دس منٹ تک پیدل چلنے کے بعد ابو احمد کو جہاز کے انجن کی مانوس آواز سنائی دی۔ وہ کسی فوجی ہوائی اڈے پر موجود تھا اور اب اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی منزل پھر کوئی دوسرا شہر ہے۔

شاید کوئی نیا "عقوبت خانہ" یا پھر اس کے کسی ساتھی کی طرف سے اس کو چند گھنٹوں یا چند دنوں کے لئے شمعون کے دست خباثت سے بچائے رکھنے کی تدبیر...... بات کچھ بھی رہی ہو۔ یہ لمحات غنیمت تھے۔

اس کی آنکھوں سے اب پٹی اتار دی گئی تھی اور اسے ایک جیپ میں بٹھا کر رن وے کے اس سرے کی طرف لے جایا جا رہا تھا جہاں ایک کونے میں ایک چھوٹا فوجی جہاز کھڑا تھا۔

بندوق کی زد پر اسے جہاز میں سوار کر دیا گیا۔ جہاز میں اس کی سیٹ کے گرد اگرد مسلح اسرائیلی کمانڈوز موجود تھے۔

شاید وہ یروشلم جا رہے تھے......!

O

ابو احمد نے جو سوچا وہی سچ تھا۔ ان کی منزل یروشلم تھی۔ ابھی تک کسی سپاہی نے اس سے بات نہیں کی تھی کسی نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ عربی کی بجائے اپنی زبان عبرانی میں بات چیت کر رہے تھے۔ کبھی کبھی ان میں سے کوئی انگریزی کا فقرہ بھی بول دیتا۔ آپس میں خوش گپیاں کرتے انہوں نے اپنے پاس پہلے سے موجود شراب کی بوتلیں کھول لی تھیں اور گلاسوں کا بھی تکلف نہیں کیا تھا۔

اس کی سیٹ بیلٹ باندھنے کے بعد ابو احمد کو صرف یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اس نے سیٹ بیلٹ کو ہاتھ نہیں لگانا اور اپنی نظریں بھی سامنے رکھنی ہیں۔ اس کی سیٹ والی کھڑکی بند تھی۔ اگر کھلی بھی ہوتی تو رات کے اندھیرے میں وہ باہر کیا دیکھ پاتا۔

وقت کا احساس کہیں کھو گیا تھا......!

اس کے جسم میں ابھی تک شمعون کی سلگائی ہوئی برقی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ بھوک اور پیاس سے وہ بے حال ہوا جاتا تھا لیکن اس کی قومی غیرت نے ان موذیوں سے کچھ مانگنا گوارا نہ کیا اور چپکا ہو کر بیٹھا رہا۔

جانے کتنی دیر تک اس کا سفر جاری رہا۔

جب جہاز نے مشرقی یروشلم کے اس چھوٹے سے عارضی فوجی ہوائی اڈے پر لینڈ کیا تو رات بہت گہری ہونے لگی تھی۔ صحرا کی وہ رات ستاروں کے بغیر زمین پر اتری تھی۔ شاید بادلوں نے اس کے لئے ابر رحمت بننا تھا۔ شاید قدرت کو اس کے صبر پر رحم آ گیا تھا۔

جہاز سے اتارنے کے بعد اس کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھ دی گئی اور اسے جیپ میں بٹھا کر وہ لوگ اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ اس کے ہاتھوں کو باندھا نہیں گیا تھا۔ البتہ انہیں اپنے گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھنے کا حکم ملا تھا۔

O

آسمان پہلی مرتبہ زور سے دھاڑا تو کمانڈر اسد نے بے اختیار آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔

''الحمدللہ!'' اس نے کلمہ تشکر ادا کیا۔

ہوائی اڈے سے فوجی انٹروگیشن سنٹر کی طرف آنے والی واحد سڑک پر انہوں نے گھات لگا رکھی تھی۔ جہاز کی آواز سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جہاز آ گیا ہے۔ کمانڈر اسد نے اپنے پاس موجود واحد نائٹ ویژن (رات کے اندھیرے میں دیکھنے والی عینک) اپنی آنکھوں سے لگا رکھی تھی اور اس کی آنکھیں سڑک پر دور تک دن کے اجالے کی طرح دیکھ رہی تھیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے قراری بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اچانک ہی اس کی مراد بر آئی۔ جب اسے دور سے ایک فوجی ٹرک آتا دکھائی دیا۔ اپنے ساتھ موجود مجاہد کے کندھے پر ہاتھ مار کر اس نے مخصوص سگنل دیا اور اسے نائٹ ویژن تھما دی۔

مجاہد نے اپنی آنکھوں سے نائٹ ویژن لگا کر چند سیکنڈ بعد اتار دی اور وہ بجلی کی سی پھرتی سے اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔

کمانڈر اسد کے ساتھیوں نے اشارہ ملتے ہی اپنی پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔ اسرائیلی فوجی اپنی فوجی تربیت کے مطابق چل رہے تھے۔ آگے مسلح فوجیوں کا ایک ٹرک تھا جس کے پیچھے جیپ میں اس کا گروپ کمانڈر اور اس کے ساتھی ابو احمد کو قابو کیے بیٹھے تھے۔

جنگی تربیت کے مطابق دونوں اپنے درمیان میں بیس پچیس گز کا فاصلہ رکھ کر چل رہے تھے۔

جیسے ہی ٹرک ایک مخصوص مقام پر پہنچا۔ کمانڈر اسد کے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دب گیا۔ زمین میں دبا بم ٹرک کے عین درمیانی حصے کے نیچے پھٹا۔ اس کے ساتھ ہی ٹرک کے اپنے سواروں سمیت پرخچے اڑ گئے۔ گو کہ ایک ہی دھماکہ کافی تھا لیکن احتیاطاً اس نے چند گز آگے دبے دوسرے زمینی دوز بم کا بٹن بھی دبا دیا تھا۔

یکے بعد دیگرے دو زوردار دھماکوں اور اگلے ٹرک کے اڑنے والے پرخچوں نے جیپ کے ڈرائیور کو چند ثانیے کے لیے بوکھلا کر ہی رکھ دیا تھا۔ اس کا پاؤں پوری قوت سے بریک پر پڑا۔ جیپ کو زوردار جھٹکا لگا اور اسرائیلی فوجیوں سے پہلے اس جیپ سے باہر گرنے والا ابو احمد تھا۔ اس کے کانوں نے دونوں زوردار دھماکوں کی آواز اور اب جیپ کو لگنے والے جھٹکے سے اندازہ لگا لیا تھا

کہ اس کے اپنے اس کی مدد کو آ گئے ہیں۔

اپنے وجود میں بچی کھچی تمام تر توانائیوں کو سمیٹ کر اس نے اپنی بائیں سمت چھلانگ لگائی تھی۔ ہاتھوں کا کھلا ہونا اس کے لئے عطیہ خداوندی ثابت ہوا۔ زمین پر گرتے ہی اس نے ریت میں لوٹنیاں لگانی شروع کیں اور لڑھکتا ہی چلا گیا۔ اپنے جسم کا توازن قائم ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنی آنکھوں سے بندھی پٹی اتار کر پھینکی اور وہیں زمین سے چپک کر رہ گیا۔

اس کے جسم کی ساری تکلیف جانے کہاں ہوا ہو گئی تھی۔

بھوک پیاس کا احساس دم توڑ گیا تھا......!

اپنے تعاقب میں اسے زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ یہ اس ہینڈ گرنیڈ کی آواز تھی جو ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے جیپ پر پھینکا تھا۔ پر فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ شاید اس کے ساتھیوں اور اسرائیلی محفوظ سپاہیوں کے درمیان ٹھن گئی تھی۔

ابو احمد کو چند سیکنڈ بعد ہی اپنی پشت پر مہربان ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا اس نے زمین سے شتر مرغ کی طرح گردن موڑ کر دیکھا۔ آنکھوں سے نائٹ ویژن لگائے بیروت سے آنے والا ان کا ساتھی کمانڈر اسد اس کے پیچھے موجود تھا۔

دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

یہ خوشی کے لمحات چند ثانیوں پر ہی محیط تھے۔ کمانڈر اسد اسے اپنے ساتھ قریباً گھسیٹتا ہوا درختوں کے جھنڈ کی طرف لے جا رہا تھا جہاں تازہ دم اونٹ ان کے منتظر تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے سب سے پہلے پانی کی چھاگل ابو احمد کی طرف بڑھائی۔ جس نے بڑے صبر سے گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے اتارا پھر جو کی روٹی میں لپٹا گوشت کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

ابھی انہوں نے اپنے سفر کا آغاز ہی کیا تھا جب اچانک ابر رحمت جوش میں آ گیا۔ ان کے باقی ساتھی الگ الگ ہو کر اپنی منزل کو چلے تھے۔ اب دونوں نے اکٹھے محفوظ مقام تک جانا تھا جہاں جانے کے لئے کتنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ان کی سلامتی کے لئے دعا گو تھے۔

یہ ان کی خوش قسمتی کی انتہا تھی کہ بارش شروع ہو گئی۔ ورنہ شاید انہیں پندرہ بیس منٹ کی یہ مہلت بھی میسر نہ آتی اور اپنی طاقتور سرچ لائٹوں کے ساتھ اسرائیلی فوجی ہیلی کاپٹر ان کے شکار کو نکل آتے۔

صحرا کی بارش ان کے اونٹوں کے قدموں کے نشانات بھی مٹاتی چلی جا رہی تھی۔ جسم میں پانی اور غذا جانے سے ابو احمد کو نئی زندگی کا احساس ہوا تھا۔ اس کی توانائیاں آزادی کا احساس ہوتے ہی واپس لوٹنے لگی تھیں۔ بارش کے قطرے اس کے جسم کی دہکتی آگ پر پھاہا رکھتے چلے جا رہے تھے۔

بارش جاری تھی جب وہ اپنے محفوظ ٹھکانے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

☆☆☆

انتقام!

دریائے اُردن کو کسی محفوظ مقام سے انہوں نے اسی رات عبور کر لیا تھا......!

پندرہ بیس روز تک اس کے جسم کے زخموں کا علاج ہوتا رہا۔ اس کے جسمانی زخم آہستہ آہستہ مندمل ہوتے گئے لیکن روحانی گھاؤ بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

اسی کیمپ میں اسے علم ہوا کہ شمعون نے اس کے فرار کا انتقام اس کے ساتھی حمدان سے لیا تھا اور اس کی لاش جب حیفہ میں اس کے گھر کے باہر پھینکی گئی تو اس کے بدن کی قریباً ساری ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ جلا کر مسخ کر دیا گیا تھا۔

لیکن......!

اتنا نہیں کہ اس کی شناخت نہ ہو پاتی۔

حسن جبلات کو اسرائیلی فوجیوں نے اسی طرح اذیتیں دے دے کر مار ڈالا تھا۔ وہ لوگ جاننا چاہتے تھے کہ اس نے تل ابیب سے ابو احمد کی اطلاع اپنے ساتھیوں تک کس طرح پہنچائی ہے......!!

حسن جبلات کے زخم زخم جسم میں گولیاں اتار کر وہ لوگ اسے بھی ایک روز فلسطینیوں کی ایک بستی کے باہر پھینک کر چلے گئے تھے۔

ابو احمد کے دل میں شمعون کے لئے پہلے سے موجود نفرت دو چند ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا' شمعون کو موت کی گہری نیند سلانا۔

وہ تل ابیب واپس جا کر ہزاروں بے گناہ فلسطینیوں کا انتقام اس موذی کو مار کر لینا چاہتا تھا۔

لیکن......!

یہاں سب کچھ اس کی مرضی پر منحصر نہیں تھا۔ وہ ایک تنظیم سے بندھا تھا۔ ایک نظم کا پابند تھا اور اس کی تنظیم کی طرف سے پہلی ترجیح اس کی تعلیم کو دی جا رہی تھی۔ ان لوگوں کو تربیت یافتہ انجینئر اور ڈاکٹروں کی ضرورت تھی اور ابواحمد میں ایک شاندار انجینئر بننے کے تمام جوہر موجود تھے۔

ایک روز اسے فلسطینیوں کی اس بستی سے لندن کے سکول آف انجینئرنگ میں منتقل ہونا پڑا۔ جہاں اس نے انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری کے ساتھ ساتھ یہاں کی شہریت بھی حاصل کر لی۔ اس درمیان وہ تحریک آزادی سے جڑا رہا پھر اسے مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جانا پڑا۔ جہاں اس کی ملاقات ابوحماد سے کروائی گئی۔ جو یہاں میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

O

یہ اس کی زندگی کا خوشگوار ترین لمحہ تھا جب اسے بتایا گیا کہ انہوں نے نیویارک کے ہوائی اڈے پر "موساد" کے قصائی اور فلسطینیوں کے قاتل شمعون کو موت کی گہری نیند سلا کر اپنے دل و دماغ پر سالوں سے پڑا بوجھ اتارنا ہے.....!

شمعون کی خدمات "موساد" نے اسرائیلی وزارت خارجہ کو سونپ دی تھیں۔ وہ آج کل امریکہ میں موجود اسرائیلی سفارت خانے میں اہم خدمات سرانجام دے رہا تھا۔

ان خدمات کی نوعیت سے سی آئی اے اور ایف بی آئی سے زیادہ خود فلسطینی آگاہ تھے۔

وہ جانتے تھے کہ بظاہر تخریب کاروں کی گرفتاری میں مدد دینے کے پروگرام کی آڑ میں شمعون دراصل امریکہ میں موجود فلسطینی طالب علموں کے خلاف جعلی ثبوت اکٹھے کر کے امریکی حکام کو گمراہ کرنے کے مشن پر آیا تھا۔ اس کی امریکہ میں آمد کے بعد سے فلسطینیوں کی حمایت میں رسوا ہونے والے دو غیر ملکی دانشور اب تک اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

اٹلی کے ایک سکالر کو جو اپنی یہودی دشمنی کے لئے مشہور تھے ایک روز لاس اینجلس میں ایک تیز رفتار کار نے عین اس وقت اپنے ٹائروں تلے کچل ڈالا جب وہ معمول کے مطابق گھر سے سیر کرنے قریبی پارک کی طرف جا رہے تھے۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ پولیس کو اس قتل کا کوئی بھی عینی شاہد نہ مل سکا۔ انہیں علم ہی نہ ہو سکا کہ کار کس سمت سے آئی اور پروفیسر کو مار کر کس طرف نکل گئی۔ صرف ان کی لاش پوسٹ مارٹم

سے اندازہ ہوا کہ انہیں کار کے ٹائروں تلے کچل کر مارا گیا ہے۔

پولیس نے اسے اتفاقی حادثہ قرار دیا تھا اور مارنے والے مفرور کار سوار کی تلاش میں ناکامی کا اعتراف کر لیا تھا۔

دوسری موت جرمنی کے ایک سفارت کار کی تھی جس کے متعلق "موساد" کو شک تھا کہ وہ فلسطینی تحریک آزادی کا معاون ہے اور جرمنی میں اس کی مدد سے فلسطینیوں نے دوستوں کا ایک گروپ جمع کر لیا ہے۔ اس سفارت کار کو جس پراسرار طریقے سے موت کی گہری نیند سلایا گیا تھا۔ وہ طریقہ صرف 'موساد' ہی اپنا سکتی تھی۔

ایک اور جرمن سفارت کار نیویارک کے ڈاؤن ٹاؤن کسی کام کے لئے گئے تھے۔ جب وہ 43 ایونیو میں واقع ایک بلڈنگ کی لفٹ سے باہر نکلے تو چند قدم آگے چلنے کے بعد ہی گر پڑے۔ انہیں ہسپتال لے جایا گیا تو معلوم ہوا کہ دل کے دورے سے ان کی موت واقع ہو گئی ہے۔

فلسطینی جانتے تھے کہ ایسا گھناؤنا ہتھیار صرف "موساد" ہی اپناتی ہے.....!

"موساد" کے کسی ایجنٹ نے سفارت کار کے جسم میں نامحسوس طریقے سے وہ سرنج لفٹ میں لگا دی ہو گی جس میں موجود زہر ایک لمحے کے اندر جسم میں سرایت کر جاتا تھا اور محض دو یا تین منٹ بعد اس شخص کی موت واقع ہو جاتی تھی۔

کمال کی بات تو یہ تھی کہ اس زہر کے شکار کی پوسٹ مارٹم رپورٹ یہی بتایا کرتی تھی کہ اس کی موت دل کا دورہ پڑنے سے واقع ہوئی ہے۔

دنیا بھر میں موجود زہریلے مادوں کا اتنا گھناؤنا استعمال "موساد" کا خاصا تھا۔

O

"موساد" میں موجود "دہشت گردی" کا مخصوص سیل انسانی ہلاکت کے نت نئے طریقے جاننے کے لئے مسلسل تجربات کرتا رہتا تھا۔ ان طریقوں میں یہ احتیاط ملحوظ خاطر رکھی جاتی تھی کہ مرنے والے کی موت بالکل طبعی لگے۔

پانچ فلسطینی نوجوانوں کو اب تک شمعون جعلی ثبوتوں کے ساتھ امریکی جیل خانوں میں پہنچا چکا تھا اور اسرائیل کے بعد اب امریکہ میں فلسطینیوں اور ان کے حمایتیوں کے لئے دہشت کی

علامت بنتا جارہا تھا۔

امریکی انٹیلی جنس حکام اب اسے اپنے ملک کے لاء اینڈ آرڈر میں مداخلت جاننے لگے تھے۔ خصوصاً جرمن سفارت کار کی موت کے بعد جب سفارتی محاذ پر امریکہ اور جرمن کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہوا تو ''پنٹاگان'' کو اس معاملے کا سیریس نوٹس لینا پڑا۔

امریکہ اور اسرائیل کے درمیان یہ معاہدہ کسی سطح پر موجود ہے کہ وہ ایک دوسرے کے سفارت کار کو ''نان گریٹا پرسن'' (این جی پی) قرار دیئے بغیر اندر خانے ہی معاملات طے کر لیا کرتے تھے۔

ایسا ہی ہوا......

ایک روز اسرائیلی وزیر خارجہ کو امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ کی یہ درخواست موصول ہوئی کہ واشنگٹن میں موجود اپنے تھرڈ سیکرٹری شمعون کی خدمات فی الوقت کسی اور ملک کو منتقل کر دی جائیں کیونکہ جرمن کا دباؤ امریکہ پر مسلسل بڑھ رہا ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں یہ معاملہ پریس میں نہ چلا جائے۔

اسرائیل وزارت خارجہ نے پہلے تو حسب روایت اس بات پر زبردست ناراضگی کا اظہار کیا پھر شمعون کو واپس اسرائیل بلانے کے بجائے اس کا تبادلہ لندن میں اپنے سفارت خانے میں کر دیا۔

اپنے دوستوں کی مدد سے فلسطینیوں کی انٹیلی جنس نے شمعون کی مصروفیات پر مکمل نظر رکھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ شمعون کو امریکہ میں کئے گئے اس کے جرائم کی سزا امریکہ ہی میں دینا چاہتے تھے۔

انہوں نے بڑی احتیاط سے منصوبہ تیار کیا تھا اور اب ابو احمد بھی برٹش ایئر ویز کی اس پرواز کے ذریعے سفر کر رہا تھا جس میں شمعون کو لندن جانا تھا۔

O

شمعون چپ چاپ اپنا بیگ تھامے فسٹ کلاس کی لائن میں کھڑا ہو گیا۔ اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ ابو احمد اس کے پیچھے کھڑا ہے۔

یوں بھی وہ ابو احمد کو اب شاید کبھی پہچان نہ پاتا کیونکہ اس نے اپنا نام اور حلیہ تبدیل کر لیا

تھا اور وہ برطانوی شہریت کے ساتھ لندن میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس کی طرف ایک نظر دیکھنے یا اس سے گفتگو کرنے کے بعد بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ عربی نوجوان ہے۔

ابو احمد نے اپنی بات چیت' چال ڈھال سب کچھ مغربی سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ ایک اس کا دل تھا جو ابھی تک فلسطینی تھا...... یا پھر اس کا ایمان جو سلامت تھا۔ اس عزم کے ساتھ کہ ایک روز اس طویل اور تھکا دینے والی جنگ کا خاتمہ ہو گا اور وہ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ اپنی آزاد سرزمین پر سانس لے گا۔

ابو حماد نے صرف ایک نظر اس طرف ڈالی تھی۔ وہ دوبارہ واپس آیا اور جب اس نے ابو احمد کو شمعون کے پیچھے قطار میں لگتے دیکھا تو چپ چاپ اپنی اسی جگہ واپس چلا گیا جہاں سے وہ شمعون کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

اپنے کام کے خاتمے پر اس نے فرار کے سارے راستے دل ہی دل میں دہرائے اور اب وہ ابو احمد اور شمعون کی آمد کا منتظر تھا۔

O

ابو احمد اور شمعون نے قریباً ایک ساتھ ہی سیٹ نمبر لیا تھا۔ اپنے بورڈنگ کارڈز ہاتھوں میں پکڑے پہلے شمعون اور پھر ابو احمد لائن سے باہر نکلے تھے۔

فسٹ کلاس مسافروں کی حیثیت سے ان کے ساتھ ابھی سے خصوصی سلوک شروع ہو گیا تھا اور ایک مؤدب خاتون نے ان سے فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں شراب نوشی کی درخواست کی تھی۔ شمعون نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے فرسٹ کلاس ویٹنگ روم کا رخ کیا تھا جب کہ ابو احمد نے کسی دوست کی آمد کے پیش نظر وہیں ٹھہرنے کو ترجیح دی تھی۔

''جناب والا کسی بھی خدمت کے لئے ہچکچاہٹ محسوس نہ کیجئے۔'' کہہ کر وہی خاتون شمعون کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

اس درمیان بمشکل ایک دفعہ شمعون کی نظریں اس سے ٹکرائیں۔

تھوڑی دیر بعد ہی جہاز میں چیک ان کا اعلان ہو گیا اور اس نے شمعون کو فسٹ کلاس ویٹنگ روم سے باہر نکلتے دیکھا۔

اس کا دل ایک مرتبہ پھر زور سے دھڑکا اور وہ شمعون کا غیر محسوس انداز میں تعاقب

کرنے لگا پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ اس سے آگے نکل گیا۔

اگلی سائفر مشین پر وہ شمعون سے پہلے کلیئر ہوا تھا اور اب بظاہر ڈیپارچر لاؤنج میں سجی دکانوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب شمعون کلیئر ہو کر آ گیا تو وہ اس سے چپک گیا۔ اب شمعون کو اس نے اپنی ہمراہی میں موت کے منہ میں لے جانا تھا۔

O

حماد کی نظریں برٹش ایئر ویز کے مسافروں پر جمی ہوئی تھیں جو گیٹ نمبر 22 کے سامنے رک کر وہاں کاؤنٹر پر موجود شخص کو اپنا پاسپورٹ اور بورڈنگ کارڈ دکھاتے اور آگے بڑھ کر جہاز کی طرف جانے والی سرنگ میں داخل ہو جاتے تھے۔

اچانک ہی اسے ابواحمد کی شکل دکھائی دی جس نے اپنے آگے جانے والے یہودی کی نشاندہی ایک خاص انداز سے کر کے حماد کی طرف دیکھا تھا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ حماد نے اس کا اشارہ سمجھ لیا ہے مطمئن ہو کر گردن جھکالی۔

حماد نے ڈھلتی عمر لیکن وحشت ناک چہرے والے یہودی شمعون کو جس نے اپنے سر پر گول ٹوپی جما رکھی تھی دیکھ لیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

اس کی رگوں میں بجلیاں کوندنے لگی تھیں۔

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے لمبے کوٹ کی جیب میں رینگ گیا۔

یہ وہی شخص تھا جس نے اسے یتیم کیا۔ شمعون نے اس کے باپ کو تل ابیب میں اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کی بہن کو بے آبرو کر کے خودکشی پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی ماں کو ساری زندگی سسکنے کے لئے زندہ چھوڑ دیا تھا۔

اس نے شمعون کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

لیکن ......!

اس کے دل میں اس شخص کے خلاف نفرت بھی اس کے ساتھ ساتھ پل کر جوان ہوئی تھی اور اس نے بہت چھوٹی عمر میں اپنے باپ کی لاش پر قسم کھائی تھی کہ وہ شمعون کو موقعہ ملنے پر کتے کی موت مار ڈالے گا۔

آج جب حالات نے اسے اپنا عہد وفا کرنے کی مہلت دی تھی تو اسے رہ رہ کر اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ شمعون کو ایسی موت کیوں نہیں دے سکتا جو اس کے تصورات میں آج تک پلتی رہی تھی۔

وہ اس درندے کو اسی طرح سسکا سسکا کر مارنا چاہتا تھا جس طرح شمعون نے سینکڑوں فلسطینیوں کو مارا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں اس کے وجود کا انگ انگ توڑ کر اسے مرنے کے لئے تل ابیب کی گلیوں میں پھینکنے کی آرزو رکھتا تھا۔

لیکن ......!

یہ اس کی مجبوری تھی یا پھر شمعون کی خوش قسمتی کہ وہ ایسی اذیت ناک موت سے محفوظ رہتا۔

ابواحمد نے شمعون کے پیچھے اس طرح پوزیشن لے لی تھی کہ اگر وہ بھاگنے کی کوشش بھی کرے تو بھاگ نہ پائے۔ حماد نے کوشش یہی کرنی تھی کہ وہ اس معرکے کو اکیلا ہی سر کر دے اور کسی بھی طرح کا شک ابواحمد پر نہ ہونے پائے لیکن اگر حالات کوئی دوسرا ہی رخ اختیار کر لیں تو پھر بادل نخواستہ ابواحمد کو بھی میدان میں اترنا تھا کیونکہ انہوں نے اس موذی کا خاتمہ بہر صورت کرنا تھا۔

O

تل ابیب کے مذبح خانے کا سابقہ انچارج!!

آزادی پسند فلسطینیوں کے لئے دہشت اور موت کی علامت!!

اسرائیل کا نام نہاد سفارت کار!!

"موساد" کے ڈیتھ سکواڈ کا اعلیٰ افسر جو اپنے شکار کو زہریلی موت دینے میں یکتائے روزگار تھا۔

جیسے ہی حماد کی رینج میں آیا۔ اچانک حماد نے پستول نکال کر اس کی طرف سیدھا کر لیا۔

دونوں کے درمیان بمشکل پانچ گز کا فاصلہ تھا۔

بزدل یہودی نے موت کو سامنے دیکھ کر اپنے دائیں طرف کھڑے مسافر بچوں کی آڑ

میں خودکو محفوظ کرنے کے لئے اچانک اپنا رخ بدلا تھا...... اپنی دانست میں شمعون نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا لیکن موت اسے مہلت دینے کو تیار نہیں تھی ۔ زہر میں بجھی دو گولیاں ایک دوسری سے بمشکل دو انچ کے فاصلے سے اس کے پہلو میں اتر گئیں ۔

حماد نے جوش غضب میں سارا پستول چند لمحوں میں اس کے جسم پر خالی کر دیا تھا ۔ اس کے مردہ جسم کو زوردار ٹھوکر رسید کر کے وہ دیوانہ وار اسی راستے کی طرف بھاگا' جس سے وہ اندر آیا تھا۔

بائیں ہاتھ مڑتے ہوئے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وحشت زدہ مسافر اور برٹش ایئرویز کا عملہ ابھی تک زمین سے نہیں اٹھ سکا......!

یہ لوگ فائرنگ سے بچنے کے لئے زمین پر لیٹ گئے تھے۔ کسی نے مجمع میں سے چلا کر انہیں ایسا کرنے کی تلقین کی پیروی سب سے پہلے ابو احمد نے کی پھر اس کے دیکھا دیکھی سب لوگ زمین بوس ہو گئے ۔

بائیں طرف مڑنے کے بعد حماد تھوڑا آگے گیا اور پھر دائیں ہاتھ ''ریسٹ روم'' میں داخل ہو گیا۔ یہ اس کی خوش قسمتی کی انتہا تھی کہ ''ریسٹ روم'' خالی تھا ۔ ایک ٹائلٹ میں گھس کر اس نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی اور بمشکل ایک منٹ میں اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے بیگ کو خالی کر دیا ۔

قریباً ڈیڑھ دو منٹ بعد جب ڈیپارچر لاؤنج سکیورٹی کے سائرن اور بھاگتے قدموں کی آواز سے گونجنے لگا تھا تو وہ مقامی ایئرپورٹ ملازمین کے لباس میں باہر نکل رہا تھا' بیگ کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا ۔ اس کے جسم پر موجود لمبا کوٹ تبدیل شدہ رنگ والے بیگ میں پستول سمیت منتقل ہو گیا تھا۔ نیلے رنگ کی ڈانگری جو ایئرپورٹ ملازمین پہنا کرتے تھے اس نے اپنے لباس کے اوپر ہی پہن لی تھی اور چہرے پر موجود مونچھیں اس نے ٹائلٹ میں بہا دی تھیں...... سر پر موجود بالوں کی وگ بھی اسی بیگ میں منتقل کر لی تھی ۔ سفید رنگ کے شیشوں والی عینک اس نے اپنی آنکھوں سے لگا رکھی تھی ۔

اور اب وہ خوفزدہ مسافروں اور عملے کی بھیڑ میں ان برقی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا جو اسے واپس اسی جگہ لے جاتیں جہاں سے وہ بس کے ذریعے اتر کر ہال کمرے میں داخل ہوا

تھا ۔

ہال کمرے میں پہنچ کر اس نے باہر جانے کی بجائے ''فلائیٹ ارائیول'' ...... کا رخ کیا اور ایک منٹ بعد وہ ٹرمینل کے اس حصے میں موجود تھا جہاں برٹش ایئرویز کی فلائٹیں اترا کرتی تھیں ۔

مہمانوں کو لینے آئے میزبانوں کی بھیڑ ابھی تک پرسکون تھی کیونکہ ٹرمینل کے اس طرف ابھی دوسری سمت ٹوٹنے والی قیامت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی ۔

پھر جانے کیسے یہ اطلاع اس طرف بھی آ گئی اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہاں بھی مسافروں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی ۔ شاید اس کی وجہ اس طرف سکیورٹی والوں کی یلغار تھی ۔ پانچ چھ سکیورٹی والے جنہوں نے ہاتھوں میں ''واکی ٹاکی'' پکڑ رکھے تھے' اچانک ہی یہاں چلے آئے تھے ۔ گو کہ انہوں نے اپنی زبان میں کچھ نہیں کہا تھا لیکن دوسری طرف سے آنے والے ایک مقامی ملازم نے شاید یہ خبر مجمع کو منتقل کر دی تھی ۔ جس کے بعد یہاں افراتفری فطری بات تھی ۔

حماد ان سب باتوں سے لاپرواہ بڑے اطمینان سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کار پارکنگ لاؤنج کی طرف جا رہا تھا ۔

عارضی پارکنگ کی قطار میں اس نے چھوٹی سی نیلے رنگ کی ڈاج گاڑی پہچان لی تھی اور اب ادھر کا رخ کیا تھا ۔

''ہائے مائیکل'' کار کی اگلی نشست پر بیٹھی لڑکی نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی دروازہ کھولا اور دیوانہ وار اس کی طرف لپکی ۔

''ہائے ڈیبی'' حماد نے بالکل امریکی لہجے میں اسے جواب دیا ۔

دونوں نے خالصتاً امریکی انداز میں ایک دوسرے سے چمٹ کر معانقہ کیا اور تب تک ایک دوسرے سے چمٹے رہے جب تک پچھلی کار والے نے ہارن دے کر انہیں وقت گزرنے کا احساس نہ دلا دیا ۔

دونوں نے معذرت خواہانہ انداز میں ادھر دیکھا لیکن دوسری طرف سے مسکراہٹ ان کی منتظر تھی ۔

O

ڈیبی نے ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھال لی تھی اور وہ کار کو اڑاتی ہوئی پارکن سٹریٹ تک لائی تھی۔ جہاں کار کھڑی کر کے اس نے حماد کا ہاتھ تھاما اور اسے قریباً کھینچتی ہوئی اپنے پارٹمنٹ تک لائی۔۔۔ یہاں پہنچ کر اس نے فون پر اپارٹمنٹس کی بوڑھی انچارج خاتون کو بلا لیا تھا۔ دو بڑے اٹیچی کیس پہلے سے بندھے پڑے تھے۔ آج وہ اپارٹمنٹ خالی کر کے جا رہی تھی کیونکہ اسے کیلیفورنیا یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تھا اور اب وہ کیلیفورنیا جا رہی تھی۔

اپارٹمنٹ کی بوڑھی انچارج مسز مارتھا کے آنے تک حماد اپنے کپڑے اور حلیہ تبدیل کر چکا تھا۔

بوڑھی میزبان خاتون نے دعاؤں' نیک تمناؤں اور ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ ڈیبی اور اس کے بوائے فرینڈ کو رخصت کیا۔ دونوں نے ایک ایک اٹیچی کیس اٹھا رکھا تھا۔ جب کہ حماد کے دوسرے ہاتھ میں ایک ٹریش بیگ بھی تھا۔ جس میں وہ سارے گھر کی فالتو چیزیں اور وہ وردی بھی موجود تھی جو ابھی تک اس کے جسم کا حصہ بنی رہی تھی۔

دونوں دوبارہ کار تک آئے۔ اٹیچی کیس انہوں نے کار کی ڈگی میں رکھ دیئے تھے جو بڑی مشکل سے پورے آئے تھے۔ ٹریش بیگ انہوں نے پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

اپنے اپارٹمنٹ سے قریباً پانچ میل کے فاصلے پر ٹریش بیگ ایک بڑے ''بن'' میں پھینک کر وہ ''لوگا ڈیا ایئرپورٹ'' کی طرف چل دیئے۔ ''ڈیلٹا ایئر لائن'' کے ٹرمینل کے سامنے رک کر انہوں نے سامان اتارا۔ اس درمیان حماد ایک ریڈھی ڈالر مشین میں ڈال کر نکال چکا تھا۔ دونوں اٹیچی کیس اور ہینڈ بیگ انہوں نے ٹرالی پر رکھ لئے۔

ڈیبی دوبارہ کار میں واپس آئی۔

حماد وہیں کھڑا رہا جب کہ اس کی ساتھی ایئرپورٹ ہی کے دوسرے پارکنگ لاؤنج کی طرف روانہ ہوگئی۔

یہاں پہنچ کر اس نے ''رینٹ اے کار'' والے حصے میں گاڑی پارک کر دی۔ چند منٹ بعد وہ کار مالکان کو کار کا کرایہ ادا کر کے انہیں مطمئن کرنے کے بعد ''پارکنگ چینل سروس'' کی بس کے ذریعے ڈیلٹا ایئر لائن کے ٹرمینل کی طرف جا رہی تھی۔

اس کے وہاں پہنچنے تک حماد نے دونوں اٹیچی کیس ''چیک ان'' کروا دیئے تھے۔ دونوں

بورڈنگ کارڈ ہاتھ میں پکڑے وہ ڈیبی کا منتظر تھا۔ ایک مرتبہ پھر انہوں نے امریکی انداز میں ایک دوسرے کا استقبال کیا اور ایک دوسرے کا بازوؤں کا سہارا لیتے اس گیٹ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سے انہوں نے جہاز میں سوار ہونا تھا......!

پندرہ بیس منٹ بعد ڈیلٹا ایئر لائن کی ایک بوئنگ پرواز میں وہ کیلیفورنیا کے شہر سیکرامنٹو کی طرف محو پرواز تھے۔ ''ڈیلاس'' پر انہوں نے جہاز تبدیل کر لیا اور جب آٹھ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد وہ سیکرامنٹو پہنچے تو یہاں صبح طلوع ہو رہی تھی۔

O

جہاز حسب روایت بروقت ایئرپورٹ پر پہنچا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس ہال کمرے میں آ ئے تھے جہاں جہاز کے بقیہ مسافر اپنا اپنا سامان وصول کر رہے تھے۔ ہال کمرے پر طائرانہ نظریں دوڑانے کے بعد حماد اور ڈیبی اس خالی فوم کے بنچ پر جا بیٹھے جس کے بالکل سامنے باہر جانے کے دروازے کھلتے تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ مختلف ایئر لائنوں کے ٹکٹ کاؤنٹر موجود تھے۔ قریباً ہر کاؤنٹر اس وقت مصروف نظر آ رہا تھا۔

دونوں کبھی کبھی کن اکھیوں سے انہی کاؤنٹر کی طرف دیکھ لیتے تھے۔ شاید انہیں کسی کا انتظار تھا۔ اچانک ہی ڈیبی نے حماد کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ بڑھایا۔ انہوں نے امریکن ایئر لائن والے کاؤنٹر سے ایک مسافر کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ حماد کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

آنے والے نے اپنے سر پر یہودیوں کے انداز میں ہیٹ سجا رکھا تھا۔ اس کی گھنی ڈاڑھی اور لمبا کوٹ اس کے یہودی ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔

یہ حسن تھا......!!

حسن طلال۔۔۔۔ ان کا مقامی ساتھی۔ حماد نے حسن طلال کے بنائے منصوبے کے مطابق ہی عمل کیا تھا اور کامیاب واپس لوٹا تھا۔

''الحمدللہ مبارک باد'' حسن نے ان کے نزدیک پہنچ کر بے تکلفی سے سلام کرنے کے بعد بالکل یہودیوں کے سے انداز میں بغل گیر ہو کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس نے ڈیبی کی طرف دیکھ کر بطور خاص اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ ڈیبی نے جواب میں صرف کندھے اچکانے پر اکتفا

کیا۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے اور اب وہ شکل سے ایک کھلنڈری طالبہ دکھائی دے رہی تھی۔

حسن ان کے درمیان بیٹھ گیا تھا۔ اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے بڑے نامحسوس انداز میں اپنے چھوٹے سے بیگ سے ایک لفافہ نکال کر حماد کی طرف بڑھا دیا۔ حماد جانتا تھا۔ اس لفافے میں کیا ہے۔

"ہمیں چلنا چاہئے۔" حسن نے سامنے دیوار سے لگی الیکٹرک واچ پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

"فی امان اللہ" حماد نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

"گڈ لک" ڈیبی نے اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد حسن اور ڈیبی سامنے والے ایگزٹ سے باہر جا رہے تھے جبکہ حماد اپنی جگہ آرام سے بیٹھا رہا۔ حسن اپنے ساتھ جو چھوٹا سا سوٹ کیس لایا تھا وہ اس کے قدموں میں دھرا تھا۔ اسی طرح اس کا بیگ بھی بدل چکا تھا اور حسن اس کا بیگ لے جا کر اپنا بیگ یہاں چھوڑ گیا تھا۔

دونوں کی روانگی سے چند منٹ بعد ہی اس نے لفافے میں موجود ڈالروں کے اوپر رکھی امریکن ایئرلائن کی ٹکٹ دیکھی۔ اس کی فلائیٹ آدھ گھنٹہ بعد اسی ایئرپورٹ سے روانہ ہونے والی تھی۔ اس مرتبہ اس کی منزل لاس اینجلس تھی۔

○

کچھ سوچتے ہوئے وہ اٹھ کر امریکن ایئرلائن کے کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔ اپنا اٹیچی کیس اس نے "چیک ان" کر دیا اور بورڈنگ کارڈ لے کر انہی برقی سیڑھیوں کی طرف چل دیا۔ جن کے ذریعے دونوں تھوڑی دیر پہلے نیچے آئے تھے۔ سات گھنٹے کے مسلسل سفر نے اسے تھکا دیا تھا لیکن کیا مجال جو اس کے چہرے سے تھکاوٹ کے آثار ظاہر ہوتے ہوں۔ وہ ہشاش بشاش نوجوانوں کی طرح بےفکری سے مخالف سمت کی برقی سیڑھیوں پر تیز تیز قدم دھرتا ایئرپورٹ ٹرمینل بلڈنگ میں دوبارہ داخل ہو گیا۔ اس مرتبہ وہ بارہ نمبر گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ گیٹ کے سامنے موجود کرسیوں پر اس پرواز سے جانے والے کچھ مسافر بیٹھے تھے۔ حماد نے ادھر کا رخ کرنے کے بجائے گیٹ نمبر بارہ سے ملحقہ چھوٹی سی بار کا رخ کیا اور وہاں سے سوڈے کا بڑا کپ اور ایک

شوگر لیس چاکلیٹ لے کر گیٹ کے سامنے والی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ امریکی نوجوانوں کے انداز میں اس نے چاکلیٹ کے ساتھ سوڈے سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیا۔

امریکن ایئرلائن کے کاؤنٹر پر موجود مستعد عملے نے جہاز کی بروقت روانگی کا اعلان کر کے اب مسافروں سے جہاز میں جانے کی درخواست کر دی تھی۔ وہ جہاز میں داخل ہونے والا شاید یہاں موجود آخری مسافر تھا۔ کیونکہ اس کے بعد آنے والے قریباً بھاگتے ہوئے یہاں تک آئے اور پھر جہاز میں داخل ہوئے تھے۔

سوا گھنٹے کی فلائیٹ نے اسے لاس اینجلس پہنچا دیا۔

اپنا بیگ وصول کرنے کے بعد وہ بڑے اطمینان سے باہر آ گیا۔ دروازے کے سامنے بنی سڑک کی پٹڑی پر کھڑے ہو کر اس نے پارکنگ شٹل سروس کی بس کا انتظار شروع کیا۔ چند منٹ بعد ہی وہ پارکنگ شٹل سروس کے ذریعے پارکنگ لاٹ کے ڈی ایریا میں پہنچ گیا تھا۔

ڈی ایریا میں اتر کر اس نے حسن کے بیگ کی اگلی جیب سے چابیاں اور پارکنگ ٹکٹ نکالا اور بڑے اطمینان سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ڈی ایریا کے شمال کی سمت میں موجود کاروں کی لائن تک پہنچ گیا۔ نیلے رنگ کی شیورلیٹ کار ایک کونے میں موجود تھی۔

یہ اس کی اپنی کار تھی جسے حسن یہاں چھوڑ گیا تھا اور سیکرامنٹو ایئرپورٹ پر اسے اگلے پلان سے مطلع کرنے کے بعد اس سے الگ ہوا تھا۔ اس نے اپنا سامان کار کی ڈگی میں رکھا اور کار اسٹارٹ کر کے باہر آ گیا۔ قاعدے کے مطابق اس نے پارکنگ فیس ادا کی اور ایکسپریس وے سے گزرتا ہوا اب ہائی وے پر آ گیا۔ اس کی منزل نزدیکی شہر پوماناتھی۔

☆☆☆

موساد

پوماناکے ایسٹ ایریا میں اس نے پانچویں ایونیو پر اپنی گاڑی پارک کی۔ یہ اس کی مخصوص پارکنگ تھی اور اپنے فلیٹ میں پہنچ گیا۔ سب کچھ جوں کا توں موجود تھا۔ بالکل یوں ہی جیسے وہ معمول کے مطابق ویک اینڈ گزار کر آیا ہے۔ اپنے فون سے اس نے سان فرانسسکو کا ایک نمبر ملایا۔ فون سننے والے نے اس کی خیریت معمول کے مطابق دریافت کرنے کے بعد اسے جاگنگ کرنے کا مشورہ دیا اور فون بند کر دیا۔

حماد نے ''جاگنگ'' کے اس مشورے پر چند منٹ بعد ہی عمل کیا اور ٹریک سوٹ پہن کر باہر آ گیا۔ بھاگتا ہوا وہ گھر کے نزدیک اس فون بوتھ پر پہنچا۔ جہاں وہ اکثر آیا کرتا تھا۔ اسی بوتھ میں کارڈ ڈال کر اس نے سان فرانسسکو کا نمبر ملایا لیکن یہ کسی گھر کا نہیں بلکہ ایسے ہی ایک ٹیلی فون بوتھ کا نمبر تھا جو سان فرانسسکو کے بی ایریا میں نصب تھا۔

فون اس شخص نے ریسیو کیا جس نے حماد کو جاگنگ کا مشورہ دیا تھا۔

''لندن والے مہمان خیریت سے گھر پہنچ گئے ہیں۔'' اس نے حماد کو مطلع کیا۔ ''لیکن ان لوگوں نے نیویارک اور واشنگٹن میں دوستوں پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے۔ فی الوقت کسی سے رابطے کی ضرورت نہیں۔ لائن کلیئر ہونے پر تمہیں مطلع کر دوں گا۔''

دونوں پندرہ بیس منٹ باتوں میں مصروف رہے۔ حماد نے خدا حافظ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا کیونکہ ایک خاتون اب اس بوتھ کی طرف آ رہی تھی۔

اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں حماد کے ساتھی کا فون ''بگ'' نہ کیا جا رہا ہو، وہ لوگ ضروری گفتگو کے لئے یہی محفوظ طریقہ استعمال کرتے تھے۔ حماد گھر واپس آ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ رات کی خبروں میں نیویارک ایئرپورٹ پر اسرائیلی سفارتی مشن کے نمائندے مسٹر شمعون کے

قتل کی خبر سن رہا تھا۔

خبریں پڑھنے والی خاتون کہہ رہی تھی کہ امریکہ کی گزشتہ بیس سالہ تاریخ میں کسی نے پہلی مرتبہ اتنی دیدہ دلیری سے امریکی سکیورٹی سسٹم کو چیلنج کرنے کی جرأت کی تھی۔ ایف بی آئی کو شک تھا کہ مقامی ایئرپورٹ انتظامیہ میں قاتل کا ساتھی ضرور موجود ہے جس کی مدد سے اس نے قتل کی واردات کی اور جس محفوظ راستے سے وہ آیا اور پھر فرار ہوا ہے وہ بھی کسی عام شخص کے تصور میں نہیں آ سکتا۔ خبروں میں ہوائی جہاز کے کچھ مسافروں کے انٹرویوز بھی نشر کئے گئے تھے اور بتایا گیا تھا کہ ایک گھنٹے بعد برٹش ایئرویز کی اس پرواز کو روانگی کی اجازت مل گئی تھی۔

اس نے مسکراتے ہوئے ٹی وی کا سوئچ آف کیا اور لمبی تان کر سو گیا۔

O

یکم جولائی 48ء کی ایک شام کا ذکر ہے ابھی ''موساد'' (اسرائیلی انٹیلی جنس) کا باقاعدہ قیام عمل میں نہیں آیا تھا جب یروشلم سے تل ابیب جانے والی شاہراہ پر واقع ایک گاؤں ''بیت جیز'' کے مکینوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ گزشتہ تین روز سے گاؤں کے مکین جنگ کی تباہ کاریوں کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس گاؤں پر یہودی قابض تھے اور عربی فوجیں یہاں اکثر حملہ کرتی تھیں۔

گاؤں کے ایک کونے میں موجود چار سو سال پرانے زیتون کے درخت کے سامنے ایک ٹرک آ کر رکا۔ یہ زاہل اسرائیلی ڈیفنس فورس کے لوگ تھے۔ کچھ نے خاکی وردی پہن رکھی تھی اور باقی معمول کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کی مشترکہ شناخت یہی تھی کہ یہ یہودی تھے۔ وگرنہ ان سات میں سے ہر ایک کا تعلق الگ الگ ملک سے تھا صرف دو مقامی یہودی تھے۔

14 مئی کو اس گاؤں کے لوگوں کو یہودی فوج نے مطلع کیا تھا کہ گاؤں پر اسرائیلی فوج نے قبضہ کر لیا ہے جس کا مقابلہ اب اُردن، شام، عراق، مصر اور لبنان کی مشترکہ فوج سے ہو رہا تھا۔ فلسطینی ''یہودیوں کے لئے موت'' کے نعرے کے ساتھ اس جہاد میں شامل تھے۔

16 مئی سے یہاں باقاعدہ جنگ جاری تھی۔ 11 جون کو جب وقتی طور پر سیز فائر کا اعلان ہوا تو گاؤں کے مکینوں نے سکھ کا سانس لیا لیکن یہ سیز فائر شاید تھکا دینے والی دوڑ کے بعد ایک لمبا سانس لینے کی مہلت تھی۔ عرب خود کو آرگنائز کر کے ایک مرتبہ پھر بن گوریان کی کمان میں

موجود اسرائیلی فوجوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہے تھے۔

دوسری طرف بن گوریان کے ساتھی نازی کیمپوں سے بچنے والے یہودی فوجیوں کو دھڑا دھڑ اسرائیل پہنچا کر اسرائیل کی فوجی قوت کو مضبوط کر رہے تھے۔

تل ابیب اور یروشلم کے درمیان پہاڑی علاقے میں جنگ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکی اور بالآخر اُردن کے شاہ عبداللہ کی کمان میں موجود ہاشمی فوج کے جیالوں نے یہودی افواج کے پنجہ استبداد سے یروشلم کے پرانے شہر کو آزاد کروالیا۔ اب یہاں اُردن کا پرچم لہرا رہا تھا۔

یروشلم شہر کے ایک حصے میں محصور یہودی فوجیوں کے لئے تل ابیب سے کمک روانہ کی جارہی تھی لیکن یہودی کمانڈر چکرا کر رہ جاتا۔ وہ لوگ جب بھی کسی محفوظ راستے سے کمک یروشلم پہنچانے کی کوشش کرتے اچانک کسی پہاڑی سے عرب گوریلے نمودار ہوتے اور یہودی کنوائے کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے۔

مقامی کمانڈر کو اب یقین ہو چلا تھا کہ ان کی صفوں میں کوئی آستین کا سانپ ضرور موجود ہے۔

لیکن......!

وہ کون ہے؟

یہی تھا وہ سوال جس کا جواب انہیں نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر فوجی انٹیلی جنس میں ''ہگانہ'' (یہودی انٹیلی جنس یونٹ) نے اس گھر کے بھیدی کا سراغ لگالیا۔

یہ کیپٹن میسر ٹوبینکی تھا۔

اسرائیلی فوج کا مایہ ناز کمانڈو۔ جس نے برٹش آرمی میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اور جو ''ہگانہ آرمی'' میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ کیپٹن ٹوبینکی پر ''ہگانہ'' کی نگاہ کیوں ٹھہری؟ اس کا کوئی واضح سبب کبھی کسی کے سامنے نہ آسکا۔ ٹرک میں سوار فوجیوں نے کیپٹن کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے درخت کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مقامی کمانڈر نمودار ہوا۔ اس نے فائرنگ سکواڈ کو ٹوبینکی کو ختم کر دینے کا حکم دے دیا۔

ایک قطار میں کھڑے چھ یہودی فوجیوں نے ایک ساتھ گولیاں چلائیں اور کئی گولیاں کیپٹن ٹوبینکی کے جسم میں داخل ہوگئیں۔ اس کے جسم سے خون فوارے کی طرف ابلا اور وہ بغیر کوئی

آواز نکالے کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین بوس ہوگیا۔

گاؤں کے عرب اور یہودی مکین بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کسی اسرائیلی غدار کو شاید پہلی مرتبہ سزائے موت پاتے دیکھا تھا۔ فوجیوں نے اس کے مردہ جسم کو گھسیٹ کر ایک ترپال میں لپیٹا اور ٹرک میں پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی ٹرک دوبارہ سٹارٹ ہوا اور جس طرف سے وہ لوگ آئے تھے اسی طرف چل دیئے۔

کیپٹن ٹوبینکی کی موت کی خبر جب آئزر بیری تک پہنچی تو اس نے اپنی ''ڈائری'' میں ''مشن مکمل ہوا'' کے الفاظ لکھے اور کیپٹن ٹوبینکی کی فائل پر ریمارکس لکھ کر فائل ایک طرف رکھ دی۔

یہ آئزر بیری تھا جس کے حکم پر کیپٹن ٹوبینکی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

O

پولینڈ نژاد یہودی آئزر بیری 20 سال کی عمر میں 1901ء میں پہلی مرتبہ فلسطین آیا۔ وہ اس یہودی تحریک کا خفیہ جانثار تھا جو بڑی خاموشی سے ایک سازش کے تحت دنیا بھر سے یہودیوں کو فلسطین پہنچ کر آباد ہونے کا مشورہ دیا کرتی اور پھر اس کا بندوبست بھی کرتی تھی۔

آئزر بیری نے حیفہ سے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک راج مستری کی حیثیت سے کیا' جلد ہی اس نے اپنی کنسٹرکشن کمپنی قائم کرلی لیکن چند سالوں میں اس کا دیوالیہ نکل گیا تو آئزر بیری پولینڈ واپس آگیا۔

یکا یک اس کی زندگی میں انقلاب آیا اور 1938ء میں جب وہ دوبارہ اسرائیل آیا تو وہ یہودیوں کی خفیہ فوج کا جانثار سپاہی تھا۔ 1948ء میں جب اسرائیل کا ناپاک وجود قائم ہوا تو آئزر بیری لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی پا چکا تھا اور ''ہگانہ'' (یہودی فوج) کی انٹیلی جنس سروسز ''شائی'' کا چیف بن گیا۔ مکاری میں یکتائے روزگار ہونے کے سبب وہ خفیہ امور کا چیمپئن سمجھا جاتا تھا اور اس کا شمار ہگانہ کے معزز ترین افسران میں ہوتا تھا۔

اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی جنگ کا آغاز ہوگیا تو اسرائیل کی بقا کی ذمہ داری بھی ایک طرح سے آئزر کے کندھوں پر آن پڑی۔ اس پر ہر طرف سے دباؤ بڑھ رہا تھا۔ ''شائی'' کے چیف ہونے کی حیثیت سے اس کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا' لیکن دبلے پتلے اور لمبے قد کے آئزر بیری نے جیسے حالات سے شکست کھانا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے چند دنوں کے

اندر ہی اندر اپنے ایجنٹوں کا جال دور دور تک پھیلا دیا۔

یروشلم پر قبضے کے بعد سے یہودی یہاں سے اُردنی افواج کو نکالنے کے لئے جان توڑ کوششیں کر رہے تھے لیکن جیسے ہی وہاں محصور اسرائیلی فوجیوں کو کمک پہنچانے کی کوشش کی جاتی اُردنی توپ خانہ حرکت میں آ جاتا۔ رات کے اندھیرے میں بھی جب بظاہر بہت محفوظ اور یہودیوں کے زیر تسلط علاقے سے کوئی یہودی کنوائے گزرنے کی کوشش کرتا تو اُردنی توپوں کے گولے بلائے ناگہانی کی طرح ان پر گرنے لگتے۔

اس کا مطلب یہی تھا کہ اسرائیلی لائنز میں کوئی جاسوس موجود ہے جو عربوں کو یہودی فوج کی نقل و حرکت سے آگاہ کر رہا ہے۔ اس صورت حال نے بن گوریان کو پریشان کر رکھا تھا۔ ایک روز تنگ آ کر اس نے آئزر بیری کو اپنے دفتر میں طلب کیا۔

"تم کیا جھک مار رہے ہو جاؤ اور سب کام چھوڑ کر پہلے اس غدار کو تلاش کرو جس کی وجہ سے ہمیں ذلت کا سامنا ہو رہا ہے۔"

اس نے غصیلے لہجے میں آئزر بیری کو حکم دیا تھا۔

آئزر کے ایجنٹوں نے جلد ہی کیپٹن ٹوبینکی کی نشاندہی کر دی۔ کیپٹن کے متعلق ان لوگوں کو بتایا گیا کہ وہ برٹش آرمی میں سروس کے دوران بھی بلا کا شرابی تھا اور عین ممکن ہے کہ اب بھی یہی عادت یہودیوں کی تباہی کا باعث بن رہی ہو۔ برٹش آرمی کے ذریعے اسرائیلی فوج کے راز عربوں تک پہنچ رہے تھے۔

30 جون کو آئزر بیری نے اپنے ایک قابل اعتماد ساتھی کے ذریعے سے جب ٹوبینکی سے متعلق اطلاعات حاصل کر لیں اور اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ جاسوس ہے تو اس نے ٹوبینکی کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

O

"شاباک" کے ایجنٹوں نے ٹوبینکی کو اس کے گھر سے اس کی بیوی "لینا" کی موجودگی میں اغوا کیا اور اسے بتایا کہ وہ کیپٹن ٹوبینکی کو تھوڑی دیر کے لئے لے جا رہے ہیں۔

یہ میاں بیوی کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد "لینا" کو کبھی علم نہ ہو سکا کہ اس کے خاوند پر کیا گزری۔ اس نے پولیس میں خاوند کے اغوا کی رپورٹ درج کرائی اور پولیس سے مدد

مانگی لیکن پولیس بھی اس معاملے میں بے بس تھی۔

بالآخر ایک روز سرکاری طور پر اس کے خاوند کی موت کی تصدیق کر دی گئی اور اخبارات نے خبریں شائع کیں کہ اسے جاسوسی کے الزام میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

ٹوبینکی کی بیوی ایک کٹر یہودن تھی اور اس داغ کو اپنے دل پر لے کر مرنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ ایک غدار یہودی افسر کی بیوی ہے جس نے ایک بیٹے کو بھی جنم دیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس کا خاوند بے گناہ ہے وہ کبھی اپنے وطن سے غداری نہیں کر سکتا۔ لینا نے ایک ایک کر کے اپنے آنجہانی خاوند کے دوستوں کی مدد سے عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کئے۔ اس ضمن میں اس نے وزیراعظم بن گوریان سے ملاقات کی اور اسے قائل کر لیا کہ اس کے خاوند کو افراتفری میں سزاوار ٹھہرایا گیا اور صفائی کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔

بن گوریان نے ذاتی طور پر اس معاملے میں دلچسپی لی اور اسے لینا کی بات کا قائل ہونا پڑا اور اس نے لینا اور اس کے بیٹوں کو نہ صرف سرکاری مراعات دینے کا اعلان کیا بلکہ اس کی درخواست پر ایک اعلیٰ عدالت میں اس مقدمے کو پھر سے زندہ بھی کروا دیا۔

آئزر بیری اس مقدمے میں ملزم کی حیثیت سے پیش ہوتا رہا۔ اس نے عدالت کو بتایا کہ جن حالات میں یہ سزا دی گئی ہے وہ بڑے ہنگامی حالات تھے اور عین ممکن ہے کہ اس نے اندازے کی غلطی کی ہو لیکن اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔

عدالت نے اس کی بے رحمی پر ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ جب مرنے سے پہلے کیپٹن ٹوبینکی نے اپنی آخری خواہش ظاہر کی کہ آخر وہ 20 سال سے "ہگانہ" کی خدمت کر رہا ہے کم از کم ایک خط اس کے بیٹے کو لکھنے کی اجازت تو دی جائے لیکن آئزر نے اس کی یہ خواہش بھی پوری نہ کی۔

عدالت نے آئزر بیری کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک قید کا حکم سنایا۔

لیکن......

اس حکم پر عمل درآمد کبھی نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت کے اسرائیل صدر حیم ویز مین نے صیہونیت کے لئے اس کی عظیم خدمات کے عوض نہ صرف اس کی سزا معاف کر دی بلکہ اس کی سروسز

بھی بحال رہیں۔

بات کچھ بھی رہی ہو اس کی پبلک لائف ختم ہو گئی تھی اور 1958ء میں وہ بڑی پژمردہ زندگی گزارنے کے بعد بالآخر ایک روز دل کے دورے سے مر گیا۔

O

آئزر بیری کی موت "موساد" کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے لیکن اسے حسن اتفاق کہئے کہ اس کے ہم نام آئزر ہیرل نے اس کے بعد "موساد" کی کمان سنبھال لی اور اپنے پیشرو کی طرح اسرائیلی انٹیلی جنس کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

پانچ فٹ آٹھ انچ لمبے آگاتھا کرسٹی کے ناولوں کے شوقین آئزر ہیرل نے 1930ء میں روسی ریاست لٹویا سے راہ فرار اختیار کی اور اسرائیل میں آباد ہوا۔ وہ اتنی چالاکی اور معصومیت سے برٹش کسٹم کے راستے اسلحہ اسرائیل میں یہودی فوج کو سمگل کرتا رہا کہ آج بھی برٹش سوچ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

یورپی اور امریکن انٹیلی جنس کے لوگ اسے "آئزر دی لٹل" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آئزر ہیرل نے اپنی سروس کا آغاز اسرائیل کی کاؤنٹر انٹیلی جنس "شن بیتھ" سے کیا اور جب اسے "موساد" کے چیف کی ذمہ داریاں سونپی گئیں تو وہ "شن بیتھ" کا چیف تھا جس کی ترقی یافتہ شکل الیا بیتھ "Aliyah Beth" کا وہ بانی ہے جسے اس نے "کے جی بی" کی طرز پر کاؤنٹر جاسوسی کے لئے قائم کیا تھا۔

آئزر دی لٹل نے موساد کی کمانڈ سنبھالتے ہی اس میں انقلابی تبدیلیاں کیں اور مروجہ جاسوسی نظریات کو یکسر رد کر کے الگ سے "جاسوسی سکول آف تھاٹ" قائم کیا۔ اس نے نہ صرف موساد کو اسرائیل سے نکال کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا بلکہ اس میں باقاعدہ ایسے "ڈیتھ سکواڈ" قائم کئے جو دنیا کے کسی بھی حصے میں دہشت گردی پھیلانے میں ماہر اور فلسطینی حریت پسندوں کو دنیا بھر میں چن چن کر قتل کرنے میں شہرت رکھتے ہیں۔ موساد کے ایک ایسے ہی ڈیتھ سکواڈ کی کمانڈ کیپٹن ٹوبینکی کے بیٹے الفریڈ کے ہاتھ میں تھی جو آئزر دی لٹل کی خصوصی "چوائس" تھا اور جسے اس نے اپنے زیر سایہ بے گناہ اور معصوم فلسطینیوں کے قتل عام کی خصوصی تربیت دی تھی۔

الفریڈ نے شمعون کی کمانڈ میں اپنی سروس کا آغاز کیا تھا اور ترقی کرتے کرتے اس کے

نائب کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ شمعون کی موت کی خبر اسے حیفہ میں اپنے امریکہ میں موجود خصوصی ایجنٹ کے ذریعے موصول ہوئی تھی اور اس نے قسم کھائی تھی کہ اپنے سابقہ آنجہانی استاد شمعون کی موت کا بدلہ ضرور لے گا۔

O

"موساد" کے ہیڈ کوارٹر میں وہ اس وقت بریگیڈیئر شمیر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اسے امریکہ سے وطن واپس لوٹے ابھی صرف ایک ماہ ہی گزرا تھا جب شمعون کے ساتھ یہ حادثہ گزر گیا۔ کسی حد تک وہ خود کو شمعون کی موت کا ذمہ دار قرار دے رہا تھا کیونکہ اس کی امریکہ میں غیر موجودگی کے دوران یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

بریگیڈیئر شمیر ڈیتھ سکواڈ کا سربراہ تھا۔ دنیا بھر میں موجود موساد کے تربیت یافتہ قاتل اسرائیلی وزیراعظم کے بعد صرف اس کو اپنے کسی بھی عمل کے لئے جوابدہ تھے ورنہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں تھے۔

"شمعون کی موت ایسا واقعہ نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے۔" بریگیڈیئر شمیر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں جانتا ہوں سر! وہ میرے استاد اور محسن بھی تھے۔" الفریڈ کو ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانک کر بات کر سکے۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ تمہارے لڑکے وہاں جھک مارتے رہے اور اک معمولی سا لونڈا ہاتھ دکھا گیا۔" شمیر کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ "غضب خداوند کا کہ اتنا اہم آدمی جس فلائیٹ سے سفر کر رہا ہو اس پر کسی کو نگران مقرر نہیں کیا گیا۔"

"سر! انہوں نے پہلی مرتبہ ایل۔ آل (اسرائیلی ایئر لائن) کے بجائے کسی دوسری ایئر لائن سے سفر کیا تھا۔ میں نے بات کی ہے اور سر! ہائی کمیشن نے ہمیں مطلع بھی نہیں کیا تھا۔ شاید وہ کسی ایمرجنسی مشن پر جا رہے تھے اور انہیں پہلی مطلوبہ فلائیٹ سے فوری طور پر لندن پہنچنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس میں ہمارا قصور نہیں ہے سر! ہم نے سختی سے یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ کوئی بھی "سفارت کار" ایل۔ آل کے علاوہ کسی دوسری ایئر لائن سے سفر نہ کرے۔ اگر ایسا ناگزیر ہو تو ہمیں اطلاع دے کر سفر کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں اندرون امریکہ ہمارے فضائی دفاع کا نظام کتنا

مضبوط ہے لیکن یہ ہمارے لوگ ...... سی آئی اے اور ایف بی آئی کو اعتماد میں لینا ضروری سمجھتے ہیں۔'' الفریڈ نے تصویر کا دوسرا رخ بریگیڈیئر کو دکھانا چاہا۔

''بات کچھ بھی رہی ہو۔ یہ عظیم اسرائیل کی عزت کا مسئلہ ہے۔ اپنے ہر ممکن ذرائع سے قاتل کو تلاش کرو اور مار ڈالو۔ ان لوگوں نے لمبے عرصے کی خاموشی کے بعد یہ وار کیا ہے اور وہ بھی اتنا جان لیوا...... معلوم ہوتا ہے کمبخت دوبارہ صف بندی کر کے میدان میں آئے ہیں۔'' بریگیڈیئر صرف مطلب کی بات سننے کا عادی تھا۔

''آل رائٹ سر! میں کل ہی واپس جا رہا ہوں۔''

''وش یو آل دا بیسٹ بوائے۔'' بریگیڈیئر شمیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے تھپکی دینے کے انداز میں کہا۔

اگلے روز رات کو تل ابیب سے جانے والی ایل آل کی جمبو پرواز کے ذریعے الفریڈ نیویارک کی طرف عازم سفر تھا۔

O

نیویارک کے پارک ایونیو پر واقع اس ٹریڈنگ کمپنی کے دفتر میں الفریڈ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالے بیٹھا تھا۔ وہ لوگ اپنے مخصوص میٹنگ روم میں اکٹھے ہوئے تھے۔ ٹریڈنگ کمپنی کی آڑ میں الفریڈ نے یہاں ''ڈیتھ سکواڈ'' کا مقامی یونٹ قائم کر رکھا تھا۔ جس کے ذریعے وہ امریکہ کے کونے کونے میں موجود اپنے ایجنٹوں کو کنٹرول کرتا تھا۔

اسرائیلی ہائی کمیشن نے اپنے اثر و رسوخ سے اب تک ایف بی آئی سے جو تفتیشی رپورٹیں حاصل کی تھیں وہ سب الفریڈ کے سامنے موجود تھیں۔

''جھک مار رہے ہیں یہ امریکی گدھے' اُلو کے پٹھے' ان کی تفتیش کی بنیاد ہی غلط ہے۔''

اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی پشت سے فائلوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے وہاں موجود اپنے ساتھیوں سے کہا۔'' یہ لوگ اس مفروضے کو بنیاد بنا کر تفتیش کر رہے ہیں کہ قاتل کوئی مقامی شخص ہے ......اور مقامی فلسطینی طلباء تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی فلسطینی نے ہی یہ حرکت کی ہے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ نیویارک کا ہی مکین رہا ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کا تعلق کسی اور ریاست سے ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے ملک سے آیا ہو اور اپنا کام کر

کے چلا گیا ہو۔ جن لوگوں کو ایف بی آئی نے انڈر ابزرویشن رکھا ہوا ہے۔ وہ تمام کے تمام قتل کے وقت کسی نہ کسی جگہ اپنی موجودگی کا ثبوت رکھتے ہیں اور یہ ثبوت بڑے مضبوط ہیں۔''

''سر! یہی تو سوچنے والی بات ہے۔ عین ممکن ہے کہ آپ کی یہ بات صحیح ہو اور قاتل کا تعلق نیویارک سے نہ ہو لیکن ایک بات تو کسی حد تک واضح ہے کہ یہاں کسی نہ کسی کو اس بات کا علم رہا ہو گا۔ آپ ان رپورٹوں کو ایک مرتبہ پھر غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو علم ہو گا کہ پندرہ بیس مشتبہ فلسطینی نوجوان جو ایف بی آئی کی لسٹ پر موجود ہیں انہوں نے عین حادثے کے وقت اپنی کسی اور جگہ موجودگی ثابت کرنے کے لئے بڑے مضبوط ثبوت تیار کر رکھے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے انہیں بطور خاص ہدایت کی گئی ہو کہ وہ حادثے کے وقت اپنی مقام حادثہ سے غیر موجودگی کا ثبوت حاصل کر کے رکھیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان سب کو اعتماد میں لیا گیا ہو گا' لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان میں کسی نہ کسی کو اس منصوبے میں راز دار ضرور بنایا گیا ہو گا۔'' ایک ایجنٹ نے اپنی رائے پیش کی۔

O

الفریڈ نے چند ثانیے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں شاید وہاں کوئی گمشدہ چیز تلاش کر رہا ہو۔

''ونڈرفل۔'' اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔'' شاباش واقعی میرا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں تھا۔ آل رائٹ! تم لوگ ایکٹو ہو جاؤ۔ اپنے اپنے کونٹیکٹس استعمال کرو ہمیں اگلے اڑتالیس گھنٹے تک کوئی نہ کوئی رزلٹ حاصل کرنا ہے بہرصورت۔''

اپنی بات کے خاتمے پر اس نے ''ڈس مس'' کہا اور سب لوگ ایک ایک کر کے دفتر کے مختلف دروازوں سے باہر نکل گئے۔

الفریڈ نے ان کی روانگی کے بعد ایک فون نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کوئی زنانہ آواز سنائی دی۔

''ہائے کیتھرائن کیسی ہو بھئی کہاں غائب ہو؟'' اس نے فون پر لڑکی کی آواز سنتے ہی پہچان لیا۔

''خیریت سر! کوئی خاص کام آن پڑا ہے کیا؟'' دوسری طرف سے استفسار کیا گیا۔

''ہاں۔ بہت خاص اور مجھے اسی وقت تمہاری ضرورت ہے۔'' الفریڈ نے فیصلہ کن

لہجے میں کہا۔

"آل رائٹ۔ میں کہاں آؤں۔"

"گھر پر چلی آؤ گپ شپ بھی رہے گی اور کام بھی"...... کہہ کر الفریڈ نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

O

کیتھرائن مقامی یہودن لڑکی تھی اور ایک بار میں بارٹنڈ کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ یہ تو اس کی اضافی جاب تھی۔ اصل تنخواہ اسے کسی اور کام کی ملتی تھی۔ کیتھرائن پہلے یہودن اور پھر امریکی تھی۔ اسے الفریڈ نے اعتماد میں لے کر "موساد" کے لئے کام کرنے پر رضامند کر لیا تھا اور کیتھرائن نے بڑی خوش دلی سے اسے قبول کر لیا تھا۔

اسے الفریڈ خاص مواقع پر ہی استعمال کرتا تھا۔ آج کل الفریڈ کے حکم پر ہی اس نے ایک شامی سٹوڈنٹ عبدل سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ عبدل کا آنا جانا فلسطینی نوجوانوں کے ہاں لگا رہتا تھا۔ یوں بھی اپنے انقلابی خیالات کی وجہ سے وہ فلسطینی نوجوانوں کے حلقے میں خاصا مقبول تھا۔ کیتھرائن اس سے اچانک ہی "سب وے" میں ٹکرا گئی تھی اور یہ "اتفاقیہ ٹکراؤ" پہلے دوستی پھر ناجائز مراسم اور اب محبت میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اس نے عبدل سے اپنا تعارف ایک کرسچین لڑکی کی حیثیت سے کروایا تھا۔ جس کا باپ لبنانی اور ماں مقامی عورت تھی۔ عبدل کیتھرائن کو فلسطینیوں کی سب سے بڑی ہمدرد خیال کرتا تھا۔ اس نے بڑے فخر سے اس کا تعارف اپنے فلسطینی دوستوں سے کروایا تھا۔ گو کہ یہ سب محتاط لوگ تھے لیکن کیتھرائن نے انہیں بھی کسی حد تک شیشے میں اتار رکھا تھا۔ حالانکہ فلسطینی نوجوان اس سے زیادہ گھلتے ملتے نہیں تھے لیکن وہ اسے بائیں بازو کی ایک انقلابی اور بگڑی ہوئی لڑکی ضرور سمجھنے لگے تھے۔

عبدل سے گزشتہ پانچ روز سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کل "ویک اینڈ" شروع ہو رہا تھا جس پر دونوں کو آپس میں بہر صورت ملنا تھا۔

یہی حکم اسے الفریڈ کی طرف سے ملا تھا۔

اس نے اپنی ہر ممکن کوشش سے اس سازش کا پتہ چلانا تھا جس کے تحت شمعون کو قتل کیا

گیا۔

"موساد" کے ڈیتھ سکواڈ کو ہر صورت وہ شخص درکار تھا جس نے اتنا بڑا کارنامہ اتنی خاموشی سے انجام دے ڈالا اور وہ منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔

O

یوں تو عبدل گزشتہ آٹھ ماہ سے کیتھرائن سے ملتا چلا آ رہا تھا لیکن آج جس بھرپور اور والہانہ انداز میں اس نے عبدل کا خیر مقدم کیا تھا وہ اس کے لئے واقعی نیا تھا۔

اتنی گرمجوشی کا مظاہرہ اس سے پہلے شاید ہی کیتھرائن نے کیا ہو۔

"مبارک ہو ایک موذی تو اپنے انجام کو پہنچا۔" اس نے عبدل کے گلے کا ہار بنتے ہوئے اسے مبارک باد دی۔

"ارے ہاں! وہ خبر میں نے بھی سنی ہے۔ سنا ہے کوئی خاص آدمی تھا یہودیوں کا۔" عبدل نے اس کی گرم جوشی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایک نمبر کا حرامی تھا۔ میری ایک لبنانی دوست نے مجھے بتایا کہ یہ شخص اسرائیلی انٹیلی جنس کا کوئی افسر تھا اور انقلابیوں کا جانی دشمن۔ میں نے سنا ہے اس نے کئی انقلابیوں کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا۔ مر گیا سالا...... اچھا ہوا...... ایسے بورژوائی درندوں کو خواہ ان کا تعلق کسی بھی قوم سے ہو مر ہی جانا چاہئے۔" وہ عبدل کے لئے پیگ تیار کرنے لگی۔

دونوں ایک دوسرے کے جسم کا حصہ بنے کیتھرائن کے گھر میں شراب نوشی کر رہے تھے اور شراب کے نشے میں دھت عبدل سے ابھی تک وہ کوئی ڈھنگ کی بات نہیں اگلوا سکی تھی۔

"میں نے سنا ہے آج کل یہ لوگ پھر ایکٹو ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے ہوا میں تیر چلایا جو عین نشانے پر لگا۔

"ہاں کیلیفورنیا سے دو نوجوان آئے ہوئے تھے پچھلے دنوں۔ وہ یہاں پچھلا ویک اینڈ گزار کر گئے تھے۔" عبدل نے نشے سے ڈگمگاتی آواز میں کہا۔

"اور اگلے ویک اینڈ پر وہ کتے کا بچہ مارا گیا۔" کیتھرائن کے ہوش و حواس مکمل قائم تھے۔

"اور کیا۔" عبدل نے ہچکی لی۔

اس کے ساتھ ہی دونوں نے قہقہہ لگایا۔

اس سے زیادہ عبدل اسے کچھ نہ بتا سکا۔ لیکن کیتھرائن کے لئے یہ اطلاع بڑی دھماکہ خیز تھی۔

اس کا مشن کامیاب رہا۔

ساری رات وہ اس اہم اطلاع کے حصول پر عبدل کو اپنے جسم کی نذر بطور شکریہ گزارتی رہی۔

بائیں بازو کا انقلابی بے چارہ شامی نوجوان ساری رات کیتھرائن کے پہلو سے چپٹا اپنے انقلابی نظریات اس کے ذہن میں ٹھونسنے کے لئے کوشاں رہا۔ صبح دیر گئے وہ بیدار ہوئے۔

یہ ان کا پرانا معمول تھا۔ وہ اکثر ہفتے کی رات ایسے ہی گزارا کرتے تھے۔

عبدل کو رخصت کرنے وہ اس کی کار تک آئی تھی اور جس گرمجوشی سے اس نے عبدل کا استقبال کیا تھا' اس سے کچھ زیادہ ہی گرمجوشی سے اسے رخصت کر دیا۔

O

تھوڑی دیر بعد الفریڈ کے سامنے بیٹھی وہ اپنی رات کی کارگزاری پر اس سے شاباش وصول کر رہی تھی۔ اس اہم اطلاع پر کہ کیلیفورنیا کے دو نوجوانوں نے گزشتہ ویک اینڈ پر نیویارک میں فلسطینی نوجوانوں سے میٹنگ کی ہے۔ الفریڈ نے کیتھرائن کا بطور خاص اس انداز میں شکریہ ادا کیا تھا' جس طرح کیتھرائن نے عبدل کا۔

رخصت ہوتے وقت ڈالروں سے بھرا ایک لفافہ اس نے کیتھرائن کے ہینڈ بیگ میں اپنے ہاتھ سے ڈالا تھا اور اسے عبدل سے مزید تعلقات بڑھاتے چلے جانے کی تلقین کی تھی۔

کیتھرائن کے جانے کے بعد اس نے ٹیلی فون پر ایک نمبر ملایا۔

''ہائے ڈیوڈ! کیسے ہو بھئی؟'' ..... الفریڈ نے دوسری طرف سے ''ہائے'' سننے پر ہی ڈیوڈ کو پہچان لیا تھا۔

ڈیوڈ یہودی نژاد ایف بی آئی آفیسر اور ''موساد'' کا خصوصی ایجنٹ تھا۔ امریکہ کے ہر اہم محکمے اور پوسٹ پر ''موساد'' کے ''ہمدرد اور سورس'' موجود تھے۔ کسی بھی امریکی کے متعلق یہ اطلاع مل جانے پر کہ وہ یہودی ہے اور ''موساد'' کے کام کا آدمی ہے'' موساد'' کے لوگ فوراً اس

سے رابطہ قائم کرتے تھے اور آج تک ایسا شاید ہی کبھی ہوا کہ ان کی مراد بر نہ آئی ہو۔ یہودی کرہ ارض کے جس کونے میں بھی موجود تھا' اسرائیل کی فوج کا سپاہی تھا۔

ان لوگوں کے لئے اسرائیل اول اور باقی سب کچھ آخر تھا۔

ان میں بڑے بڑے سفارتکار' ذمہ دار اور ماہرین حرب و ضرب بھی شامل تھے لیکن سب کے سب بڑی خوشی سے ''موساد'' کے لئے خدمات انجام دینے پر تیار رہتے تھے۔

ایف بی آئی اور سی آئی اے کے موساد سے تعلقات مثالی تھے اور یہ لوگ اسرائیل کے لئے ہر ممکن خدمت انجام دے رہے تھے لیکن اسرائیلی جانتے تھے کہ صدفی صد اطلاعات امریکی ان تک منتقل نہیں کرتے تھے یوں بھی بطور یہودی ان کی بقا کا راز یہی تھا کہ وہ کسی پر اعتبار نہ کریں سوائے اپنے آپ کے بلکہ بعض معاملات میں تو اپنے آپ پر بھی نہیں.....!

O

ڈیوڈ تک الفریڈ نے وہ اطلاع پہنچائی تھی جو اسے کیتھرائن کے ذریعے حاصل ہوئی تھی اور ڈیوڈ کو اس نے تلقین کی تھی کہ اسے جتنی جلدی ممکن ہو ان لوگوں کے نام اور ایڈریس سے مطلع کرے جو کیلیفورنیا سے میٹنگ کرنے یہاں آئے تھے۔

اس کے ساتھ ہی سان فرانسسکو' سیکرامنٹو' سٹاکٹن' لاس اینجلس اور لاس ویگاس میں موجود اپنے ایجنٹوں کو اس نے فوری طور پر فلسطینی اور ان کے ہمدردوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے اور ان لوگوں کے گزشتہ دو ہفتے کی مصروفیات کی اطلاعات حاصل کرنے کی ہدایات دی تھیں۔

الفریڈ بڑی کامیابی سے اپنا جال بن رہا تھا۔

الفریڈ ٹوبیکی نے اپنے بے گناہ یہودی باپ کے نام کو جو اپنے یہودی آقاؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا' چار چاند لگانے کا عزم کر رکھا تھا.....!!

اس کی ماں نے اسے اس نصیحت کے ساتھ انٹیلی جنس میں بھیجا تھا کہ روئے زمین پر موجود یہودیوں کے تمام دشمنوں کو چن چن کر مار ڈالے۔

اور وہ بڑے خلوص اور جانثاری سے اپنی ماں کے حکم پر عمل پیرا تھا۔

☆☆☆

حملہ

اگلے روز شام ڈھلے تک الفریڈ کے سامنے مختلف رپورٹوں کے ڈھیر لگے تھے۔ اس کے دو مستعد ماتحت "انتہائی اہم" اور "اہم" رپورٹیں الگ سے سجا کر اس کے سامنے پیش کر رہے تھے۔

ایف بی آئی آفیسر ڈیوڈ فرانک نے اسے شام ڈھلنے تک ایک شخص حسن طلال کا نام اور ایڈریس پہنچا دیا تھا۔ جو سیکرامنٹو کا رہنے والا مقامی یونیورسٹی کا پروفیسر اور فلسطینی تھا گو کہ اس شخص کے متعلق ایف بی آئی کے ہاتھ کبھی کوئی ثبوت نہیں لگا تھا لیکن حسن طلال کو ان لوگوں نے مشتبہ لوگوں کی فہرست میں رکھا ہوا تھا۔

الفریڈ نے سرخ پنسل سے اس نام اور ایڈریس کے سامنے دائرہ لگا دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس نے سیکرامنٹو، بنا کٹن، ٹریسی اور سان فرانسسکو میں اپنے ایجنٹوں کو اس نام اور پتے کی نشاندہی کرنے کے بعد ان سب کو حکم دیا تھا کہ اپنے تمام تر ذرائع اطلاعات کو بروئے کار لا کر گزشتہ ایک ماہ سے آج تک حسن طلال کے روزانہ کے معمولات کا شیڈول اس کو روانہ کر دیں۔

"موساد" کے ایجنٹ اس حکم کے ساتھ ہی حرکت میں آ گئے تھے۔ ان لوگوں نے سیکرامنٹو کے پولیس اور سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ میں موجود اپنے تمام ذرائع استعمال کر کے مقدور بھر اطلاعات حسن طلال سے متعلق حاصل کر لی تھیں اور جیسے ہی اطلاعات انہیں مل رہی تھیں وہ الفریڈ تک پہنچ رہی تھیں۔

ایک کمپیوٹر اس خدمت پر متعین تھا۔ اگلے چوبیس گھنٹے میں حسن طلال سے متعلق اطلاعات کا مجموعہ کمپیوٹر کے پیٹ میں سما گیا تھا اور جب الفریڈ رات کے دوسرے پہر کمپیوٹر پر بیٹھا بٹن دبا دبا کر سکرین پر ابھرنے والی معمولات پڑھ رہا تھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں مزید کھلتی جا

رہی تھیں۔ اس کے سامنے تین اہم ترین خبریں موجود تھیں۔

پہلی یہ کہ حسن طلال تل ابیب میں پیدا ہوا اور ایک دھماکہ کرنے کے شبے میں "شن بیتھ" کے ہاتھوں ریمانڈ بھی بھگت چکا تھا۔

دوسری اہم بات یہ کہ وہ یہاں کیمسٹری کا استاد تھا اور اس کے تعلقات آئرش ریپبلک آرمی سے بھی بتائے جاتے تھے۔

تیسری سب سے اہم اور چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ ڈیبی نام کی ایک آئرش طالبہ کو اس نے حال ہی میں سیکرامنٹو یونیورسٹی میں داخلہ دلوایا تھا اور چند روز پہلے ہی یہ لڑکی اس کے ہاں مقیم ہوئی تھی۔ تین چار روز وہ حسن طلال کے گھر رہی جس کے بعد اس نے ڈیبی کو کوشش کر کے یونیورسٹی ہوسٹل میں کمرہ دلا دیا۔

"ڈیبی کی مکمل ہسٹری فوراً درکار ہے؟"

الفریڈ نے آدھی رات کو اگلا حکم اپنے مستعد ایجنٹوں کو پہنچایا اور اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ صبح تک ایک پرسکون نیند نے اس کے سارے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے کر دیئے تھے۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ ایف بی آئی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا جب اس کی "صیہونی فورس" کڑی سے کڑی ملا کر سارے معاملات اس پر منکشف کر دے گی۔

معاملہ اس کی توقع سے بڑھ کر خطرناک تھا۔

یہ سلسلہ تو خاصا دور تک جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ آئی آر اے (آئرش ری پبلک آرمی) سے فلسطینیوں کے تعلقات گو کہ یورپی اور امریکی انٹیلی جنس کے لئے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی لیکن امریکہ میں اس "نیٹ ورک" کو تلاش کرنے کا سہرا الفریڈ اپنے سر باندھنے پر تلا تھا۔

"ڈیبی"...... وہ زیر لب بڑبڑایا۔

باتھ روم میں اس نے فون کال اٹنڈ کی۔ ڈیبی کے متعلق پہلے ایجنٹ کی رپورٹ آئی تھی کہ اس نے حال ہی میں نیویارک سے کیلیفورنیا کی طرف رخت سفر باندھا ہے۔ نیویارک میں اس کے کالج کا نام اور ڈیبی سے متعلق ضروری تفصیلات کمپیوٹر تک منتقل ہو گئی تھیں۔

الفریڈ ناشتہ کرنا بھول گیا تھا......!

اس نے ایف بی آئی میں اپنے سورس آفیسر ڈیوڈ کو نیند سے فون کر کے جگایا اور ڈیبی کا

ایڈریس بتا کر فوری طور پر اس کی نیویارک سے کیلیفورنیا روانگی کی تاریخ اور آخری رہائش گاہ کا ایڈریس پوچھا تھا۔

دوپہر تک "موساد" کے ایجنٹ نیویارک کے اس پلازہ تک رسائی حاصل کر چکے تھے جہاں ڈیبی کا آخری دنوں میں قیام رہا تھا۔ اس کے سابقہ فلیٹ کی نگران نے ڈیبی کے ساتھ آخری ملاقات کی ایک ایک تفصیل ان لوگوں کو بتا دی تھی۔ جس میں پہلی مرتبہ ایک اجنبی نوجوان سے اس کی ملاقات اور دونوں کے اکٹھے روانہ ہونے کی کہانی موجود تھی۔

"موساد" کے ایجنٹ کرید کرید کر اس نوجوان کے نین نقش تراشتے رہے...... سہ پہر تک الفریڈ کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ ڈیبی نے ایک عربی نقش و نگار کے حامل نوجوان کے ساتھ یونائیٹڈ ایئر لائن سے اسی دن سفر کیا تھا جس روز شمعون کو گولی ماری گئی اور مزید پریشان کن بات یہ تھی کہ قتل کے صرف ڈیڑھ گھنٹہ بعد فلائیٹ روانہ ہوئی جبکہ ٹکٹوں کی ریزرویشن پہلے ہی سے فون پر کروائی گئی تھی۔

ڈیبی کے ساتھ سفر کرنے والے نوجوان کا نام مسافروں کی فہرست میں مائیکل درج تھا۔

لیکن......!

الفریڈ جانتا تھا کہ یہ نقلی نام ہے۔ اصلی نام کچھ اور ہے اور دراصل یہی شخص ان کے لئے کام کا آدمی تھا۔

اس کے سامنے فی الوقت مائیکل' ڈیبی اور حسن طلال کے نام موجود تھے۔ اگر کوئی سازش تھی تو ان تینوں کے درمیان کہیں موجود تھی۔ جس کا سراغ لگا کر "ڈیتھ سکواڈ" نے حرکت میں آنا تھا۔

O

ورجینیا میں سی آئی اے کا لینگلے آفس معمول کی زندگی جی رہا تھا۔ جب اچانک ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ڈپٹی ڈائریکٹر سٹیفن نائٹ کے سامنے اسرائیلی قونصلیٹ واشنگٹن سے جاری ہونے والے خفیہ پیغام کی نقل موجود تھی۔

یہ پیغام "موساد" کے ڈیتھ سکواڈ ڈائریکٹر بریگیڈیئر شمیر کے نام بھیجا گیا تھا جس میں

شمعون کے قتل کے متعلق موساد کی رپورٹ کے بعد بریگیڈیئر شمیر سے اجازت طلب کی گئی تھی کہ اس ضمن میں جن پانچ چھ افراد کو مشتبہ خیال کیا جا رہا ہے انہیں فوری طور پر سزا دی جائے یا ابھی انتظار کیا جائے۔

اس خفیہ رپورٹ کی مکمل نقل سی آئی اے کے "ای سی ایم" الیکٹرونک کاؤنٹر میسرز سسٹم کے ذریعے حاصل کی گئی تھی۔ سی آئی اے اس بات پر مکمل قدرت رکھتی تھی کہ اپنے دوست اور دشمن دونوں سفارت خانوں سے نشر ہونے والے سگنل ریکارڈ کر سکے۔ یہ بات ان کی پالیسی میں شامل تھی انہیں بہر صورت چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ سی آئی اے کو علم تھا کہ "موساد" کے درجنوں ہمدرد یہاں موجود ہیں۔ وہ لوگ اس بات کا بھی ادراک رکھتے تھے کہ اگر موساد امریکہ کی سرزمین پر کوئی بھی غیر قانونی کارروائی کرنے چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

لیکن......!

وہ اپنے ملک میں کسی کو بھی کھل کھیلنے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ الا یہ کہ ایک سطح پر پھر ان لوگوں میں "کچھ لو کچھ دو" کے اصول پر معاملہ طے نہ پا جائے۔

"جناب والا ڈیبی ہمارا سورس ہے۔ آئی آر اے میں ہمارا بہترین سورس۔ اگر اسے نقصان پہنچایا گیا تو ایجنسی کو زبردست دھچکا لگے گا"...... ڈپٹی ڈائریکٹر سٹیفن کے سامنے کھڑے ایجنٹ جوزف نے کہا۔

سٹیفن خود خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ ابھی تک وہ لوگ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے اور "موساد" کے لوگ معاملات کی تہہ تک پہنچ گئے تھے۔ کیا "موساد" اب امریکہ میں ایف بی آئی اور سی آئی اے سے زیادہ طاقتور اور وسائل کی مالک ایجنسی بن چکی ہے؟

کیا ان لوگوں کا کام کٹھ پتلیوں کی طرح صرف "موساد" کے اشاروں پر ناچنا ہی رہ گیا ہے؟

ایجنسی کی ساکھ داؤ پر لگ جائے گی......! اس نے سوچا۔ اگر معاملہ صدر تک چلا گیا تو کم از کم اس معاملے میں زبردست سبکی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ ایک غیر ملکی جاسوسی ادارے نے اس سازش کو بے نقاب کر دیا جو امریکہ کی سرزمین پر کی گئی اور جس کی ابھی ایک بھی کڑی امریکن ایجنسیاں تلاش نہیں کر سکیں۔

کیا ہم واقعی نااہل ہیں؟

ایجنسی پر امریکن میڈیا کی تنقید کسی حد تک تو صحیح تھی۔

''آفیسر جوزف تم خود اس کیس کو سنبھالو۔ ڈیبی ہی نہیں کسی کو بھی ''موساد'' کچھ نہیں کہہ سکتی۔ امریکی سرزمین پر ہونے والے کرائم سے نمٹنا امریکن حکومت کی ذمہ داری ہے...... آخر کچھ تو حفظِ مراتب کا خیال رکھنا ہوگا...... میں اوپر بات کرتا ہوں۔ تم ان لوگوں پر نظر رکھو......'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں جوزف سے کہا۔

''لیکن سر ایف بی آئی......''

''جہنم میں گئی ایف بی آئی۔'' اس نے غصے سے تلملا کر جوزف کی بات کاٹی۔ ''اگر وہ گدھے کسی قابل ہوتے تو ہمیں ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی۔ کیا کرلیا ہے ایف بی آئی نے...... تل ابیب میں بیٹھ کر بریگیڈیئر شمیر نے جس بات کا سراغ لگا لیا۔ یہ لوگ نیویارک میں بیٹھ کر نہیں لگا سکے۔''

''رائٹ سر!'' جوزف نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ ایجنسی سے گزشتہ پندرہ سال سے وابستہ تھا اور یہاں کے آداب سمجھتا تھا۔

اپنے مخصوص کمرے میں پہنچتے ہی اس نے ایجنسی کے متعلق لوگوں کو ''ریڈ الرٹ'' دے دیا۔ ڈیبی چونکہ اس کا سورس تھی اس لئے اس کی حفاظت کا جوزف نے بطور خاص بندوبست کیا تھا۔ باقی لوگوں کے گرد بھی سی آئی اے نے حصار باندھ لیا تھا۔ مائیکل چونکہ ابھی ناقابل شناخت تھا۔ اس لئے وہ لوگ اپنے ذرائع سے اسے بھی ڈھونڈ رہے تھے...... تمام ایجنٹوں کو سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ ان لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے۔

ایف بی آئی نے سی آئی اے کی طرف سے ہونے والی اس کارروائی کا معمول کے مطابق نوٹس ضرور لیا تھا لیکن اس بات کا علم اسے بھی تھا کہ اس ادارے کو ملنے والے بے شمار اختیارات نے اسے شتر بے مہار بنا رکھا ہے اور بعض معاملات میں تو یہ لوگ پینٹاگان کو بھی اعتماد میں لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔

O

اسرائیلی قونصل جنرل کی میز پر امریکن وزارت خارجہ کی طرف سے موصول شدہ تازہ

ترین احتجاج کی کاپی موجود تھی۔ یہ احتجاج براہ راست اسرائیلی وزارت خارجہ سے کیا گیا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ امریکی معاملات میں اسرائیل کی بے جا مداخلت صدر کو بالکل پسند نہیں آ رہی اور دونوں ممالک کی دوستی کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ''اقتدار اعلیٰ'' کا احترام کریں۔ احتجاج میں اسرائیلی سفارت کار شمعون کے قتل کے ضمن میں اسرائیلی انٹیلی جنس کی طرف سے کسی بھی کارروائی کو غیر قانونی اور امریکی معاملات میں مداخلت قرار دیتے ہوئے درخواست کی گئی تھی کہ امریکی سرزمین پر ہونے والے کسی بھی کرائم کے لئے امریکی انتظامیہ خود ذمہ دار ہے اور انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔

قونصلیٹ نے ایک نگاہ غلط کاغذ کے اس حقیر پرزے پر ڈالتے ہوئے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کاغذ الفریڈ کو تھما دیا جسے اس نے آج ہی ملاقات کے لئے طلب کیا تھا۔

الفریڈ نے خط پڑھ کر قہقہہ بلند کیا اور اسے دوبارہ اسی میز پر پھینک دیا۔

بریگیڈیئر شمیر کا سائفر انہیں مل چکا تھا جس پر لکھا تھا۔

''عظیم اسرائیل کے دشمنوں کو خواہ وہ کسی بھی خطے میں موجود ہوں مار ڈالو۔

انہیں مرنا ہی ہوگا...... دنیا کے کسی بھی خطے میں اسرائیل کے خلاف کئے جانے والے جرم کی سزا ہم خود دیں گے۔'' الفریڈ کا لہجہ بڑا خونخوار تھا۔

''عظیم اسرائیل کے دشمن نیست و نابود ہو جائیں گے۔'' قونصلیٹ اس سے زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

دونوں نے آپس میں جام ٹکرائے اور آنے والے حالات کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔

O

سیکرامنٹو اولڈ سٹی دیکھنے کے لئے امریکہ کے کونے کونے سے لوگ آتے تھے۔ خصوصاً کیلی فورنیا کے رہنے والوں کے لئے دلچسپی کا مکمل سامان موجود تھا۔ سیکرامنٹو یونیورسٹی میں داخلہ لئے ڈیبی کو آج پندرہ بیس روز ہونے کو آ رہے تھے اور ابھی تک اس نے شہر بھی صحیح طور سے نہیں دیکھا تھا۔

تاریخ اس کا ہمیشہ سے دلچسپ مضمون رہا تھا اور وہ خاص طور سے سیکرامنٹو کے اس حصے

کو دیکھنا چاہتی تھی جسے یہاں کی انتظامیہ نے اپنی آنے والی نسلوں کے ذریعے محفوظ کرلیا تھا۔

ڈیبی عموماً اکیلی ہی ایسی جگہیں دیکھنے جایا کرتی تھی۔ اس مرتبہ بھی جب ویک اینڈ شروع ہوا تو اس نے گلے میں کیمرہ لٹکایا اور اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کا رخ یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا کی طرف تھا جہاں اس کی چھوٹی سی سپورٹس کار موجود تھی۔ ڈیبی نے جیسے ہی قدم باہر نکالا۔ اس کے کمرے کے سامنے لان میں موجود سی آئی اے کے ایجنٹ نے اس کا تعاقب شروع کردیا تھا۔ اس نے ڈیبی کو کار پارکنگ کی طرف جاتے اور گلے میں کیمرہ لٹکائے دیکھ لیا تھا۔

ایک محفوظ جگہ کھڑے ہو کر اس نے اپنے پاس موجود واکی ٹاکی سے دوسرے ایجنٹوں کو خبردار کیا اور خود یونیورسٹی سے باہر جانے والے راستے پر ایک محفوظ جگہ اپنی کار کی طرف چل دیا۔ جب تک ڈیبی اپنی کار اسٹارٹ کرتی' ایجنٹ اپنی کار میں بیٹھ چکا تھا۔

ڈیبی بڑے اطمینان سے کار چلاتی یونیورسٹی سے باہر آ ئی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ اس وقت کتنی کاریں اس کے تعاقب میں ہیں۔

سی آئی اے ایف بی آئی اور موساد کے لوگ الگ الگ کاروں میں اس کا پیچھا کر رہے تھے۔

اولڈ سٹی کے کار پارکنگ میں جب وہ داخل ہوئی تو یہاں تل دھرنے کو جگہ موجود نہیں تھی۔ داخلے کا ٹکٹ مشین سے حاصل کرنے کے بعد اس نے کار کو محفوظ پارکنگ کے لئے مختلف منزلوں پر گھمانا شروع کر دیا۔ تین چار منٹ کی جدوجہد کے بعد بالآخر اسے تیسری منزل پر ایک جگہ خالی نظر آ ہی گئی۔

اپنی گاڑی کھڑی کر کے جب وہ لفٹ کی طرف جا رہی تھی تو یکے بعد دیگرے تین اور کاریں بھی اسی جگہ پارک ہوئی تھیں اور اس کے لفٹ میں پہنچنے تک ایک اور کار سے برآمد ہونے والے دو نوجوان بھی اس کے ساتھ ہی لفٹ کے ذریعے نیچے آئے تھے۔

ڈیبی نے کار پارکنگ سے باہر آ کر اب اس راستے کی طرف چلنا شروع کر دیا تھا جو اولڈ سٹی کے ریلوے پلیٹ فارم کو جا رہا تھا۔

کیلیفورنیا ریلوے کے ایک پرانے ڈبے کے نزدیک رک کر اس نے اپنے کیمرے سے کچھ تصویریں اتاریں اور اب چہل قدمی کے انداز میں چلتی ہوئی اس پتھر کے بنچ کی طرف جا

رہی تھی جس پر بیٹھ کر وہ بیکر اسفٹو بولڈ سٹی کے حسن سے لطف اندوز ہوسکتی تھی۔

ڈیبی کی مخالف سمت اس کی پشت والی سیٹ پر ایک اور خاتون بالکل اسی طرح لاأبالی انداز میں چلتی ہوئی آ کر بیٹھ گئی۔

اچانک ہی ایک نوجوان کسی دوسری طرف سے برآمد ہوا اور ڈیبی کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ ایسا ہی ایک اور نوجوان پھر دوسری سمت اس طرح لاپرواہی سے بیٹھا کہ اب وہ دونوں کے درمیان پھنس کر رہ گئی تھی۔

اس مرتبہ آنے والے نوجوان نے اچانک ہی اپنی جیکٹ میں ہاتھ ڈالا اور جب اس کا ہاتھ برآمد ہوا تو اس میں پستول موجود تھا۔ شاید وہ پستول ڈیبی کے پہلو سے لگا کر اسے اغوا کرنے کے موڈ میں تھا۔ لیکن اچانک ہی بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ ان کی پشت والے بنچ پر بیٹھی خاتون نے ماہر مارشل آرٹ کی طرح اپنی جگہ سے جست لگائی اور قریباً اڑتی ہوئی اس نوجوان پر اس طرح آن گری کہ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

اس اچانک صورت حال نے اغوا کرنے والے کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ اس کے دوسرے ساتھی نے جو ڈیبی کی بائیں سمت بیٹھا تھا' پستول نکالا اور اس خاتون پر گولی چلا دی جس نے اس کے ساتھی پر حملہ کیا تھا۔

بے چارے کو بمشکل ایک فائر کرنے کی مہلت ملی تھی جب اچانک پانچ چھ گولیاں اس کے جسم کے آر پار ہو گئیں۔

ڈیبی کے لئے یہ ساری صورت حال اتنی غیر متوقع اور ہولناک تھی کہ مضبوط اعصاب رکھنے کے باوجود اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے دیوانہ وار مارکیٹ کی سمت بھاگنا شروع کر دیا۔ اسے اپنے پیچھے فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

لیکن......!

یہ فائرنگ اس پر نہیں کی جا رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے دو پارٹیوں کی آپس میں ٹھن گئی ہو۔

ڈیبی اپنی دانست میں اس بگھی کی طرف بھاگی تھی جو سیاحوں کو سیر کروانے کے لئے اولڈ سٹی میں رکھی گئی تھی۔ جب اچانک ہی ایک کار اس کے نزدیک آ کر رکی۔

"کم آن ڈیبی" ...... کسی نے پکارا۔

ڈیبی کے لئے سوچنے کو ایک لمحے کی فرصت نہیں تھی۔ اس نے کارسواروں کو اپنا ہمدرد اور ایجنسی کے لوگ جان کر فوراً ان کی آفر قبول کر لی لیکن پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس نے زندگی کی سب سے بھیانک غلطی کا ارتکاب کر لیا ہے۔

''چپ چاپ اور نارمل بیٹھی رہو''...... پچھلی سیٹ پر موجود نوجوان نے اس کے پہلو میں پستول کی نال لگاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے؟ کون لوگ ہو تم؟''...... ڈیبی کے لئے یہ صورت حال غیر متوقع تھی لیکن وہ جس میدان کی کھلاڑی تھی وہاں ایسے واقعات کو معمول کے واقعات ہی سمجھا جاتا تھا۔

اس نے اپنے آپ کو قدرے نارمل کر لیا تھا۔

''اگلا سوال پوچھا تو گولی تمہارے حلق میں اتار دوں گا۔'' سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے اس نوجوان نے کہا۔

ڈیبی جانتی تھی وہ اسے گولی تو نہیں ماریں گے۔ البتہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔ اگر وہ اسے مارنا ہی چاہتے تو وہیں مار ڈالتے۔ اس کے تعاقب میں جو اتنی گولیاں چلی تھیں وہ آسانی اس تک پہنچ جاتیں۔ ایک آدمی کو تو اس نے اپنی آنکھوں سے دم توڑتے دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو اغوا کرنے والے جو کوئی بھی تھے وہ اسے زندہ اغوا کرنا چاہتے تھے۔

اسے اس بات کی بھی سمجھ آ گئی تھی کہ اغوا کرنے والے کون ہو سکتے ہیں؟ شاید ''موساد'' کو شمعون کے قتل کا کوئی کلو مل گیا تھا اور سی آئی اے کو بھی جن کے لئے وہ کام کر رہی تھی۔ ایجنسی کے لوگ اس کی حفاظت کر رہے تھے اور موساد اسے اغوا کر کے لے جا رہی تھی۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ جلد یا بدیر ایجنسی کے لوگ اسے زمین کی ساتویں تہہ سے بھی تلاش کر لیں گے۔

لیکن......!

وہ اندازے کی غلطی کا شکار ہو گئی تھی۔ ڈیبی نہیں جانتی تھی کہ موساد کے لوگ اس کی توقع سے بڑھ کر چالاک ہیں۔ اس کے سفر کا خاتمہ بمشکل پانچ منٹ بعد ہی ہو گیا تھا۔ اس دوران وہ لوگ اولڈ سٹی سے باہر نہیں گئے تھے کیونکہ جیسے ہی وہ باہر نکلتے' ایجنسی کے لوگ انہیں قابو کر لیتے۔

اولڈ سٹی کے تھیٹر ہال کی پشت پر گاڑی ایک منٹ کے لئے ہی رکی تھی۔ جب اچانک تھیٹر سے دو ہٹے کٹے نیگرو برآمد ہوئے۔ شو کا ٹائم نہ ہونے کی وجہ سے نزدیک دور کوئی نظر نہیں آ رہا

تھا۔

کار رکتے ہی پچھلی سیٹ والے نے ڈیبی پر گرتے ہوئے اس کی سمت کا دروازہ کھولا اور اسے باہر دھکا دیا۔ ڈیبی کے قدم زمین پر لگنے سے پہلے ہی اسے نیگروز کے مضبوط ہاتھوں نے تھام لیا۔ دونوں نیگرز اس کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالتے اسے بھاگتے ہوئے تھیٹر میں داخل ہوئے تھے۔ ڈیبی کو یقین تھا کہ کسی نے انہیں نہیں دیکھا ہو گا۔ کار سوار اسے دھکا دیتے ہی ہوا ہو گئے تھے۔

O

تھیٹر ہال میں وہ اسے ڈنڈا ڈولی کرتے لائے تھے۔ اب وہ لوگ ہال کمرے میں داخل ہو گئے تھے اور تماشائیوں کی سب سے اگلی قطار کے سامنے چار نوجوان اور ایک لڑکی اس کے منتظر تھے۔

ان میں سے ایک نے ڈیبی کی شکل پر نظر پڑتے ہی استقبالیہ انداز میں تالی بجائی۔ تالی کی گونج خالی ہال کمرے میں پھیل کر عجیب سا وحشت ناک تاثر پیدا کر رہی تھی۔

یہ الفریڈ تھا......!

امریکہ میں موساد کے ''ڈیتھ سکواڈ'' کا انچارج۔ جو اس کے اغوا کے آپریشن کی کمانڈ خود کر رہا تھا۔

''ویل ڈن''...... اس نے ڈیبی کی شکل پر نظر پڑتے ہی مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر اسے خوش آمدید کہا۔

دونوں نیگروز نے اسے سب سے آگے والی کرسی پر دھکا دے کر اس کو سیٹ سے نائلن کی رسی کے ساتھ چند سیکنڈ میں اس طرح باندھ دیا تھا کہ جسم کو معمولی جنبش دینے پر بھی یہ رسیاں اسے اپنے گوشت میں اترتی محسوس ہوتی تھیں۔

''امید ہے تم اچھے بچوں کی طرح کوئی سوال نہیں کرو گی۔ ہاں ہمارے سوالات کے جوابات ضرور دینا۔ میں تم پر یہ واضح کر دوں کہ اگر تم شمعون کے قتل میں براہ راست ملوث نہیں تو ہم تمہیں موت کی سزا نہیں دیں گے...... بصورت دیگر تمہیں بھی مرنا ہو گا......'' الفریڈ نے اس کے بال پکڑ کر اس کا منہ اونچا کرتے ہوئے کہا۔

''مائیکل کون ہے؟''...... اس کے ساتھ ہی اس نے پہلا سوال کیا

ڈیبی کوئی عام لڑکی نہیں تھی ۔ آئی آر اے کی طرف سے اس نے اب تک پانچ کامیاب آپریشن کیے تھے ۔ سی آئی اے سے اس کے روابط تھے اور فلسطین کی تنظیم آزادی سے اپنی تنظیم کے حکم پر وہ تعاون کر رہی تھی۔

وہ بڑے مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی ۔ جسمانی تربیت کے بڑے کڑے مراحل اس نے طے کیے تھے ۔

''مجھے نہیں معلوم'' ...... ڈیبی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

الفریڈ نے اپنے دائیں ہاتھ کھڑی درمیانی عمر کی اس عورت کی طرف دیکھا جس کی رال ڈیبی کو دیکھتے ہی ٹپکنے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے مارتھا تمہیں کچھ یاد دلا دے ۔'' اس نے درمیانی عمر کی عورت کی طرف دیکھ کر اپنی بات مکمل کی۔

مارتھا نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے اس کے خوبصورت بالوں کو اس طرح قابو کیا کہ ڈیبی کے سر میں انگارے تیرنے لگے ۔ دوسرے ہاتھ سے ڈیبی کے گال پر اتنا زوردار تھپڑ مارا تھا کہ ایک ہی تھپڑ سے اس کا منہ خون سے بھر گیا لیکن وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔

مارتھا ایک سرور اور نشے کی کیفیت میں رکے بغیر اپنا کام کر رہی تھی ۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے اذیت دے کر مارتھا اپنی خاص حس کو تسکین پہنچا رہی ہو ۔ اس نے یکے بعد دیگرے تین چار تھپڑ اس کے منہ پر مارے تھے ۔ ڈیبی کو اپنے کان بہرے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ڈیبی کا گریبان چاک کر دیا تھا ۔ پھر اچانک ہی اس نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا رول نکالا ۔ خدا جانے یہ کس لکڑی کا بنا ایک فٹ کا ٹکڑا تھا ۔ جس سے وہ ڈیبی کے جسم پر ضربات لگا رہی تھی ۔ ہر ضرب پر ڈیبی کو اپنے بدن کی ہڈیاں تڑختی محسوس ہو رہی تھیں ۔ جیسے ہی اس کے منہ سے کراہ نکلتی' ایک سسکاری سی مارتھا کے منہ سے برآمد ہوتی ۔ وہ پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے اپنا کام شروع کر دیتی ۔

ڈیبی کی چیخوں اور وہاں موجود موساد کے درندوں کے قہقہوں سے سارا ہال گونجنے لگا تھا ۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت ڈراؤنی فلم چل رہی ہے ۔ مارتھا نے دیوانہ وار قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے نازک اعضاء پر طبع آزمائی شروع کر دی تھی ۔ ڈیبی سمجھ گئی کہ یہ ''نان سٹاپ تشدد'' اس پر

اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ ان لوگوں کے حکم کی تعمیل نہ کرے ۔

اس نے تین چار منٹ کی جان لیوا اذیت کے بعد محض چند سیکنڈ جان چھڑانے کے لئے ''بتاتی ہوں' بتاتی ہوں'' چلانا شروع کر دیا تھا ۔ لیکن مارتھا ماہر سرجن کی طرح اپنے کام میں مصروف رہی ۔ جب تک کہ الفریڈ نے اسے رکنے کا اشارہ نہیں کر دیا ۔

''اچھا تمہاری مرضی ...... میں نے تو تمہارے پہلے بیان کو ہی صحیح سمجھ لیا تھا .....'' الفریڈ نے قہقہہ لگایا ۔

''مجھے اس کے صحیح نام کا علم نہیں ۔ میں نے ایک لمبی رقم کے عوض صرف اتنا کام کرنا تھا کہ مائیکل نام کے ایک شخص کے ساتھ نیویارک سے سیکرامنٹو تک سفر کروں ۔'' اس نے رک رک کر بتایا ۔

ڈیبی کے جسم کا رواں رواں درد کی شدت سے پھڑک رہا تھا ۔

''جھوٹ بولتی ہو تم'' ...... الفریڈ نے دیوانہ وار قہقہہ لگایا ۔

اس کے ساتھ ہی مارتھا بھوکی شیرنی کی طرح اس پر پل پڑی ۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی وحشی اور پاگل بچے کے ہاتھ کوئی نازک سا کھلونا لگ گیا ہو ۔ اس نے رسیوں سے جکڑی ڈیبی کے ساتھ غیر انسانی تشدد کا بھیانک عمل جاری رکھا ...... ڈیبی نے اس وقت تک اذیت برداشت کی جب تک کہ وہ بے ہوش نہ ہو گئی ۔

بے ہوش ہونے سے پہلے جو آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں ۔ وہ اس کے لئے حیات نو کا پیغام بن گئی تھیں ۔

شاید ایجنسی کے لوگ اس تک پہنچ چکے تھے کیونکہ اس نے دروازوں سے کچھ لوگوں کو اندر بھاگتے اور ''فریز' فریز'' (ٹھہر جاؤ' اپنی جگہ جمے رہو) کی آوازیں بلند کرتے سنا تھا ...... پھر شاید فائرنگ ہونے لگی تھی' اچانک ہی اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی ۔

O

ڈیبی کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی جان اتنی جلدی چھوٹ گئی ۔ آفیسر جوزف نے اچانک ہی لولاڈسٹی کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے جنہیں جوزف نے باہر جانے والے راستوں کی نگرانی پر مامور کیا تھا ان کی اطلاع کے مطابق ابھی تک ڈیبی کو سیکرامنٹو اولڈ سٹی سے باہر

نہیں لے جایا گیا تھا۔

ایک معمولی اندیشے کے سہارے آفیسر جوزف نے تھیٹر پر قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ الگ بات کہ پہلے ہی ہلے میں اس کی مراد بر آئی اور جیسے ہی اس کے ایک ماتحت نے تھیٹر کے ایک دروازے کو کھولنا چاہا تو اسے احساس ہو گیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے۔ اس کے ساتھ ہی جوزف کے ساتھی حرکت میں آ گئے۔ ایف بی آئی والوں کو بھی اب معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے ایجنسی کے لوگوں کی ہر ممکن مدد کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سی آئی اے اور ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے آفیسر جوزف کی کمان میں چھوٹے سے تھیٹر کے چاروں دروازوں پر ''چارج'' کیا تھا۔ تمام لوگ چلاتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ جوزف اور ایف بی آئی کے مقامی چیف نے ہوائی فائرنگ بھی کی تھی لیکن دوسری طرف سے خودکار اسلحے کی پہلی باڑ نے ان لوگوں کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک لمحے کے لئے بھی اگر وہ چوکتے تو کم از کم وہ تینوں ایجنٹ مارے جاتے۔ جو آخری دروازے سے اندر داخل ہوئے تھے۔

اچانک ہی روشنیاں گل ہو گئیں۔

''دروازے پر جمے رہو۔'' جوزف زمین پر لیٹا لیٹا چلایا۔

مزاحمت میں ہونے والی جوابی فائرنگ کا سارا زور آخری دروازے پر تھا۔ تینوں ایجنٹ جنہوں نے اس دروازے پر ''چارج'' کیا تھا، رینگتے ہوئے کسی نہ کسی طرح ہال کمرے میں کرسیوں کے نیچے جان بچانے کے لئے جا گھسے تھے۔ ان میں سے ایک کے بازو میں گولی لگی تھی جبکہ دوسرے کی خوش قسمتی کہ گولی اس کے بالوں کو چھوتی گزر گئی تھی۔

جوزف کو احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ لوگ کب اور کیسے فرار ہوئے۔ اسے تو ہوش اس ہیلی کاپٹر کی آواز سن کر آیا تھا جو تھیٹر کی چھت پر منڈلا رہا تھا۔ ہال میں صرف ان لوگوں کے پستولوں سے نکلنے والی گولیاں ہی ڈراؤنی آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔ جواب میں فائرنگ بند ہوئی تو جوزف چونکا۔

''دروازے کھول دو، روشنی اندر آنے دو۔'' اس نے چلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

چاروں دروازے ایک ساتھ کھلنے سے خاصی روشنی اندر گھس آئی تھی۔ اس روشنی میں جوزف نے سب سے پہلے ڈیبی کو دیکھا جو کرسی کے ساتھ بندھی تھی اور اس کے جسم کے نازک اعضا تشدد سے نیلے پڑنے لگے تھے۔

''تھینک گاڈ۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا جب اس نے جھک کر اس کی نبض دیکھی اور محسوس کیا کہ ڈیبی زندہ ہے۔

جوزف کے دو ماتحت اس کے اشارے پر ڈیبی کی رسیاں کھولنے اور اسے طبی امداد دینے میں مصروف تھے جب کہ باقی لوگ ہال میں چاروں طرف بھاگتے ہوئے ملزموں کو کھوج رہے تھے۔

جوزف ایف بی آئی کے مقامی چیف کے تعاقب میں پستول ہاتھ میں لہراتا تھیٹر کی سٹیج پر چڑھ گیا تھا۔ پردے کے پیچھے کوئی ہلچل نہیں تھی لیکن دونوں بڑی احتیاط سے پردے کے دونوں کونوں کی طرف پستولیں تھامے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ تین چار ایجنٹ ان کو اپنی دانست میں ''کور'' مہیا کرتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

اس اثنا میں ان لوگوں نے مین سوئچ تلاش کر کے لائٹ جلائی تھی۔ سارا ہال روشنی میں نہا گیا۔

اچانک ہی پردے کے پیچھے جوزف اور ایف بی آئی کا چیف اپنی جگہ جم کر رہ گئے۔ ان کے سامنے ایک رسیوں کی سیڑھی لٹک رہی تھی۔ جس کا دوسرا سرا سٹیج کے اوپر چھت سے باہر اس روشندان کی طرف جاتا نظر آ رہا تھا جس کے راستے ''موساد'' کے لوگ چھت پر منڈلاتے ہوئے ہیلی کاپٹر تک پہنچے تھے۔

جاتے جاتے وہ فالتو بوجھ تین لاشوں کی صورت میں پھینک کر چلے گئے تھے۔ ان میں دو سیاہ فام تھے جنہیں مقامی طور پر ''کرائے پر'' حاصل کیا گیا تھا اور تیسرا ایک سفید فام جو ''موساد'' کا مقامی ''سورس'' تھا۔ باقی تمام لوگ فرار ہو چکے تھے۔

جوزف جانتا تھا کہ اب اس ہیلی کاپٹر کو تلاش کرنا آسان نہیں لیکن پھر بھی اس نے احتیاطاً اپنے ایک ماتحت کو فوراً اپنی کار ریڈیو سے سگنل اور اگلی ہدایات جاری کرنے کے حکم کے ساتھ باہر بھیج دیا تھا۔

"سمارٹ گائیز" ایف بی آئی کے چیف نے کہا اور دوبارہ اسی رسی کی سیڑھی کی طرف دیکھنے لگا جس کے ذریعے وہ لوگ چھت پر پہنچ کر ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے تھے۔

جوزف کا دل چاہا کہ اس گدھے کا ٹینٹوا دبا دے لیکن وہ بے بس تھا۔ ایف بی آئی کے ہاتھوں آج ان لوگوں کو یہ دن دیکھنے پڑے۔

"آفیسر جوزف ہمیں ڈیبی کی ضرورت ہے۔" چیف کی اگلی بات نے اس کا خون کھولا دیا۔

"میری معذرت قبول کیجئے۔ میری درخواست ہے ڈیبی کے نزدیک بھی نہ پھٹکیے ورنہ معاملات بہت زیادہ بگڑ جائیں گے۔" جوزف نے لفظ چباتے ہوئے ادا کئے۔

مقامی چیف نے چند ثانیے رک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا پھر اپنی بے بسی کا ماتم کرتا پرے ہٹ گیا۔ وہ جانتا تھا اس سلسلے سے اسے بہرحال جوزف کا حکم ماننا پڑے گا۔ کیونکہ سی آئی اے کے کاموں میں مداخلت کا انہیں ہمیشہ الٹا نقصان ہی اٹھانا پڑا تھا۔

اگلے روز صبح کی فلائٹ سے جب جوزف ورجینیا کی طرف محو پرواز تھا تو یہ خبر اسے مل چکی تھی کہ کیلیفورنیا میں دو اور نیویارک میں تین فلسطینیوں کو پراسرار طور پر قتل کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک سیکرامنٹو یونیورسٹی کا پروفیسر حسن طلال بھی تھا۔

"پراسرار مائیکل" مرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔ شاید موساد کے لوگ اس کی اصلیت کا پتہ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

"اوہ میرے خدایا۔" وہ ایک مرتبہ پھر چکرا کر رہ گیا کہ اب فلسطینی ان قاتلوں کا انتقام اور حساب لیں گے کیونکہ ان لوگوں کا تعلق فلسطینیوں کے انتہا پسند گروپ سے تھا۔

"لینگلے آفس" میں اپنی رپورٹ فائل کرتے ہوئے اس نے موساد کے "ڈیتھ سکواڈ" کو امریکی سلامتی کے لئے چیلنج قرار دیتے ہوئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں "ڈیتھ سکواڈ" کی سرگرمیوں کو سختی سے کچل دینے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔

☆☆☆

بلیک ستمبر

ابواحمد نے سی این این پر شہداء کی لاشیں دیکھیں اور پہچانی تھیں۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان میں حماد موجود نہیں تھا۔

ڈبڈباتی آنکھوں اور بھرائے ہوئے دل سے اس نے اپنے شہید ساتھیوں کی مغفرت کے لئے ہاتھ بلند کئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے تین ساتھیوں نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے۔

یہ "بلیک ستمبر" کے جانباز تھے۔

"خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم! ہم شہداء کا انتقام لیں گے۔" ان میں سے ایک نے غصے اور غم سے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"بے شک! ہم یہودی درندوں کا دنیا کے آخری کونے تک پیچھا کریں گے۔" ابواحمد نے ان کی آرزوؤں کو بڑھاوا دیتے ہوئے کہا۔

چاروں اس وقت لندن کے نواحی علاقے "ہنسلو" میں واقع ابواحمد کے گھر میں بیٹھے تھے۔ اس کے باقی تینوں ساتھیوں کا تعلق جرمن سے تھا اور یہ لوگ وہاں مختلف فرموں میں کام کر رہے تھے۔ ان چاروں کی موجودگی میں انہیں فون پر اطلاع ملی تھی کہ الفریڈ لوڈنگی نیویارک سے جرمن پہنچ گیا ہے۔

نیویارک میں اس کا کام ختم ہو چکا تھا اور "ڈیتھ سکواڈ" کے مقامی سربراہ کی حیثیت سے اس نے فی الوقت منظر سے ہٹ جانے کے لئے کچھ عرصہ اپنے جرمنی کے آفس میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ الفریڈ نے اپنے تجارتی دفاتر کا جال سارے یورپ میں پھیلا رکھا تھا۔ جس کی آڑ میں موساد کے درندے سرگرم عمل رہتے تھے۔

"امریکہ میں سارا آپریشن اسی درندے کی زیر کمان انجام پایا...... اور اب یہ ہمارے

زخموں پر نمک پاشی کرنے جرمنی میں آن بیٹھا ہے۔" علی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ وہ جرمنی سے آنے والے تینوں نوجوانوں کا شاید گروپ لیڈر تھا۔

"اسے مار ڈالو۔ اس درندے نے ہمارے آٹھ بہترین ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے امریکہ کے مختلف حصوں میں مارا ہے۔ اب اسے اپنے باپ کیپٹن ٹوبینکی کے پاس جہنم میں پہنچنا ہی چاہئے۔" دوسرے ساتھی نے کہا۔

حتمی فیصلہ ابواحمد ہی نے کرنا تھا اور وہ غم و غصے کی آگ میں جلنے کے باوجود یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی بے موت مارے جائیں۔ ان لوگوں نے شمعون کے قتل کی معمولی قیمت ادا نہیں کی تھی۔ گو کہ اسے امید تھی کہ امریکہ جیسے بڑے اور بظاہر مضبوط ملک میں "موساد" اپنی مرضی سے فلسطینیوں کا قتل عام نہیں کر سکتی۔

لیکن......!

ایسا ہو کر رہا......!!

"کتنے کھوکھلے اور کمزور ہیں یہ لوگ۔ بظاہر خود کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت کہلانے والے شاید انہوں نے اپنی ساری توانائیاں عالم اسلام کو تباہ کرنے کے لئے ہی اکٹھی کر رکھی ہیں۔ برادران عزیز! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ امریکی اسرائیل کے مقابلے میں اتنے کمزور ثابت ہوں گے۔ ہم نے سینکڑوں بے گناہ فلسطینیوں کے قاتل شمعون کو مار کر کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن اس وحشی درندے الفریڈ ٹوبینکی نے ہمارے آٹھ ساتھیوں کو یکے بعد دیگرے شہید کیا ہے۔ بخدا ہم حسن طلال کے قاتلوں کا زمین کی ساتویں تہہ سے کھوج لگا لیں گے۔ خدا کی قسم تب تک ہم پر اپنی ماؤں کا دودھ حرام ہے جب تک ہم اس درندگی کا انتقام نہ لیں۔" ابواحمد کے خون میں انگارے تڑپنے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی انہیں اکیلا چھوڑ کر گھر سے باہر کچھ دیر کے لئے جا رہا تھا۔ گھر سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیلی فون بوتھ سے اس نے ڈبلن کا ایک نمبر ملایا اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ آئرش ری پبلک آرمی کے ایک دوست سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے حریت پسند ساتھیوں کی مدد سے جرمنی میں ڈیتھ سکواڈ کے امریکی سربراہ الفریڈ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرتے آئے تھے۔

پندرہ بیس منٹ کی گفتگو کے بعد وہ مطمئن ہو کر واپس آ گیا۔

رات دیر گئے تک وہ لوگ الفریڈ کے قتل کے منصوبے کی مختلف جزئیات کا جائزہ لیتے رہے۔

علی الصبح انہوں نے نماز ابواحمد کی امامت میں ادا کر کے آنسو بھری آنکھوں سے اپنے ہاتھ خدا قہار و جبار کے سامنے پھیلا کر اپنے ساتھیوں کی سلامتی، اپنی آزادی اور عالم اسلام کی بے حسی اور بے غیرتی کے خاتمے کی دعا کی۔ پھر اکٹھے ناشتہ کرنے کے بعد علی کی سربراہی میں "بلیک ستمبر" کے تینوں جانباز اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔

انہوں نے حسب سابق لندن سے جرمنی تک کا سفر "فیری" سے کیا تھا۔

O

"بوریا" کا "ڈاؤن ٹاؤن" یوں تو سارا دن ہی بہت مصروف رہتا تھا لیکن شام نزدیک آنے پر وہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت بڑھ جاتی تھی۔ جرمنی کا یہ شہر تجارتی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور یہاں دنیا کی بڑی بڑی ٹریڈ کمپنیوں کے دفاتر تھے۔

"شیواز ٹریڈرز" نامی اس کمپنی کے دفتر سے الفریڈ شام ڈھلنے پر معمول کے مطابق لفٹ کے ذریعے باہر آیا تھا۔

اسے جرمنی میں آئے آٹھ دس روز ہونے کو آئے تھے۔ یہ ان لوگوں کا طریق کار تھا کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں کوئی بڑا کرائم کرنے کے بعد وہ کچھ عرصہ کے لئے منظر سے غائب ہو جایا کرتے تھے۔ "شیواز ٹریڈرز" نامی فرم کی شاخیں امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک میں قائم تھیں جبکہ اس کا ہیڈ کوارٹر تل ابیب میں تھا اور الفریڈ نے اس کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کی حیثیت سے دنیا بھر میں "ڈیتھ سکواڈ" کا جال پھیلا رکھا تھا۔

جرمنی میں دس پندرہ روز مزید قیام کرنے کے بعد اس نے نیویارک میں بروکلین پر موجود اپنے آفس میں واپس لوٹ جانا تھا۔

علی اور اس کے دونوں ساتھی گزشتہ چار روز سے صرف الفریڈ کے معمولات نوٹ کر رہے تھے۔ آج جمعہ کی وجہ سے یہاں رش بہت زیادہ تھا اور انہوں نے آج کا دن خاص طور سے اس کام کے لئے منتخب کیا تھا۔ آئرش ری پبلک آرمی کے دوست ان کی مدد کے لئے موجود تھے۔

آج جیسے ہی الفریڈ اپنے دفتر سے نکل کر نیچے جانے والی لفٹ کی طرف بڑھا۔ وہ تین اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہی اس طرح لفٹ کی طرف بڑھے جیسے وہ مختلف دفاتر سے نکل کر اس طرف آ رہے ہوں۔ ان تینوں میں ایک علی اور اس کا ساتھی جبکہ تیسرا آئی آر اے کا دوست تھا۔ لفٹ رکنے پر سب سے پہلے علی اس میں داخل ہوا۔ اس کے تعاقب میں الفریڈ اور پھر باقی دونوں بھی اندر آ گئے۔

لفٹ میں پہلے سے ایک جرمن جوڑا موجود تھا۔ دونوں اپنے آپ میں اتنے مگن تھے کہ انہوں نے اس منزل سے سوار ہونے والوں کا کوئی نوٹس لینے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔ جرمن جوڑا ایک دوسرے میں پیوست تھا اور لفٹ پندرہویں منزل سے گراؤنڈ فلور کی طرف جارہی تھی۔ جب اچانک الفریڈ کو اپنے پہلو میں یکے بعد دیگرے دو انگارے گھستے محسوس ہوئے۔

علی نے بالکل نامحسوس طریقے سے...... اپنے لمبے کوٹ کی جیب سے پستول نکال کر اس کے پہلو میں اس صفائی سے دو گولیاں اتاری تھیں کہ الفریڈ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

سائلنسر لگے پستول سے برآمد ہونے والی دونوں گولیاں اتنے خطرناک زہر میں بجھی تھیں کہ ان کا شکار اپنے منہ سے مرتے وقت کوئی آواز ہی نہ نکال سکا۔ ابھی وہ تیسری منزل تک پہنچے تھے جب اچانک اس کے دوسرے ساتھی نے لفٹ روک دی اور تینوں باہر نکل آئے۔

جرمن جوڑے کو حالات کی سنگینی کا احساس اس وقت ہوا جب انہوں نے ایک لمبے تڑنگے شخص کو دھڑام سے اپنے قدموں میں گرتے محسوس کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی ردعمل کا اظہار کرتے لفٹ دوبارہ چل پڑی تھی۔

دونوں نے جب الفریڈ کے پہلو سے خون فوارے کی طرح ابلتے دیکھا تو انہوں نے چیخنا شروع کر دیا اور اسی طرح چیختے چلاتے وہ لفٹ سے باہر آئے تھے۔

لفٹ کے منتظر نیچے کھڑے لوگوں کو اپنی بات سمجھانے میں انہیں کم از کم ایک ڈیڑھ منٹ لگا کیونکہ ابھی تک ان کے اوسان ہی بحال نہیں ہوئے تھے۔ ان کے گرد مجمع اکٹھا ہو گیا تھا جس میں جرمن پولیس کے دو سپاہی بھی موجود تھے۔ جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں "واکی ٹاکی" پکڑ رکھے تھے۔ ان کا تعلق گشتی پولیس سے تھا اور ایک دوسرے سے یہ "واکی ٹاکی" کے ذریعے رابطہ رکھتے تھے۔

علی اور اس کے ساتھیوں نے اپنی دانست میں منصوبہ بڑا شاندار تیار کیا تھا کیونکہ انہوں نے لفٹ سے باہر نکلتے ہی اس کی واپسی کا بٹن دبا دیا تھا اور اس سے پہلے کہ لوگ لفٹ کو روکتے اس کا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں دو الگ الگ لفٹوں کے بٹن دبا کر کھڑے ہو گئے۔

لیکن......!!

رش کی وجہ سے لفٹیں نیچے آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ صورت حال بڑی گھمبیر ہو چلی تھی۔ علی نے فوراً ہی سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اترنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اکیلا ہی سیڑھیوں کے راستے نیچے اترنے لگا۔ اس کے تعاقب میں اس کا فلسطینی ساتھی آ رہا تھا جب کہ آئی آر اے والا ساتھی وہیں کھڑا رہا اور وہ لفٹ کے ذریعے ہی نیچے اترا......!!

علی اور اس کے ساتھی کی بدقسمتی کہ جیسے ہی انہوں نے سیڑھیوں کے راستے باہر نکلنا چاہا پریشان حال اور گھبرائے ہوئے جرمن جوڑے کی نظریں سیدھی ان کی طرف اٹھیں۔ وہ ابھی تک لوگوں کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے علی اور اس کے ساتھی کو آتے دیکھا۔

"قاتل" جرمن نوجوان اور اس کی ساتھی لڑکی نے چلاتے ہوئے ان کی طرف اشارہ کیا۔

دونوں سپاہیوں نے اپنے سروس ریوالور اور پھرتی سے نکال کر ان کو ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا۔ علی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر انہوں نے مزاحمت کی تو دو تین بے گناہ ضرور مارے جائیں گے اور کسی بے گناہ کی موت کا داغ لے کر وہ اس دنیا سے نہیں جانا چاہتے تھے۔

دونوں کے ہاتھ اٹھتے چلے گئے۔ ان کا تیسرا ساتھی لفٹ کے ذریعے اطمینان سے اتر کر بھیڑ میں غائب ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب علی اور اس کے ساتھی کو جرمن پولیس اپنے حصار میں لئے کار کی طرف جا رہی تھی ان کا تیسرا ساتھی لندن میں ابو احمد کو فون کر کے الفریڈ کی موت اور دونوں دوستوں کی گرفتاری کی خبر دے رہا تھا۔

○

کیپٹن والٹر کلاسن نے اپنے سامنے لگی مختلف گھڑیوں کے ڈائل پر نظریں دوڑائیں، سب کچھ نارمل تھا۔ قاہرہ کے اے ٹی سی (ایئر کنٹرول ٹاور) کو اس نے اپنی ڈائریکشن بتا کر ان سے موسمی حالات، درجہ حرارت اور دیگر تفصیلات طلب کیں پھر اپنے نائب کو کچھ ہدایات دینے کے بعد اس نے اپنے دائیں ہاتھ پر ایک لیور کو دبایا۔

جہاز کی بلندی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے نائب نے سیٹ بیلٹ باندھنے کے سگنل جلا دیئے۔

جب بلندی دکھانے والی سوئی ایک خاص مقام پر پہنچ گئی تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سامنے موجود سٹیئرنگ وہیل کو دائیں طرف ایک مخصوص زاویئے پر گھما دیا۔ اب اس کے سامنے والا قطب نما اور دیگر سوئیاں اس کی سمت اور روٹ کے صحیح ہونے کا اعلان کرنے لگی تھیں۔

''معزز خواتین و حضرات!

کیپٹن والٹر کلاسن آپ سے مخاطب ہے۔ ہم قاہرہ کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر لینڈ کرنے والے ہیں۔ یہاں درجہ حرارت 20 ڈگری سنٹی گریڈ اور موسم انتہائی خوشگوار ہے۔ مجھے امید ہے آپ کا سفر ہمارے ساتھ شاندار گزرا ہوگا۔''

اس کے ساتھ ہی ایئر ہوسٹس کی آواز بلند ہوئی۔

''معزز خواتین و حضرات!

جہاز کے کپتان نے سیٹ بیلٹ باندھنے کی بتیاں روشن کر دی ہیں۔ براہ کرم اپنے سگریٹ بجھا دیجئے۔ کرسی کی پشت سیدھی کر لیجئے۔ برائے مہربانی جہاز سے اترتے وقت اپنا سامان ساتھ لے جانا نہ بھولئے۔ ہمیں امید ہے آپ کا سفر ہمارے ساتھ خوشگوار ہوگا اور آئندہ بھی آپ لفتھانسا کے ذریعے سفر کرنا پسند کریں گے۔ ہم قاہرہ اترنے والے مسافروں کو خدا حافظ کہتے ہیں۔''

جہاز اب قاہرہ ایئرپورٹ پر چکر لگا رہا تھا۔ جہاز میں ہلکی ہلکی موسیقی کی مسحور کن آواز بلند ہونے لگی تھی۔ شاید کوئی عربی دھن بجائی جا رہی تھی۔ پھر جہاز کے پہیئے کھلے اور دو تین چکر لگانے کے بعد بالآخر وہ قاہرہ ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا۔

ایئر ہوسٹس مسافروں کو جہاز کے انجن بند ہو جانے تک اپنی جگہ بیٹھے رہنے کی تلقین کرنے لگی اور کیپٹن والٹر کلاسن نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ایک طویل انگڑائی لے کر انجن بند کر دیئے۔

اس کا شمار لفتھانسا ایئرلائن کے چند گنے چنے پائلٹوں میں ہوتا تھا۔ خصوصاً مڈل ایسٹ سے یورپ کی طرف آنے جانے والے فضائی راستے اسے ازبر تھے اور دو تین مرتبہ تو اس نے اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف سینکڑوں مسافروں کی جانیں بچائی تھیں بلکہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کی نظروں میں بڑی قدر و منزلت بھی پالی تھی۔

بیشتر عرب تاجر تو اب اس کے ذاتی دوست بن گئے تھے۔ ان لوگوں کا آنا جانا یورپی ممالک میں لگا رہتا تھا۔ یہ عرب شیوخ بزنس کلاس میں سفر کرتے تھے جہاں والٹر کلاسن اکثر ان کے ساتھ بیٹھ کر ''ڈرنکس'' بھی شیئر کیا کرتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔

بس اس کی یہی ایک عادت اس کے دوستوں کو پسند نہیں آتی تھی ورنہ تو وہ اسے بڑا خوش مذاق اور یاروں کا یار سمجھتے تھے۔

جس تھکا دینے والی فلائٹ کے ذریعے وہ انقرہ پہنچا تھا۔ وہ دمشق سے شروع ہوئی تھی اور اسے بیروت، انقرہ اور میونخ ہوتے ہوئے فرینکفرٹ پہنچنا تھا۔ اس روٹ پر یہ اس کی پہلی پرواز نہیں تھی۔ گزشتہ تین سالوں سے وہ مسلسل اس روٹ پر جہاز اڑا رہا تھا۔

اس انتہائی مصروف روٹ پر اسے ایک منجھا ہوا پائلٹ ہونے کے سبب ایک نقصان کا سامنا بھی ہمیشہ رہا تھا کہ اسے کبھی بھی چھٹی نہیں ملی تھی۔ جب بھی وہ لمبی چھٹی کا مطالبہ کرتا، کمپنی کے اعلیٰ افسران معاملہ اگلے مہینے پر ٹال دیتے۔

لیکن......!

اس مرتبہ اس کی چھٹی منظور ہو چکی تھی۔

ٹموتھی کو جب اس نے اطلاع دی تھی کہ اگلے ہفتے وہ ایک ماہ کی چھٹیاں لے کر یورپ اور امریکہ کے تفریحی دورے پر جا رہے ہیں تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

دونوں بچوں نے تو خوشی سے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

جب اس نے دمشق سے اپنے گھر فرینکفرٹ فون کیا تو بچوں نے باری باری اپنے عزائم سے آگاہ کرنے کے بعد ہی فون اپنی ماں کو دیا تھا۔

ٹمو بھی کو اس نے کہا تھا کہ وہ کل تک سارے معاملات نمٹا لے کیونکہ پرسوں شام کو فرینکفرٹ سے لاس اینجلس جانے والی لفتھانسا کی فلائٹ پر ان کے لئے سیٹیں ریزرو کروالی گئی تھیں۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اتنے مختصر سے دنوں میں اپنی بیوی کی پندرہ سالہ رفاقت کا حق بھی ادا کر پائے گا یا نہیں......!!

انہیں قاہرہ پر ایک گھنٹہ ٹھہرنا تھا۔ اس دوران جہاز کی صفائی شروع ہوگئی تھی۔ اس کے ٹینکوں سے پٹرول کے پائپ لگا دیئے گئے تھے اور ایئرپورٹ پر لفتھانسا کا عملہ جہاز کے دیگر پرزوں کی چیکنگ میں مصروف تھا......!!

اس سارے آپریشن کی نگرانی والٹر کلاسن خود کر رہا تھا۔ اس کی یہی خوبی اسے اپنے ساتھیوں میں ممتاز کرتی تھی کہ اس نے کبھی کسی معاملے کو اپنے ماتحتوں پر نہیں چھوڑا تھا۔

جہاز اب روانگی کے لئے تیار تھا اور مسافروں نے جہاز میں سوار ہونا شروع کر دیا تھا۔

O

لاؤنج میں فلائٹ نمبر 317 کی روانگی کے اعلان کے ساتھ ہی ہلچل مچ گئی تھی۔ فوم کے نرم گدوں والے صوفوں پر بیٹھے مسافروں کو سپرنگوں نے اچھال کر قدموں پر کھڑا کر دیا تھا۔ یہاں سے سوار ہونے والوں کی تعداد پندرہ تھی جبکہ جہاز کے باقی مسافر ٹرانزٹ لاؤنج سے واپس جہاز کی طرف آ رہے تھے۔

سکیورٹی حکام کو اس اعلان کے ساتھ ہی ایک بوکھلائے ہوئے نوجوان کی طرف متوجہ ہونا پڑا جو بڑی تیزی سے اور قریباً بھاگتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے جین کی پتلون پر ایک فضائی کمپنی کے چمڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جس کی پشت پر فضائی کمپنی کا نشان اور نام کندہ تھے۔ ایسی جیکٹس عموماً اس فضائی کمپنی کے ملازمین کے استعمال میں رہتی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک کینوس کا بیگ تھا۔ یہ بھی اسی فضائی کمپنی کا تھا......!! پہلی نظر میں وہ اس کمپنی کا ملازم دکھائی دیتا تھا۔

''معاف کرنا دوستو! مجھے دیر ہوگئی۔ اوہ میرے خدایا! مجھے تو فرینکفرٹ سے ملحقہ پرواز لینی ہے۔ خدا جانے کبھی کبھی مصر کے ٹیکسی ڈرائیورز کو کیا ہو جاتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ

میں......'' وہ مسلسل بول رہا تھا۔

سکیورٹی حکام سمجھ گئے کہ بے چارہ دیر ہونے کی وجہ سے بوکھلا گیا ہے۔ شاید اس کی نوکری خطرے میں تھی۔

ایک سکیورٹی انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے اس کو تسلی دی اور حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ گھبراہٹ ختم کر دے کیونکہ اس کو مطلوبہ پرواز مل گئی ہے اور وہ بروقت فرینکفرٹ پہنچ جائے گا۔

نوجوان نے اتنے بھرپور انداز میں اور اتنے تسلسل کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا تھا کہ اب سکیورٹی افسر کو اس سے جان چھڑانا مشکل ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی جان چھڑانے ہی میں عافیت جانی اور اس کا بیگ سائنر مشین سے گزرنے کے ساتھ ہی اسے تھما کر خدا حافظ کہہ دیا۔

نوجوان بھاگتا ہوا اس بس کی طرف جا رہا تھا جس پر فلائٹ نمبر 317 کے مسافر سوار ہو رہے تھے۔ بس میں سوار ہونے والا ابھی وہ آخری مسافر تھا۔

بس میں بیٹھنے کے بعد اس نے طائرانہ نظروں سے اندر موجود مسافروں کا جائزہ لیا اور اس کی نظریں اگلی سیٹ پر بیٹھے اپنے ایک ساتھی پر ٹھہر گئیں جس نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اطمینان کا اظہار کر کے بس کی کھڑکی سے ہوائی اڈے کا جائزہ لینے لگا۔

اس نوجوان پر نظر پڑتے ہی اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور اپنا سر سیٹ کی پشت سے لگا کر مطمئن ہو گیا۔

بس انہیں مطلوبہ جہاز تک لے آئی تھی جس کے انجن پہلے سے اسٹارٹ تھے۔ مسافر ایک ایک کر کے جہاز میں سوار ہو رہے تھے اور اگلے چند منٹ کے بعد جہاز روانگی کے لئے تیار تھا۔

اسے اکانومی کلاس کے اگلے حصے میں جگہ ملی تھی۔ جبکہ اس کا دوسرا ساتھی فسٹ کلاس کی طرف چلا گیا تھا۔ اس ہوائی اڈے سے دونوں کلاسوں کے مسافروں کو ایک ہی بس میں سوار کر کے یہاں لایا جاتا تھا۔

''معزز خواتین و حضرات!

لفتھانسا ایئرلائن کی فلائٹ نمبر 317 پر میں کیپٹن والٹر کلاسن اور ان کے عملے کی طرف

سے آپ کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ جہاز روانگی کے لئے تیار ہے۔ ہم تھوڑی دیر بعد تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے انقرہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اب حفاظتی اقدامات سے متعلق ایک فلم چلائی جا رہی ہے۔ براہ کرام اسے غور سے دیکھیں اگر آپ کو کسی بات کی سمجھ نہ آئے تو براہ کرم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے متعلقہ عملے سے رجوع کیجئے۔ شکریہ۔''

اعلان کے خاتمے پر مسافروں کے سامنے سکرین پر فلم چلنے لگی۔ جس میں حفاظتی بند باندھنے اور ایمرجنسی کی صورت میں حفاظتی تدابیر اختیار کرنے سے متعلق ہدایات دی جا رہی تھیں۔ نوجوان کی توجہ سکرین کے بجائے اس راستے پر بھی جو اکانومی کلاس سے گزر کر فسٹ کلاس اور پھر کاک پٹ تک جاتا تھا۔ جہاز میں خاصی سیٹیں خالی تھیں۔ سکرین پر چلتی فلم اب ختم ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی موسیقی پر جہاز کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ غالب آنے لگی۔ کپتان کی طرف سے عملے کو جہاز کے ''ٹیک آف'' کرنے کی اطلاع دی گئی اور اس نے آہستہ آہستہ رن وے پر رینگنا شروع کر دیا پھر اس کی رفتار تیز ہونے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد جہاز فضا میں بلند ہو گیا۔

ایک خاص بلندی پر پہنچنے کے بعد جب بتیاں گل ہوئیں تو مسافروں نے حفاظتی بند کھول دیئے۔ سب سے پہلے اپنی کلاس سے ٹائلٹ کی طرف جانے والا وہ پہلا مسافر تھا۔

ٹائلٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے ٹائلٹ سے متعلقہ سامان والے ایک دراز کو کھولا اور ٹشو پیپرز کے ڈبوں کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں درجنوں ڈبے بڑے سلیقے سے سجائے گئے تھے۔ ایسے ہی ایک ڈبے کو جس کا وزن کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا' اس نے کھولا اور ایک ننھا سا پستول اس میں سے نکال کر اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

قاہرہ میں صفائی کرنے والے عملے میں موجود ان کے ساتھی نے کامیابی سے اپنا فریضہ انجام دے لیا تھا۔

جب وہ ٹائلٹ سے باہر نکلا تو واپسی کے لئے اس نے فسٹ کلاس کا راستہ اختیار کیا۔ فسٹ کلاس کے سرے پر اس کا ساتھی استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کے مخصوص اشارے سے اسے کچھ بتایا تو وہ مطمئن ہو کر اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

O

کیپٹن والٹر کلاسن مسافروں کو جہاز کی سمت اور ان علاقوں سے باخبر کر رہا تھا جن پر

سے وہ پرواز کرتے ہوئے انقرہ کی طرف جا رہے تھے۔ وہ مسافروں کو بتا رہا تھا کہ اس وقت جہاز قبرص سے شمال کی طرف قریباً چالیس میل کی دوری سے گزر رہا ہے اور ان کے دائیں جناب وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو ایک طرح سے ترکی اور قبرص کی سرحد بھی ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی اکانومی کلاس میں بیٹھا نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا' عین ان لمحات میں فسٹ کلاس والا نوجوان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں کا ٹکراؤ اکانومی کلاس کے آخری سرے پر ہوا تھا۔ اکانومی کلاس والے نے بڑی ہوشیاری سے چھوٹا سا پستول اپنے ساتھی کے کوٹ کی جیب میں منتقل کر دیا تھا اور اب وہ بڑی تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ اپنے سر پر موجود بیگیج باکس کھول کر اس نے اپنا بیگ باہر نکالا اور اس میں سے چار چھوٹی چھوٹی ڈبیاں نکالیں اور جیکٹ کی دوسری جیب سے پہلے سے تیار شدہ کاغذ ان پر چڑھا دیئے۔

یہ چیونگم کی خالی ڈبیاں تھیں اور اب ان پر خاکی رنگ کے خول چڑھا کر اس نے انہیں ڈائنامیٹ کی ڈبیاں بنانے کا تاثر دیا تھا۔ خاکی رنگ کے ان خولوں پر اس نے سبز رنگ کے تار لپیٹ دیئے تھے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی۔

اب ان جعلی ڈائنامائیٹ کی ڈبیوں کے ساتھ وہ اکانومی اور فسٹ کلاس کے درمیان جا کر کھڑا ہو گیا۔

کیپٹن والٹر کلاسن جہاز کے اندرونی سسٹم پر اپنے نائب کے ساتھ خوش گپیاں کر رہا تھا۔ وہ خوش آئند لمحات کے تصور سے نہ صرف خود محظوظ ہو رہا تھا بلکہ اپنے نائب کو اپنی خوشیوں میں شامل کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

''ایک مہینہ تک آپ کو بہت مس کروں گا کیپٹن۔'' اس کے نائب نے ٹھنڈی آہ بھری۔

جہاز کو اب انہوں نے انقرہ جانے والی فضائی راہ گزر پر ڈالنا تھا..... اچانک ہی کاک پٹ کا دروازہ کھلا۔ والٹر کلاسن نے یہی سمجھ کر گردن موڑی تھی کہ اس کے جہاز کی ''فلائٹ پرسر'' حسب معمول اس کے لئے کافی تیار کر کے لائی ہوگی۔

''کیا بات ہے' کون ہو تم؟'' اس نے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ایک مخصوص بٹن کی طرف لے جانا چاہا' جسے دبا کر وہ نزدیکی اے ٹی سی (ایئر ٹریفک کنٹرولر) کو اپنے ہائی جیک ہونے کا

سگنل دے سکتا تھا۔

"نہیں کیپٹن کسی بٹن کو ہاتھ نہ لگانا۔ مجھے افسوس ہے تمہیں بے وقت زحمت دی۔ یہ جہاز اغوا ہو چکا ہے۔ میرے تین ساتھی جہاز میں ڈائنامائیٹ لگا چکے ہیں۔ تمہاری اور مسافروں کی خیریت صرف ہمارے احکامات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے میں ہے۔ تمہاری اطلاع کے لئے صرف اتنا عرض کر دوں کہ میرا نام ابوالہل ہے اور ہمارا تعلق "بلیک ستمبر" سے ہے۔"

"آل رائٹ۔ تم جو کوئی بھی ہو، پستول پرے ہٹاؤ۔" والٹر کلاسن کو جہاز کے اغوا سے زیادہ افسوس اپنے خواب ٹوٹنے پر ہوا تھا۔

O

جہاز کے مسافر بڑی حیرت اور پریشانی کے عالم میں جہاز کے اندرونی سسٹم پر یہ اعلان سن رہے تھے۔

"خواتین و حضرات!

یہ جہاز اغوا ہو چکا ہے۔ ہمارا تعلق "بلیک ستمبر" سے ہے۔ میں ابوالہل آپ سے مخاطب ہوں۔ میرے دو ساتھی جہاز میں ڈائنامائیٹ سمیت موجود ہیں اور میں کیپٹن کے ساتھ کاک پٹ میں ہینڈ گرنیڈ اور پستول سے مسلح بیٹھا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اپنی سیٹوں پر چپ چاپ بیٹھے رہئے اور کوئی ایسی حرکت نہ کیجئے جس سے آپ کے ساتھ ساتھ جہاز کے ڈیڑھ دو سو مسافروں کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے۔"

اعلان کے خاتمے پر خوفزدہ آنکھوں سے جہاز کے مسافروں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اکانومی اور فرسٹ کلاس کے درمیان ڈائنامائیٹ کی ڈبیاں نصب کر رہا تھا جبکہ ان کا دوسرا ساتھی جہاز کے آخری سرے پر یہی عمل دہرا رہا تھا۔ دونوں نے بڑی تیزی سے اپنا کام مکمل کر لیا۔ ڈبیوں سے منسلک تار ان کے ہاتھوں سے بندھے تھے۔ انہوں نے مسافروں کو مطلع کیا کہ اگر کسی مسافر نے بھی جوش میں آ کر کوئی غلط حرکت کی اور ان کی طرف بڑھا تو اپنی جگہ سے ایک خاص حد تک ہٹنے کی صورت میں ڈائنامائیٹ پھٹ جائے گا اور وہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔

بڑے منجھے ہوئے ہائی جیکر تھے۔ انہوں نے مسافروں کے لئے خود پر قابو پانے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی اور نفسیاتی طور پر انہیں ان کی بے بسی کا مکمل احساس دلا دیا تھا۔

والٹر کلاسن کے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ اسے جہاز کے ہائی جیک ہونے سے زیادہ غصہ اس بات پر آ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر اس کی چھٹیوں کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور ٹکٹوں کی بکنگ جو اس نے کروا رکھی تھی وہ بھی اب کینسل ہو جائے گی۔

ابوالہل اس کے سر پر مسلط تھا اور بڑی گہری نظروں سے ڈائل کی مختلف سوئیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک ہی اس کے اگلے حکم نے والٹر کلاسن کو چونکا دیا۔

"جہاز کو یونان کی طرف موڑ لو۔"

"لیکن میں نے کبھی اس روٹ پر پرواز نہیں کی۔ ہمارے پاس اتنا تیل بھی نہیں۔" اس نے اندھیرے میں تیر چلانا چاہا۔

"میرا بھی یہ پہلا تجربہ ہے۔ تم بھی کرو۔ آئندہ کے لئے تمہیں روٹ کی سمجھ آ جائے گی۔" ابوالہل نے پھنکارتی آواز میں اس کی کنپٹی پر دوبارہ پستول جماتے ہوئے کہا۔ "قبرص کے کنٹرول ٹاور سے بات کرو۔ انہیں جہاز کے اغوا کی خبر نہ دینا کوئی بھی ایمرجنسی بتا کر لینڈ کر جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" بمشکل غصے سے لرزتی آواز میں کیپٹن والٹر کلاسن نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ قبرص کے کنٹرول ٹاور سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کوئی ٹکنیکی مجبوری بتا کر جہاز کو لینڈ کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ حالانکہ وہ جہاز کے ہائی جیک ہونے کا سگنل دے چکا تھا لیکن قبرص نے یہ سگنل وصول نہیں کیا تھا۔ شاید انقرہ میں وصول ہو گیا ہو۔

بڑی ردوقدح کے بعد اسے جہاز اتارنے کی اجازت ملی تھی۔ جیسے ہی جہاز نے قبرص کے ہوائی اڈے پر لینڈ کیا۔ ابوالہل نے کنٹرول سے بات کرنے والا مائیک خود تھام لیا۔

"میں فلائٹ نمبر 317 سے مخاطب ہوں یہ جہاز اغوا ہو چکا ہے۔ ہمارا تعلق بلیک ستمبر تنظیم سے ہے۔ یہ جہاز ہم نے جرمنی میں موجود اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لئے اغوا کیا ہے۔ ہم یہاں قیام نہیں کریں گے۔ صرف تیل لے کر اڑ جائیں گے۔ اگر کسی نے کوئی چالاکی دکھائی تو یاد رکھنا جہاز میں ڈائنامائیٹ نصب ہے۔ صرف پٹرول بھرنے والی گاڑی جہاز کے نزدیک آئے اس کے علاوہ کسی کو جہاز کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت نہ دی جائے ورنہ یہ جہاز مسافروں سمیت بھک سے اڑ جائے گا۔"

یونان حکومت کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ جتنی جلدی اس مصیبت سے جان

چھڑائی جائے کیونکہ جہاز پر جس تنظیم نے قبضہ کیا تھا اس سے کوئی چالبازی یا سودے بازی بے سود تھی۔ یوں بھی اس سے پہلے حکومت پر غیر ممالک خصوصاً اسرائیل کا دباؤ بڑھنے لگے یونان کی حکومت اس بلا سے چھٹکارا چاہتی تھی۔

ان لوگوں نے ابوال کے ہر حکم کی تعمیل بلا چون و چرا کی اور جہاز کی ٹینکیاں تیل سے بھرنے کے بعد ان کو جانے کی اجازت دے دی۔

جہاز ایک مرتبہ پھر فضا میں پہنچ گیا تھا۔ فضا سے ہی ابوال نے جرمنی حکومت کے لئے پیغام ریکارڈ کروایا کہ بوریا جیل میں موجود علی اور اس کے ساتھی کو رہا کر دیا جائے ورنہ وہ لوگ جہاز کو فضا ہی میں تباہ کر دیں گے۔ اس کے پیغام کی ٹیپ شدہ کاپیاں چند منٹ میں اسرائیل اور امریکہ پہنچ گئی تھیں۔ جہاز اب یوگوسلاویہ کی طرف محو پرواز تھا۔ اس طرف جانے کا حکم بھی والٹر کلاسن کو ابوال نے ہی دیا تھا۔

وہ اپنے آہنی ارادوں سمیت اس کے سر پر ڈٹا ہوا تھا۔ جہاز لینڈ کرتے وقت بھی اس نے حفاظتی اقدامات اپنانے کا تکلف نہیں کیا تھا۔ کیا مجال جو اس کے پائے ثبات میں معمولی سی لغزش بھی آئی ہو۔

والٹر کلاسن نے ایک بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ جو شخص اس کے سر پر جما کھڑا ہے وہ کوئی معمولی ہائی جیکر نہیں ہے۔ اسے نہ صرف اس جیٹ جہاز کے سارے سسٹم کا علم ہے بلکہ اس خطے کے فضائی راستے سے اسے ازبر ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں کافی عرصہ تک جہاز اڑاتا رہا ہو۔

O

بریگیڈیئر شمیر کی آنکھوں میں خون تیر رہا تھا۔

اس کی حالت اس بھوکے بھیڑیئے جیسی تھی جس کے سامنے بھیڑیں موجود ہوں لیکن وہ شیر کے خوف سے ان کا شکار نہ کر سکتا ہو۔

الفریڈ کی موت کے حادثے سے وہ سنبھل نہیں پایا تھا کہ اب یونان میں اسرائیلی قونصلیٹ کی طرف سے آنے والے پیغام نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ فلسطینیوں کو یہ جرأت اتنے عرصے بعد کیسے ہوگئی۔ اپنی دانست میں ان لوگوں نے ایسے اقدامات کئے تھے کہ اب قیامت تک فلسطینی ہتھیار اٹھانے کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

لیکن ......!!

بلیک ستمبر پھر ایکٹو ہوگئی تھی۔

ایک طرف وہ لوگ تھے جو گزشتہ پندرہ روز سے جرمن حکومت پر مسلسل دباؤ بڑھا رہے تھے کہ وہ الفریڈ کے قاتل دونوں فلسطینیوں کو ان کے حوالے کر دے۔ اس ضمن میں اسرائیل نے انٹرپول سے بھی رابطہ کیا تھا اور یہ بہانہ کر کے دونوں گرفتاروں کی ڈیمانڈ کی تھی کہ یہ دونوں تل ابیب اور حیفہ میں بہت سی تخریبی کارروائیوں میں ملوث رہے ہیں۔ جرمن حکومت نے اس ضمن میں کسی بھی دباؤ میں آنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور قیدی ان کے حوالے نہیں کئے تھے۔

اب انٹرپول کی کوششوں سے امید کی کوئی کرن نظر آنے لگی تھی تو اس نئی مصیبت نے سر اٹھا لیا تھا۔ نہ صرف الفریڈ مارا گیا بلکہ یہ لوگ اس کے قاتلوں کو بھی چھین کر لے جانا چاہتے تھے۔

''ناممکن...... ناممکن'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

''سر! ان لوگوں نے بڑا بھیانک طریقہ اپنایا ہے وہ جہاز کو مسلسل فضا میں چکر دے رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جب تک ان کے ساتھیوں کی رہائی کا اعلان نہیں ہو جاتا وہ لوگ جہاز کو اس طرح فضا میں اڑاتے رہیں گے...... اِلا یہ کہ جہاز تباہ ہو جائے۔'' ایک ماتحت نے لب کشائی کی۔

''یہ بلیک ستمبر کے لوگ بہت خطرناک ہیں اور کوئی حکومت ان کے مطالبات کے سامنے نہ جھکنے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ جہاز میں دو سو پندرہ مسافر اور عملے کے لوگ سوار ہیں۔ اتنی جانوں کا خطرہ جرمن تو مول نہیں لے سکتے۔'' دوسرے نے کہا۔

بریگیڈیئر شمیر کا پیمانہ صبر چھلک پڑا۔

''شٹ اپ۔'' اس نے چلاتے ہوئے ان لوگوں کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا۔ ''وزیر خارجہ سے ملاؤ۔'' شمیر نے اپنے سیکرٹری کو حکم دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ وزیر خارجہ سے مصروف گفتگو تھا۔ دوران گفتگو اس کے منہ سے جھاگ اڑتی رہی۔ وزیر خارجہ اس سے زیادہ غصے اور نفرت کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ اس نے بریگیڈیئر شمیر کو بتایا تھا کہ اسرائیل اور اس کے ''دوست ممالک'' کے دباؤ کے باوجود اس بات کا

امکان ہے کہ جرمن حکومت ان لوگوں کے مطالبات کے سامنے جھک جائے۔''

فون کریڈل پر پٹختے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اتنی زور سے میز پر مارا تھا کہ سارا کمرہ گونج اٹھا۔

''ٹھیک ہے ہر ممکن کوشش کرو کہ قیدی ان کے ہاتھ نہ لگیں۔ سفارتی دباؤ جاری ہے۔ اگر جرمن حکومت نے بادل نخواستہ ایسا فیصلہ کر ہی لیا تو ان لوگوں کو جیل ہی میں مار ڈالو۔ جرمن پولیس کی حراست سے چھین کر مار ڈالو۔ بہر صورت دونوں قیدی زندہ فلسطینیوں کے ہاتھ نہ لگنے چاہئیں۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ مجھے ان لوگوں کی موت کے علاوہ اور کوئی اطلاع نہ پہنچائی جائے۔'' اس نے اپنے آدمیوں کو گھور کر دیکھا۔

دوسرے ہی لمحے ''ڈ۔تھ سکواڈ'' متحرک ہو گیا۔

جرمنی میں ان کے ایجنٹوں کو ہدایات مل گئی تھیں اور فوری طور پر ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا حکم بھی جاری ہو چکا تھا۔

O

ہم لوگ اس وقت یوگوسلاویہ پر پرواز کر رہے ہیں۔ جہاز کو ''ذیگرب'' کے ہوائی اڈے پر اتارو اور تیل بھرنے کا بندوبست کرو۔'' ابوال کی طرف سے کیپٹن والٹر کلاسن کو اگلا حکم موصول ہوا۔

''مجھے ساری زندگی مشرقی یورپ کے کسی فضائی مستقر پر اترنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ تم ......'' والٹر کلاسن نے جھلاتے ہوئے کہنا چاہا۔

''میں جو ہوں تمہیں بتانے اور سمجھانے کے لئے فکر کس بات کی؟'' ابوال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

والٹر کلاسن ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ خدا جانے یہ شخص کس مٹی کا بنا ہوا تھا۔ کیا مجال جو ایک منٹ کے لئے اس نے کسی بھی نفسیاتی یا ذہنی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہو۔

انہیں فضا میں چکر کاٹتے تین گھنٹے ہو گئے تھے اور جہاز کی ٹینکیاں خالی ہونے لگی تھیں۔ شاید قبرص سے انہیں تیل ہی اتنا ملا تھا۔ اس صورت حال کا اندازہ والٹر کلاسن سے پہلے ابوال نے لگا لیا تھا۔

اس دوران ان لوگوں نے جہاز کے مسافروں پر مکمل کنٹرول کیا ہوا تھا۔ اس کے ایک ساتھی نے سٹیورڈ کے فرائض سنبھال لئے تھے اور اپنی مدد کے لئے اکانومی کلاس سے دو عورتوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا جو مسافروں کو کھانے پینے کی اشیاء بہم پہنچا رہی تھیں۔

جہاز کے عملے کو ان لوگوں نے فسٹ کلاس میں چپ چاپ بیٹھے رہنے کی تلقین کر کے پابند کر دیا تھا۔

ذیگرب کے ہوائی اڈے پر اترنا والٹر کلاسن کی زندگی کا بھیانک تجربہ تھا۔

ایک گھنٹے تک وہ انتظامیہ کی منت سماجت کرتا رہا۔ اس درمیان اسے جہاز کے تین انجن بند کرنے پڑے اور صرف ایک انجن پر اس نے لینڈ کیا...... کوئی معمولی اعصاب کا پائلٹ ہوتا تو جہاز کریش ہو جاتا۔

یوگوسلاویہ کی حکومت نے انہیں صرف اس شرط پر اترنے کی اجازت دی تھی کہ وہ جہاز میں تیل بھرنے اور اشیائے خورد و نوش مہیا کرنے کے بعد اسے ایک لمحے کے لئے اپنی سرزمین پر رکنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

یہ سارا عمل آدھ گھنٹے میں پورا ہو گیا۔

اس درمیان ابوال نے اپنی دھمکی پھر ریکارڈ کروائی تھی اور جرمن حکام کو باور کروایا تھا کہ وہ محض اسرائیلی حکومت کی خوشنودی کے لئے بے گناہ مسافروں کی جان سے کھیل رہے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ ان لوگوں نے جرمن حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور درخواست کی تھی کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کی جنگ کے درمیان نہ آئے۔

جہاز ایک مرتبہ پھر یوگوسلاویہ کی فضا میں چکر کاٹ رہا تھا۔

ابوال نے اسے ایک خاص ایریا ہی میں اڑتے رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ابھی تک جرمن حکومت کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح والٹر کلاسن کے ذہن پر لپکا۔

اگلے ہی لمحے وہ لفتھانسا ایئر لائن کے چیئرمین ہربرٹ کلیمن سے مصروف گفتگو تھا۔

اس نے کلیمن کو باور کروا دیا تھا کہ ان لوگوں دک سوائے ان کے ساتھیوں کی رہائی کے اور کوئی عمل مطمئن نہیں کر سکے گا۔ اگر اس میں کوتاہی کی گئی تو جہاز فضا میں پھٹ جائے گا۔ اس نے

کلیمن پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اپنی کمپنی کی ساکھ داؤ پر نہ لگائے اور جرمن حکومت پر دباؤ ڈالے کہ وہ ان لوگوں کا مطالبہ تسلیم کریں۔

O

ہربرٹ کلیمن کا رابطہ بیک وقت والٹر کلاسن اور جرمنی حکومت کے ذمہ داروں سے قائم تھا۔

جرمن ایئرلائن کا چیف ہونے کے ناطے اس پر دوہری ذمہ داری عائد ہوگئی تھی۔ ایک تو اپنی ایئرلائن کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف جرمنی حکومت کے وقار کا سوال تھا۔

خدا جانے یہ کیسے ہائی جیکر تھے جو سوائے پٹرول لینے کے اور کسی بھی صورت جہاز زمین پر نہیں اترنے دیتے تھے۔ اگر وہ زمین پر کچھ دیر ٹھہرتے تو ان سے نمٹنے کے بہت سے چانسز ہو سکتے تھے۔

عین ممکن ہے کمانڈو کارروائی کا موقع مل جاتا یا پھر ان لوگوں سے سودے بازی کی جا سکتی تھی۔ کوئی نفسیاتی طریقہ اپنایا جا سکتا تھا۔ کچھ بھی ممکن تھا۔

لیکن ......!

یہ لوگ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے تھے سوائے اپنا پیغام ایک مرتبہ نشر کرنے کے انہوں نے ابھی تک ذمہ دار حکام سے کسی بھی ملک میں بات کرنا گوارہ نہیں کی تھی۔ وہ صرف پائلٹوں کے ذریعے دباؤ ڈال رہے تھے۔

عجیب مصیبت تھی نہ تو یہ لوگ زمین پر اترتے تھے نہ کسی سے بات کرنے کو تیار تھے۔ انہیں ہر صورت مثبت جواب چاہئے تھا۔

''جناب والا! جہاز مسلسل چوبیس گھنٹے پرواز نہیں کر سکتا۔ اس کے انجن بھی جواب دے سکتے ہیں اور اب تو یوں لگتا ہے کہ وہ ہاں میں جواب سنے بغیر جہاز میں تیل ڈالنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے۔ اس سے پہلے ڈیگرب میں بھی جہاز کو ایک انجن پر اڑانا پڑا تھا۔ خدارا سینکڑوں انسانوں کی جان داؤ پر نہ لگایئے۔'' اس نے جرمن چانسلر سے آخر کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے! ہمیں بہرحال مسافروں کی جان سب سے زیادہ عزیز ہے۔'' چانسلر نے بھی سانس لے کر کہا۔

کلیمن نے سکھ کا سانس لیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ دوسری لائن پر والٹر کلاسن کے لئے پیغام دے رہا تھا کہ جرمنی حکومت نے دونوں قیدیوں کو رہا کرنے کا اصولی فیصلہ کر لیا ہے۔

O

اس وقت وہ اپنے آرام وہ آفس کے اس حصے میں موجود تھا جہاں کوئی اسے ڈسٹرب نہیں کیا کرتا تھا۔ وہ یہاں پانچ منٹ رک کر اپنے اوسان بحال کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے تھوڑی دیر بعد بوریا سے قیدیوں کے ہمراہ ایک دوسرے جہاز پر اس جگہ جانا تھا جہاں ہائی جیکروں کی طرف سے ان قیدیوں کو پہنچانے کا حکم ملا تھا۔

وہسکی کے ایک پیگ نے اسے خاصا سکون دیا تھا اور اب وہ اپنے ریٹائرنگ روم کا بغلی دروازہ کھول کر اس طرف موجود باغ کی کھلی ہوا میں چند لمبے لمبے سانس لے کر اپنا ذہنی دباؤ دور کر کے خود کو آنے والے حالات کے لئے تیار کرنا چاہتا تھا۔

بون سے اسے اپنے نجی چھوٹے جہاز میں بوریا جانا تھا جہاں ایک اور جہاز پہلے سے تیار تھا جس میں قیدیوں کو لے کر جانے کا منصوبہ طے پایا تھا۔

ابھی اس نے اپنے دفتر سے قدم باہر نکالا ہی تھا کہ اس کی سیکرٹری ہاتھ میں کارڈلیس فون پکڑے اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ شاید کوئی اہم کال تھی۔ ورنہ اسے کم از کم اس وقت ڈسٹرب نہ کیا جاتا۔

''مسٹر کلیمن!'' دوسری طرف سے آواز کے بجائے سانپ کی پھنکار سنائی دے رہی تھی۔ خدا جانے آواز میں کیسا قہر چھپا تھا کہ ایک مرتبہ تو کلیمن کا دل زور سے دھڑک کر رہ گیا۔

''کون ہو تم؟'' اس نے فوراً اپنی حالت پر قابو پا کر پوچھا۔

''میں جو کوئی بھی ہوں' ایک بات کان کھول کر سن لینا۔ اگر قیدیوں کی رہائی میں تمہارا ہاتھ شامل ہوا تو دنیا کے کسی بھی کونے میں تم ہماری دسترس سے بچ نہیں سکو گے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون ہو تم؟''

''کلیمن! ہم موت کے فرشتے ہیں ڈیتھ سکواڈ۔'' اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔

اپنی سیکرٹری کو فون واپس تھماتے ہوئے ہربرٹ کلیمن کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی

ایک لہر دوڑ گئی۔

"ڈیتھ سکواڈ کی دھمکی خالی خولی دھمکی نہیں تھی۔ وہ یہودیوں کی اس خونخوار تنظیم سے بخوبی آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ یہ لوگ کبھی اپنے مجرموں کو معاف نہیں کرتے۔

لیکن......!

اس نے سوچا وہ تو ان کا مجرم نہیں۔ اس نے فلسطینیوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ تو اب بھی اپنی حکومت کے فیصلے کا پابند ہے۔ فیصلہ بہرحال جرمن گورنمنٹ نے کرنا تھا اسے تو اپنی کمپنی کی ساکھ اور مسافروں کی جان عزیز تھی۔ جس کو بچانے کے لئے لفتھانسا کے چیئرمین کی حیثیت سے وہ ہر ممکن اقدام کرنے کا اخلاقی' انسانی اور قانونی طور پر پابند تھا۔

بون سے بوریا تک اس کا سفر بڑا اذیت ناک گزرا تھا۔

بوریا کے ہوائی اڈے پر جرمن انٹیلی جنس چیف مائیکل گاڈ اس کا منتظر تھا۔ مائیکل نے اسے ہوائی اڈے پر ہی ایک الگ کمرے میں مختصر بریفنگ دیتے ہوئے کہا تھا کہ جرمن حکومت کی ہر ممکن کوشش یہی ہے کہ دونوں قیدی ان لوگوں کو نہ سونپے جائیں۔ اس کے لئے انہیں ہربرٹ کلیمن کا عملی تعاون درکار ہوگا۔ اگر ایسا ناگزیر ہوا تو پھر یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ کسی مسافر کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالا جائے گا۔

O

بوریا کا جیل خانہ کوئی عام جیل خانہ نہیں تھا۔

یہاں قیدیوں کو خصوصی انتظامات کے تحت پابند سلاسل رکھا جاتا تھا۔ اس جیل میں دنیا بھر کی انتہا پسند تنظیموں کے وہ لوگ بند تھے جنہیں جرمنی میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ خطرناک قاتل' ڈرگ سمگلر اور نامور ڈکیتوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ اس جیل کا انتظام جرمن پولیس کے ایک خصوصی شعبے کو سونپا گیا تھا۔

جیل کے دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی اور اس طرف آنے والے راستوں پر بھی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔

جہاز کو اغوا ہوئے آٹھ گھنٹے ہو چکے تھے۔ جب جیل کے بڑے دروازے سے دونوں قیدیوں کو گارڈ کی حفاظت میں باہر نکالا گیا۔ جس بکتر بند کار میں انہیں بٹھایا گیا تھا اس کے آگے اور

پیچھے جرمن فوج کے دو ٹرک اس کی حفاظت کے لئے چل رہے تھے۔

موساد کے ڈیتھ سکواڈرن کا مقامی سربراہ ہمیرخ جانتا تھا اگر اس نے اپنے کام میں ذرا سی کوتاہی کا مظاہرہ کیا تو بریگیڈیئر شمیر اسے زندہ درگور کر دے گا۔

وہ اپنے ایجنٹوں کی معمولی غلطیوں پر ان کی سرزنش کرتا تھا' اپنے ہاتھ سے ایجنٹوں کو اذیت ناک سزائیں دینا اس کا معمول تھا۔ دنیا بھر میں پھیلے ڈیتھ سکواڈ کے جانے کتنے غیر یہودی ایجنٹ اس کے ہاتھوں موت کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔ کسی بھی شخص کی جان لینا اس کے نزدیک بچوں کا کھیل تھا۔"

بوریا جیل سے ہوائی اڈے کی طرف جانے والی سڑک بظاہر ویران نظر آ رہی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ یہاں چند منٹ کے نوٹس پر جرمن اپنی مدد کے لئے پولیس یا فوج کو بلا سکتے ہیں۔

بریگیڈیئر شمیر نے بڑی سختی سے ہدایت کی تھی کہ دونوں قیدی کسی صورت "بلیک ستمبر" کے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکیں۔ انہیں مارنے کا منصوبہ ان لوگوں نے چند گھنٹوں میں تیار کر لیا تھا اور اب یہاں مورچہ بند ہو کر بیٹھے تھے۔ اتنی ایمرجنسی اور کم وقت میں ہمیرخ کو صرف چھ ایجنٹ ہی میسر آ سکے تھے۔ ان میں بھی دو کرائے کے قاتل اور چار موساد کے باقاعدہ ایجنٹ تھے۔

اپنے پانچوں ساتھیوں کے ساتھ اس نے جیل سے اس طرف آنے والے راستے کے اس موڑ کو چنا تھا جس پر ایک چھوٹی سی سرسبز پہاڑی میں وہ وقتی طور پر سڑک کی طرف سے آنے والوں کی نظروں سے چھپ کر بیٹھے تھے۔ اس جگہ کی نشاندہی بھی ان دونوں کرائے کے قاتلوں میں سے ایک نے کی تھی۔ جس نے بوریا جیل میں دس برس قید کاٹی تھی اور اسے اکثر جرمن کے دوسرے شہروں کی عدالتوں میں پیش کرنے کے لئے جیل سے ہوائی اڈے تک لے جایا جاتا تھا۔

O

اپنی آنکھوں سے دوربین لگائے وہ کہرے کی چادر میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گوہر مقصود تلاش کر رہا تھا۔ سردی کی شدت لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ انتہائی گرم جیکٹیں پہننے کے باوجود انہیں ٹھنڈک اپنی ہڈیوں میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

آٹومیٹک بندوقوں پر گرفت قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اونی دستانے پہن رکھے تھے اور اپنی شناخت چھپانے کے لئے اونی ٹوپیاں اوڑھ کر انہیں اپنے چہروں پر اس طرح پھیلا لیا

تھا کہ اب چہرے پر ان کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

ہمیر رخ کو رہ رہ کر یہ غم کھا رہا تھا کہ وہ "بزدکا" کیوں اپنے ہمراہ نہیں لا سکے اس میں اس کا قصور بھی نہیں تھا۔ شمیر نے انہیں وقت ہی اتنا کم دیا تھا کہ وہ ڈھنگ کا اسلحہ بھی نہیں لا سکے تھے۔ آٹو میٹک رائفلیں، اور چند ہینڈ گرنیڈ تھے یا پھر ایک لائٹ مشین گن جو ہمیر رخ نے خود سنبھال رکھی تھی۔

بالآخر اسے دھند کی چادر سے جھانکتی جیپ کی روشنیاں بھی دکھائی دینے لگیں۔ یہ جیپ شاید کمانڈ کار تھی جو آگے آگے چل رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر آرمڈ کار آ رہی تھی جس میں دونوں قیدی اور ان کے محافظوں کو بٹھایا گیا تھا۔ جیپ ان کے نزدیک پہنچی ہمیر رخ کی ہدایت کے بالکل برعکس دونوں کرائے کے قاتلوں نے اس پر فائرنگ شروع کر دی۔

ہمیر رخ تلملا کر انہیں گالیاں دینے لگا۔ کیونکہ اس نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ جب تک وہ سگنل نہ دے فائرنگ نہ کی جائے لیکن وہ دونوں اور جنہیں اس نے ہنگامی طور پر ایک مقامی "سورس" کی مدد سے حاصل کیا تھا اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ انہوں نے پولیس کی جیپ دیکھتے ہی اس پر گولیوں کا مینہ برسا دیا۔

یہ کوئی عام پولیس نہیں تھی۔

جرمن پولیس کا خصوصی تربیت یافتہ کمانڈو یونٹ تھا جسے ہنگامی حالت سے نمٹنے کے لئے خاص طور پر تیار کیا گیا تھا کہ موساد والے ان کے راستے میں ہر ممکن رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کریں گے۔

گولیاں جیپ میں موجود ایک کمانڈو کو زخمی کرنے کے علاوہ اور کوئی کارنامہ انجام نہ دے پائیں۔

اگلے ہی لمحے وہ لوگ مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اگلی جیپ پر فائرنگ کے ساتھ ہی آرمڈ کار نے تیزی سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا جب کہ اس کے پیچھے آنے والی جیپ برق رفتاری سے ایک لمبا چکر کاٹ کر اس پہاڑی ٹیلے کے پیچھے پہنچ گئی تھی۔

ہمیر رخ کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ وہ گھیرے میں آ چکے ہیں۔ اس نے جان لیا تھا کہ مقابلہ بے سود ہے لیکن اس کے سامنے صرف دو ہی راستے تھے یا تو وہ ان لوگوں کا گھیراؤ توڑ کر نکل

جائیں یا پھر مارے جائیں۔ گرفتاری کی صورت میں وہ ذلیل ہو کر مارے جاتے۔

سب سے پہلے تو اس نے اپنے ہاتھوں سے دونوں کرائے کے ٹٹوؤں کو پلک جھپکتے میں مار ڈالا۔ اسے خطرہ تھا کہ ان میں سے اگر کوئی زندہ جرمنوں کے ہاتھ لگ گیا تو سب کچھ بک دے گا۔

اس کے بعد ان لوگوں نے پسپائی اختیار کرنا شروع کی۔ ابھی تک گھیراؤ مکمل نہیں ہوا تھا۔ چاروں ایک سمت میں بڑی ترتیب سے فائرنگ کرتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ جب انہیں ایک اور آفت نے آن لیا۔

O

تھوڑی دیر بعد ہیلی کاپٹر ان کے سر پر منڈلانے لگا جس میں سے ایک گونجدار آواز انہیں بار بار جرمن اور انگلش زبان میں ہتھیار پھینکنے کا حکم دے رہی تھی۔

جب وارننگ پر بھی انہوں نے مقابلہ جاری رکھا تو ہیلی کاپٹر کی طرف سے ان پر "وارننگ برسٹ" مارا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر نے آسمان سے ان پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ چاروں نے اس فائرنگ کی زد سے بچنے کی کوشش کی تھی لیکن جلد ہی ان کا ایک ساتھی ہیلی کاپٹر کی فائرنگ اور دوسرا پولیس کمانڈوز کی گولیوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔

اپنی تربیت کے مطابق اب ہمیر رخ کے آخری ساتھی نے اپنا مورچہ وہاں جما لیا تھا اور اس نے ہمیر رخ کو نکل جانے کے لئے کہا۔ ہمیر رخ دیوانہ وار بھاگ رہا تھا جبکہ اس کا ساتھی اپنی جگہ پر لیٹا پولیس کی گولیوں کا جواب دے رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر ہمیر رخ کے تعاقب میں اڑ رہا تھا اور وہ اپنی شاندار تربیت کے بل بوتے پر اس کی گولیوں کی زد سے ہر مرتبہ چھلانگ لگا کر بچ رہا تھا۔

دو تین منٹ بہت دلیری سے مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر اس کا آخری ساتھی بھی مارا گیا۔

ہمیر رخ کی خوش قسمتی تھی کہ دھند اب اتنی گہری ہو گئی تھی کہ جب تک وہ نزدیکی درختوں کے جھنڈ تک پہنچا، ہیلی کاپٹر کی دسترس سے نکل گیا اور پھر وہ درختوں کے جھنڈ کے اندر ہی اندر بھاگتا چلا گیا۔

گہری دھند میں تیز روشنیاں زیادہ دور تک اس کا تعاقب نہ کر سکیں اور وہ آدھ گھنٹہ کی

جان لیوا بھاگ دوڑ کے بعد اکیلا اپنی تباہی کی داستان سنانے کے لئے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ صورت حال اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ وہ موت کے ہاتھوں سے بال بال بچا تھا۔ ڈیتھ سکواڈ کا شاید ہی کوئی ایسا خوش قسمت ایجنٹ تھا جس نے اپنی زندگی ہی میں موت کو بہت قریب سے نہ دیکھا ہو۔ ان لوگوں کو بیک وقت نہ صرف اسرائیل کے دشمنوں کو مارنا ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ متعلقہ ملک میں قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں سے بھی بچنا ہوتا تھا۔ دونوں طاقتوں سے بیک وقت لڑنا ہوتا تھا۔

لیکن......!

آج وہ دل شکستہ تھا۔

آج واقعی انہیں زبردست ہزیمت کا سامنا ہوا تھا۔

فلسطینیوں نے انہیں احساس دلا دیا تھا کہ اپنی مکاری، طاقت، دولت اور شیطانی ذہنیت کے باوجود وہ مجبور محض ہیں۔

اگلے چند گھنٹوں کے بعد وہ تل ابیب میں بریگیڈیئر شمیر کو ناکامی کی اطلاع دیتے ہوئے اپنی شرمندگی کا اظہار کر رہا تھا لیکن بریگیڈیئر شمیر نے اس کا حوصلہ بڑھائے رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ الفریڈ کے بعد اب ہمیرخ ہی اس کے پائے کا ایجنٹ یورپ میں رہ گیا ہے۔

O

جہاز اب جرمنی کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

وہ لوگ اس وقت "ریم" کے فوجی اڈے پر چکر لگا رہے تھے جس کے نیچے امریکہ اور جرمنی کے مسلح فوجی کسی بھی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

جرمنی کی کوشش تھی کہ کسی بھی طرح جہاز جرمنی میں اتر جائے لیکن ابوالمل جیسے مضبوط اعصاب کے عرب نوجوان سے ان کا واسطہ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ پڑا تھا۔ اس نے اس مسئلے پر گفتگو کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ جرمن حکام اسے بار بار کہہ رہے تھے کہ اس کے ساتھی ان کے پاس موجود ہیں اور وہ جرمنی میں جہاز اتار کر انہیں حاصل کر لیں جس کے بعد دنیا کے کسی بھی حصے میں انہیں پہنچایا جا سکتا ہے لیکن ابوالمل نے یہ کہہ کر ان کے ارمانوں پر اوس ڈال دی تھی کہ اس کے

ساتھیوں کو جہاز میں سوار کر کے "ڈیگرب" پر لایا جائے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے والٹر کلاسن کو دوبارہ ڈیگرب کی طرف جہاز لے جانے کا حکم دیا تھا۔

"کلیمن شاید تم لوگ اسے میری زندگی کی آخری پرواز بنانے پر تلے ہوئے ہو۔ مجھے اپنی جان کا نہیں ان سینکڑوں مسافروں کی جان کا خیال ہے جنہیں اس گھٹیا سیاست کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔" والٹر کلاسن کی پیمانہ صبر بالآخر چھلک پڑا۔

"مطمئن رہو کیپٹن مجھے تمہاری زندگی تمام زندگیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اپنے جہاز کو کسی گندی سیاست کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔ ہم قیدیوں کو لے کر ڈیگرب آ رہے ہیں۔"

O

تھوڑی دیر بعد ہی ایک چھوٹا جہاز علی اور اس کے ساتھی کے ساتھ ڈیگرب کی طرف محو پرواز تھا۔ اس جہاز میں کلیمن اور مائیکل گاڈ بھی موجود تھے۔ جرمن انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر کو اب بھی یہی امید تھی کہ وہ آخری لمحات میں ہی شاید سرخرو ہو جائے۔

دو گھنٹے بعد ڈیگرب کے ہوائی اڈے پر دونوں جہاز لینڈ کر چکے تھے۔ وی آئی پی لاؤنج میں اپنی آنکھوں سے دوربین لگائے جرمن قونصلیٹ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں قیدیوں کو اتر کر لفتھانسا ایئر لائن کے جہاز کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنے ساتھ موجود جرمن سفیر کو کچا چبا جائے جس نے اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی تھی۔

مائیکل گاڈ کی ہزار کوششوں کے باوجود ان لوگوں نے جہاز سے باہر آنے سے انکار کر دیا تھا اور دونوں ساتھیوں کو اپنے ہی جہاز میں پہنچانے پر مصر تھے۔ بالآخر جرمن انٹیلی جنس ڈائریکٹر کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور دونوں قیدیوں کو ابوالمل کے حوالے کرنا پڑا۔

لفتھانسا ایئر لائن کے چیئرمین کی طرف سے خصوصی درخواست پر انہوں نے والٹر کلاسن کی جگہ دوسرے پائلٹ کو جہاز اڑانے کی اجازت دے دی تھی جبکہ والٹر کلاسن کے نائب نے جہاز سے اترنے سے انکار کر دیا تھا۔ خود والٹر کلاسن بھی بڑی بد دلی سے اپنے چیئرمین کا حکم مان رہا تھا کیونکہ ہربرٹ کلیمن سمجھا تھا کہ اب وہ مزید فلائنگ کم از کم ایک ہفتہ نہیں کر سکتا۔ اس نے

اعصاب شکن ماحول میں بارہ گھنٹے جہاز کو مسلسل حالت پرواز میں رکھا تھا۔

ذیگریب سے ابوال کے حکم پر جہاز کو قبرص پھر بیروت لے جایا جا رہا تھا۔ انہوں نے قبرص کے ہوائی اڈے پر تمام مسافروں کو اتار دیا تھا اور اب صرف جہاز کے عملے کے ساتھ محو پرواز تھے۔

ابوال کی جگہ اب علی نے لے لی تھی اور وہ فسٹ کلاس کی آرام دہ سیٹوں کے درمیان ایک چادر بچھا کر سجدہ شکر ادا کر رہا تھا۔ بیروت کے خستہ حال ہوائی اڈے پر فلسطینی تحریک آزادی کے سپاہی ان کے استقبال کو موجود تھے۔ جہاز کے عملے کو اپنے جلو میں لئے وہ لوگ بیروت کی فوج کی آنکھوں کے سامنے سے گزر کر اپنے ٹرک تک آئے تھے۔

اپنے علاقے میں پہنچ کر انہوں نے جہاز کے عملے کو خصوصی شکریہ اور تحائف کے ساتھ واپس بھیج دیا تھا۔

رات کی تاریکی میں ابوال اپنے دونوں ساتھیوں اور جرمن سے رہائی پانے والوں کے ہمراہ مقامی بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ لوگ جانتے تھے صبح اسرائیلی طیاروں کی تباہ کن بمباری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عین ممکن تھا کہ مغربی افواج کی مدد سے ان پر حملہ بھی کیا جاتا۔ رات کے دوسرے پہر وہ تیز رفتار کشتی میں سوار سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی منزل قبرص کی بندرگاہ "نکوسیا" تھی جہاں ہمدرد اور محفوظ ہاتھ ان کو سنبھالنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

☆☆☆

زخم خوردہ سانپ

بریگیڈیئر شمیر زخم خوردہ سانپ کی طرح تلملا رہا تھا......!!

فلسطینیوں نے اس پر معمولی چوٹ نہیں لگائی تھی۔ "موساد" کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ وزیراعظم کے سامنے خصوصی معاملات پر بریفنگ دیتے ہوئے اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ نارمل انسان نہیں رہا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے خواب آور گولیاں کھا کر اپنے ذہن کو قدرے پرسکون کیا اور اب وہ "ڈیتھ سکواڈ" کے خصوصی گروپ کا اجلاس طلب کرنے جا رہا تھا۔

ہمیرخ اجلاس میں موجود تھا۔

اس کا بچ جانا ہی بڑی کامیابی تھی۔ گو کہ جرمن انٹیلی جنس کو بخوبی علم ہو چکا تھا کہ قیدیوں کو لے جانے والے دستے پر حملہ کرنے والے لوگ کون تھے؟

لیکن......

وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اسرائیلی حکومت سے باقاعدہ احتجاج کر سکیں کیونکہ ان کے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں لگا تھا۔

شمیر کے لئے زیادہ خطرے والی بات یہ تھی کہ اگر اس طرح فلسطینیوں نے اپنے گرفتار شدہ ساتھی رہا کروانے شروع کر دیئے تو ان کے حوصلے اتنے بڑھ جائیں گے کہ پھر اس طوفان کے آگے بند باندھنا ان کے لئے ممکن ہی نہیں رہے گا۔

"کچھ کرنا ہوگا' کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہوگا۔ ساری قوم "ڈی مورالائز" ہو گئی ہے۔ اگر ایک آدھ ایسی واردات اور ہو گئی تو یہودی قوم کا ہم پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا۔ اس اغوا کا بدلہ لینا ناگزیر ہو چکا ہے۔ مجھے اگلے دو روز کے اندر کوئی ممکن العمل پلان چاہئے۔ کوئی بھی ایسا پلان

جس پر عمل کر کے ہم اپنے دامن پر لگا داغ دھو سکیں۔" اس نے میز پر مکے مارتے اور چلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اور تھوڑی دیر آپس میں بحث کرنے کے بعد بالآخر وہ ایک شیطانی منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

بریگیڈیئر شمیر جانتا تھا کہ وہ اپنے اسلاف کی پالیسی اپنا کر ہی دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے۔ اس نے دشمن کا گھر جلانے کے لئے اپنے گھر کو آگ لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جرمنوں کو سزا دینے پر تل گیا تھا۔

ابھی جنگ عظیم کے زخم تازہ تھے۔ ایک یہودی کی حیثیت سے اس کا ایمان تھا کہ جرمنوں میں ہٹلر کی روح حلول کر چکی ہے اور وہ کبھی نہ کبھی تاریخ دہرائیں گے۔ بظاہر انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لیکن شمیر کی اطلاعات کے مطابق ان کی ہمدردیاں آج بھی اسرائیل دشمنوں کے ساتھ تھیں۔ گو کہ وقت نے جرمنوں کو مصلحت کوش بنا دیا تھا اور بظاہر وہ خود کو جرمنی کی نئی نسل اور اسرائیل کے دوست کہنے لگے تھے۔

O

اپنے دفتر میں داخل ہونے پر جب اچانک اس کی میز پر رکھی ہاٹ لائن ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو چند لمحوں کے لئے "را" کے ڈائریکٹر امریش پوری کے دل کی دھڑکن ضرور بے قابو ہو گئی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ کسی میکانکی عمل کے تابع کریڈل کی طرف بڑھا۔

وزیر اعظم کا پرنسپل سیکرٹری "لائن" پر تھا۔

وزیر اعظم غیر ملکی دورے پر جا رہے تھے۔ امریش پوری کی اطلاعات کے مطابق اس وقت انہیں ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہونا چاہئے تھا لیکن اچانک ہاٹ لائن پر گفتگو......؟

اس نے اندازہ کر لیا کہ صورت حال انتہائی سنگین ہو گئی ہے۔ وزیر اعظم دورے سے واپسی پر بھی اسے طلب کر سکتے تھے۔

"مجھے تھوڑی دیر بعد روانہ ہونا ہے۔ زیادہ تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں۔ ہمارے دوست کچھ "خصوصی تعاون" کی درخواست کر رہے ہیں۔ ان کی ہر ممکن مدد کرنا کیونکہ ہم لوگ بھی "کہوٹہ" کے لئے ان کی مدد حاصل کر رہے ہیں۔ سکیورٹی کمیشن کے چیئرمین آپ کو سب کچھ سمجھا

دیں گے۔ آپ خود تل ابیب جائیے۔ میری خواہش ہے کہ میری ملک سے غیر موجودگی کے دوران یہ کام ہو جائے۔ ہمیں اسرائیلی دوستوں کی خوشنودی درکار ہے۔ بھلے اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔" وزیر اعظم تھوڑی دیر بعد لائن پر موجود تھے۔

"رائٹ سر...... او کے سر۔ آپ کی مرضی کے عین مطابق کام ہو جائے گا۔" امریش پوری نے فون کھڑے ہو کر سنا تھا۔

"گڈ لک...... وش یو آل دی بیسٹ۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ چیئرمین سکیورٹی کمیشن کے کمرے میں موجود تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے بے تکلف دوست تھے۔ دونوں نے انٹیلی جنس میں اکٹھے ہی اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔

"بریگیڈیئر شمیر ہم سے خصوصی تعاون مانگ رہا ہے۔ اسرائیلی پرائم منسٹر نے ہمارے پرائم منسٹر سے براہ راست درخواست کی ہے۔ تم آج شام کی فلائٹ سے نکل جاؤ۔ پرائم منسٹر کی درخواست ہے کہ معاملات ان کے غیر ملکی دورے کے دوران ہی نمٹا دیئے جائیں۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ "سری نگر" میں ہم ان لوگوں کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے اور "کہوٹہ" کو نظر انداز کر دینا ہمارے لئے اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنے کے مترادف ہوگا۔" چیئرمین نے طویل سانس لیا۔

"میں ان یہودیوں کو جانتا ہوں بہت اچھی طرح۔ سالے ہمارے بھی باپ ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ ہماری مدد کی بہت بڑی قیمت وصول کریں گے۔ ہم تو نام کے بنیے ہیں اصل میں تو بنیے یہ ہیں جناب...... ایک کے سوا ایس وصول کرنے والے...... خیر! میں تیار ہوں۔"

امریش پوری کو بہت کچھ سمجھ آ گئی تھی۔

وہ جان گیا تھا کہ "کہوٹہ" کے ایٹمی پلانٹ کی تباہ کاری کے لئے اسرائیل نے جو خصوصی مشن انڈیا بھیج رکھا ہے اور "موساد" اس ضمن میں جس فراخدلی سے بھارت کی مدد کر رہی ہے۔ اس کا معاوضہ یہودی ضرور وصول کریں گے اور بریگیڈیئر شمیر یقیناً انہیں بڑے امتحان میں ڈالے گا۔

امریش پوری نے یہیں سے خصوصی لائن پر اپنے ماتحتوں کو ہدایات جاری کر دیں اور اسی روز شام کی فلائٹ سے "را" کی تین اعلیٰ افسران کی ایک ٹیم لندن جا رہی تھی۔ یہ لوگ "ڈپلومیٹک کور" کے ساتھ عازم سفر تھے۔

بظاہر انہوں نے آڈٹ کرنے والی ٹیم کا روپ دھار رکھا تھا اور لندن کے بھارتی قونصلیٹ میں حساب کتاب کی چھان بین کے لئے جا رہے تھے۔

لندن کے "ہیتھرو" ایئرپورٹ پر امریش پوری اور اس کے دو ماتحتوں کو سفارت خانے کے اعلیٰ افسران نے خوش آمدید کہا۔ چونکہ ڈپلومیٹس کی آمدورفت معمول کی کارروائی تھی اس لئے کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔

انہوں نے لندن کے بھارتی ہائی کمیشن میں بمشکل چھ سات گھنٹے گزارے تھے۔ جب انہیں تازہ خبر پہنچ گئی۔

O

بریگیڈیئر شمیر نے "انتہائی سکیورٹی" کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے "را" کے افسران کے تل ابیب آنے کا پروگرام اچانک تبدیل کر دیا تھا اور وہ اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ ایسے ہی کسی "ڈپلومیٹ کور" کی آڑ لے کر لندن کے اسرائیلی سفارت خانے میں پہنچ چکا تھا!!

اگلے روز اسرائیلی سفارت خانے نے ایک تقریب کا اہتمام کیا تھا جس میں دنیا بھر کے سفارتی نمائندے موجود تھے۔ ان سفارتی نمائندوں میں امریش پوری اور اس کے دو ساتھی بھی شامل تھے۔

شراب و شباب کے نشے میں ڈگمگاتے سینکڑوں مہمانوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ امریش پوری اور اس کے دونوں ساتھیوں کو اسرائیلی حکام نے کس طرح سفارت خانے کے ایک محفوظ کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

کمرے میں زندگی اپنی تمام تر آسائشوں سمیت ان کی منتظر تھی۔ ابھی انہیں بیٹھے دو تین منٹ ہی گزرے تھے جب انہوں نے بغلی دروازے سے ایک نازک اندام حسینہ کو شرابوں سے لبالب جام ٹرے میں رکھے اندر آتے دیکھا......

اس ساحرہ نے جسم پر لباس کے نام پر بمشکل دو دھجیاں باندھ رکھی تھیں۔ ناز و ادا کے

قریباً سب ہی انداز اس نے چند لمحوں میں امریش پوری اور اس کے ساتھیوں کو دکھاتے ہوئے جام ان کے ہونٹوں سے لگا دیئے تھے اور اب مؤدب انداز میں کمرے کے ایک کونے میں اگلے حکم کی منتظر کھڑی تھی۔

جب اچانک ہی اس کی پشت پر دوسرا بغلی دروازہ کھلا اور امریش پوری نے "موساد" کے بریگیڈیئر شمیر کو اپنے دو ماتحتوں سمیت اندر داخل ہوتے دیکھا......!!

بریگیڈیئر شمیر کو امریش پوری ہزار پردوں میں پہچان سکتا تھا۔

O

دونوں نے پاکستانی ایٹمی پروگرام سے متعلق کئی خفیہ میٹنگز کی تھیں اور اب سری نگر میں "موساد" اور "را" نے مشترکہ اپریشن بھی اس سلسلے میں شروع کیا ہوا تھا۔

انتہائی منافقانہ مسکراہٹوں کے ساتھ دونوں نے ایک دوسرے کا خیر مقدم کیا۔

پھر سب نے باری باری گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

اس دوران وہی حرافہ جس نے ان تینوں کو عالم مدہوشی کی سیر کروائی تھی اپنے ہاتھوں میں تین اور جام ایک ٹرے میں سجا کر لہراتی ہوئی وہاں آئی اور تھوڑی دیر بعد شمیر اور اس کے دونوں ساتھی اپنے ہاتھوں میں جام تھامے ان کے سامنے صوفوں میں دھنس چکے تھے۔

بریگیڈیئر شمیر کا اشارہ پا کر وہ حرافہ جس طرح آئی تھی اسی طرح اپنی کمر کو لچکاتی بل کھاتی واپس لوٹ گئی۔

دونوں آپس میں پاکستانی ایٹمی پلانٹ پر گفتگو کرنے لگے۔ جب کہ ان کے ساتھی بڑے مؤدب انداز میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ اس دوران بریگیڈیئر شمیر نے امریش پوری کو ہر ممکن طریقے سے اس بات کا احساس دلایا تھا کہ "موساد" کے تعاون کے بغیر وہ پاکستان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

امریش پوری بظاہر تو اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ جل بھن کر کباب ہو رہا تھا۔ یہودیوں کے احساس تکبر کا اس کے ساتھیوں نے بھی سخت نوٹس لیا تھا۔ امریش پوری اپنے دونوں ساتھیوں کی آنکھوں میں لہراتے احساسات کو پڑھنے کے فن میں یکتائے روزگار تھا۔

اس کی اس خوبی نے اسے اتنی تیزی سے ترقی کی منازل طے کروائی تھیں کہ اس کو اپنے ماتحتوں کی حرکات وسکنات سے ان کے دل ودماغ میں موجزن خیالات کا اندازہ ہو جاتا تھا اور وہ ان کی ''سائیکوتھراپی'' کی کوئی نہ کوئی صورت نکال کر انہیں روبہ عمل رکھتا تھا۔

''میرے خیال سے ہم اب دوسری بات بھی کرلیں۔''

اس نے بظاہر تو بریگیڈیئر شمیر کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔

لیکن......

اپنے لہجے کی تلخی پر وہ ہزار کوشش پر بھی قابو نہیں پا سکا تھا۔

بریگیڈیئر شمیر نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ وہ بھی اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔

''موساد'' کے اذیت پسند سربراہ کو انسانی بے بسی اور بے کسی کے ایسے مناظر دیکھنے کا جنون تھا۔

وہ دل ہی دل میں امریش پوری کی اس حالت پر جھوم کر رہ گیا۔

''میرے خیال میں پہلے کھانا کھالیا جائے۔ اس کے بعد ہم ساری رات اطمینان سے بات کرسکیں گے۔''

اس نے امریش پوری کا جواب سنے بغیر اپنے صوفے کی ایک سائیڈ پر لگا بٹن دبا دیا۔ امریش پوری کٹ کر ہی تو رہ گیا۔ اس کا مطلب تھا ابھی انہیں مزید دو تین گھنٹے بریگیڈیئر شمیر کے طنز و تشنیع کا سامنا کرنا ہوگا۔

اگر وزیراعظم اور چیئرمین سیکورٹی کمیشن کی طرف سے ''موساد'' کے ساتھ تعاون کی خصوصی ہدایات انہیں نہ ملی ہوتیں تو امریش پوری اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

لیکن......

اپنے ملک کی سب سے بڑی انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ کی حیثیت سے اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام جو بھوت بن کر ان کے اور مغربی دنیا کے سر پر سوار ہے کے تدارک کے لئے وہ لوگ قدم قدم پر ''موساد'' کے محتاج تھے۔

کبھی کبھی امریش پوری کو حیرت ہوتی کہ پاکستان میں ''موساد'' کے ذرائع اطلاعات

کہیں کہیں ''را'' سے بھی زیادہ تھے۔

اس بات کا علم تو اسے بعد میں ہوا کہ ایک مخصوص طبقے کے لوگوں کے ذریعے ''موساد'' نے اپنی جڑیں پاکستان میں بہت گہری اتار لی ہیں۔ وہ لوگ اس مخصوص اہلیت سے بین الاقوامی سطح پر خصوصی تعلقات رکھنے کی وجہ سے ان کی ہمدردیاں حاصل کرچکے تھے۔ ''موساد'' بین الاقوامی سطح پر ان کے ساتھ جو تعاون کررہی تھی۔ اس کے عوض اس طبقے کے لوگ پاکستان کے سرکاری راز ''موساد'' تک پہنچانے کے پابند تھے!!

O

وہی زہرہ جمال اپنے پہلو میں اپنے جیسی تین اور جنسی بلیوں کے ہمراہ تھوڑی دیر بعد ڈائننگ ٹیبل پر ان کی خدمت میں ہمہ تن مصروف تھی!!

چاروں یہودنیں امریش پوری اور اس کے ساتھیوں کو ''یہودی پروٹوکول'' کے مطابق پیش کردی گئی تھیں!!

یہ ''معمول کی کارروائی'' تھی!

امریش پوری اور اس کے ساتھی یہودیوں خصوصاً ''موساد'' کے آداب محفل سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے دنیا کے جس ملک میں بھی ''موساد'' کے افسران کے ساتھ کوئی کاروباری نوعیت کی ملاقات کی ''وہاں'' ''موساد'' نے انہیں شراب و شباب کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے مواقع ضرور مہیا کئے تھے۔

یہودی اس معاملے میں شاید دنیا کا سب سے زیادہ ''خودکفیل'' واقع ہوئے تھے۔ گوکہ ''را'' کا بھی یہ سب سے بڑا اور تیز ترین ہتھیار تھا۔

لیکن......

امریش پوری اس بات کا قائل ہوچکا تھا کہ ابھی اس ''میدان'' میں کوئی ''موساد'' کا ثانی پیدا نہیں ہوا۔

ان کے مزاج ذائقے کے مطابق ہر ممکن کھانا یہاں موجود تھا۔ کھانے سے پہلے وائین کے چھوٹے چھوٹے جام ان لڑکیوں نے خود تیار کرکے ''را'' کے افسران کے سامنے رکھے تھے۔

کھانے کی میز پر بھی بریگیڈیئر شمیر نے اپنی برتری ثابت کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے

نہیں جانے دیا تھا۔

اس نے ہر ممکن طریقے سے امریش پوری تک یہ بات پہنچا دی تھی کہ "کہوٹہ" کے ایٹمی پلانٹ سے متعلق سی آئی اے کے جی بی اور را بھی وہ کچھ نہیں جانتے جو "موساد" والے جانتے ہیں۔

اب یہ کہ ایک "موساد" ہی روئے زمین پر ایسی یہودی انٹیلی جنس ایجنسی موجود ہے جو (خدانخواستہ) پاکستان کے اس ایٹمی پروگرام کو نقصان پہنچانے کی اہلیت رکھتی ہے۔

کھانے کے خاتمے پر جب وہ لوگ کانفرنس روم کا رخ کر رہے تھے تو امریش پوری اور اس کے ساتھی دل ہی دل میں بھگوان کا شکر بجالا رہے تھے کہ اب انہیں کم از کم کچھ دیر کے لئے ہی سہی بریگیڈیئر شمیر کی لاف گزاف سے نجات مل جائے گی۔

O

کانفرنس روم میں صرف ایک لمبی میز اور اس کے گرداگرد کرسیاں موجود تھیں یا پھر برقی آتش دانوں میں دہکتے انگارے جنہوں نے لندن کی رگوں میں اترتی سردی کا سارا دم خم ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

دونوں ٹیمیں آمنے سامنے بیٹھ گئی تھیں!!

تھوڑی دیر بعد ہی بریگیڈیئر شمیر، امریش پوری کو براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنے "انجیکوز" سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس کا تحکمانہ لہجہ امریش پوری کے لئے ناقابل برداشت ضرور ہو رہا تھا لیکن چانکیہ کے پیروکار نے اپنے شاستروں سے بہت کچھ سیکھا تھا!!

یہ لوگ مسلمانوں کی طرح کبھی اپنے جذبات کو اپنی عقل پر سوار نہیں ہونے دیتے تھے۔

یہی تھا ان کی کامیابی کا راز!

دل کی بات دل میں دفن کر کے شیریں زبان کے دریا بہائے رکھنے کے فن میں وہ یہودیوں کے بھی باپ تھے۔

بریگیڈیئر شمیر نے اسے تفصیل سے گزشتہ حالات بتانے کے بعد کہا تھا کہ اسرائیلی حکومت کو اس بات کا یقین ہے کہ جرمنوں نے فلسطینی اغوا کنندگان کی مدد کی ہے اور اگر انہیں اس

طرح ڈھیل دی گئی تو جرمنی میں فلسطینی مجاہدین کے لئے نرم گوشہ رکھنے والے افسران کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے۔

"مسٹر امریش پوری مجھے وزیراعظم نے حکم دیا ہے کہ جرمنوں کو اس "انسانیت نوازی" کا مزا ضرور چکھایا جائے تاکہ ہمارا مستقبل محفوظ رہے...... اور اس کے لئے ہمیں آپ لوگوں کا تعاون درکار ہے...... یوں بھی ہمارے مفادات اور محرکات ایک ہیں۔ جب ہم نے آپس میں دوستی کر لی ہے تو دوستی کی یہ ٹریفک یک طرفہ ہی کیوں چلے؟ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ کیوں نہ بٹائیں۔" شمیر ایک مرتبہ پھر پٹڑی سے اترنے لگا تھا۔

"آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟" امریش پوری نے اپنے ساتھیوں کے جذبات مزید کچلے جانے سے بچانے کے لئے بریگیڈیئر شمیر کی تقریر کو اس مرحلے پر ختم کرنا ضروری سمجھا۔

"میرے ساتھیوں نے یہ ایکشن پلان تیار کیا ہے۔"

اتنا کہہ کر بریگیڈیئر شمیر نے اپنے ایک ماتحت کی طرف دیکھا جس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک فائل نکال کر اس کی طرف بڑھا دی تھی۔

بریگیڈیئر شمیر نے فائل اپنے سامنے رکھ کر پڑھنی شروع کی جیسے جیسے وہ فائل پڑھ رہا تھا۔ امریش پوری اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر ایک رنگ آ اور دوسرا رنگ جا رہا تھا!

اپنی بات کے خاتمے پر بریگیڈیئر شمیر نے فاتحانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا!

"بریگیڈیئر میں اس سلسلے میں اپنے وزیراعظم کو اعتماد میں لئے بغیر آپ سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

امریش پوری نے اسے دوٹوک انداز میں جواب دے دیا۔

بریگیڈیئر شمیر نے ان کے سامنے "اتنی خطرناک" فرمائش کی تھی کہ جس سے بھارت کی عالمی ساکھ داؤ پر لگنے کا خطرہ موجود تھا۔

O

"میں تو یہی سمجھا تھا کہ وزیراعظم نے آپ لوگوں کو بریفنگ دے کر بھیجا ہوگا۔"

بریگیڈیئر شمیر نے بڑے طنزیہ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا: "بہرحال اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم اسی وقت آپ کا رابطہ بھارتی وزیراعظم سے کروا سکتے ہیں۔"

"آپ کا شکریہ۔ میں اپنے سفارت خانے تک جانے کی اجازت چاہوں گا۔ ہم صبح ناشتے کی میز پر دوبارہ ملتے ہیں۔"

امریش پوری جانتا تھا کہ اسرائیلی قونصلیٹ سے محفوظ ترین لائن پر ہونے والی اس کی وزیراعظم کے ساتھ بات چیت دنیا کی کسی اور ایجنسی تک پہنچے یا نہ پہنچے کم از کم "موساد" تک ضرور پہنچ جائے گی!

وہ اس سنگین صورت حال پر فوری طور پر کوئی فیصلہ کر کے خود کو مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

تقریب کے دوسرے مہمانوں کے ساتھ ہی وہ لوگ بھی باہر آ گئے تھے.....!

بریگیڈیئر شمیر اور اس کے ساتھیوں نے انہیں اسی کمرے سے رخصت کیا تھا۔ تقریب والے ہال تک ان کی راہنمائی کسی اور نے کی تھی۔

O

قونصلیٹ کا سارا عملہ "صاحب وان" تھا۔

امریش پوری کی قونصلیٹ میں آمد کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بھارتی قونصلیٹ ان کی آمد کے بعد سے اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس دوران اس نے صرف اسرائیلی ہائی کمیشن کی تقریب میں شرکت کی تھی۔ اس کی تقریب میں شرکت کے دوران بھی عملے کے دوسرے لوگ اپنی اپنی جگہ مستعد تھے۔

امریش پوری اس کے علم میں لائے بغیر قونصلیٹ کی خصوصی لائن پر یورپی ملک کے اس بھارتی سفارت خانے سے رابطہ کر رہا تھا جہاں اس وقت بھارتی وزیراعظم موجود تھے۔

بھارتی وزیراعظم کو ایک استقبالیہ کے دوران امریش پوری کے خصوصی فون کی اطلاع دی گئی تھی۔

استقبالیہ سے فارغ ہونے پر وہ اپنا طے شدہ پروگرام بدل کر اچانک ہی بھارتی سفارت خانے کی طرف چل دیئے تھے۔

ان کے پروگرام میں اس اچانک تبدیلی کا متعلقہ ملک کی سکیورٹی نے نوٹس تو لیا تھا لیکن وہ کچھ کہنے یا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ متعلقہ ملک کا سکیورٹی چیف وزیراعظم بھارت کے

پروٹوکول آفیسر کی طرف سے وزیراعظم کے پروگرام میں تبدیلی اور بھارت سفارت خانے میں جانے کی اطلاع پا کر ایک لمحے کے لئے گڑبڑایا ضرور تھا۔

لیکن.....

دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ماتحتوں کو خصوصی سکیورٹی احکامات جاری کر دیئے تھے۔

O

انہیں اپنی وزارت خارجہ اور داخلہ کی طرف سے بطور خاص کہا گیا تھا کہ وزیراعظم بھارت کی سکیورٹی کے بندوبست میں کوئی کمی نہ رہ جائے کیونکہ بھارت میں چل رہی آزادی پسند تحریکوں کی طرف سے جان کا زبردست خطرہ ہے۔

سفارت خانے کی طرف جانے والے راستوں پر متعلقہ یورپی ملک کی سکیورٹی نے اپنے ایجنٹوں کا جال بچھا دیا تھا۔

بھارتی وزیراعظم نے اپنی ایمبیسی میں پہنچتے ہی مخصوص ٹیلی فون سنبھال لیا تھا۔

آپریٹر نے اگلے ہی لمحے اس کا رابطہ لندن میں اپنے قونصلیٹ سے کروا دیا تھا اور اب امریش پوری لائن پر موجود تھا۔ اس نے تین چار منٹ میں "موساد" کی طرف سے کی جانے والی "فرمائش" بھارتی وزیراعظم تک پہنچا دی تھی۔

"مسٹر پوری اگر ہر بات کا فیصلہ میں نے ہی کرنا ہے تو پھر....." وزیراعظم نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"سر! میں انتہائی معذرت خواہ ہوں لیکن معاملات اتنے نازک ہیں کہ آپ کے علم میں لانا ضروری تھا۔"

"کچھ مضائقہ نہیں..... میرے خیال سے اگر "کہوٹہ" والا آپریشن کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں ہے۔" وزیراعظم نے اس کے سارے خدشات ایک ہی فقرہ کہہ کر ختم کر دیئے تھے۔

امریش پوری نے ایک مرتبہ پھر بے وقت زحمت دینے کی معافی مانگی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب وہ دوسری محفوظ لائن پر بھارت میں سکیورٹی کمیٹی کے چیئرمین سے بات کر رہا تھا۔ اس نے چیئرمین کو بتا دیا تھا کہ اس کام کے لئے وہ وزیراعظم کی اجازت حاصل کر چکا ہے!

رات ایک پہر ڈھل چکی تھی۔ جب ''موساد'' کے ڈائریکٹر بریگیڈیئر شمیر کو امریش پوری کی طرف سے گرین سگنل مل گیا۔

ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچنے لگی تھی۔ گوکہ تھوڑی دیر پہلے وزیراعظم اسرائیل کے ساتھ ہونے والی بات چیت میں اس کے ملک کے وزیراعظم نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید ''را'' اس ذمہ داری کو قبول نہ کرے۔

لیکن......!

بریگیڈیئر شمیر نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

''سر! ''کھوٹہ'' بھارتی حکومت کی بھی اتنی ہی بڑی کمزوری ہے جتنی ہماری...... ہم پاکستانی ایٹمی پروگرام کے خطرے کی تلوار جب تک ان کے سر پر لٹکائے رکھیں گے۔ یہ لوگ سدھائے ہوئے بندروں کی طرح اشاروں پر ناچیں گے...... پھر یہ بھی خیال رہے کہ ہم نے ان کا بہت بڑا کام کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری طرف سے کسی اچھی خبر کا منتظر رہوں گا۔''

اسرائیلی وزیراعظم اپنی کابینہ کے سینئر ارکان کے ساتھ بڑی بے چینی سے بریگیڈیئر شمیر کے فون کا منتظر تھا۔

مسلسل اور جان لیوا انتظار سے اس کے ساتھیوں کے اعصاب تڑخنے لگے تھے لیکن وہ بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔

بریگیڈیئر شمیر کی طرف سے کامیابی کا سگنل موصول ہوتے ہی ان لوگوں نے خوشی سے زوردار نعرے بلند کئے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ''فتح کے جام'' ٹکرانے لگے۔

صیہونیت کے علمبردار اور چانکیہ کے چیلے چانٹے مل کر ایک گھناؤنا کھیل رچانے جا رہے تھے۔ انہوں نے انسانوں کے لئے موجود کسی بھی انسانی ضابطے کو خاطر میں نہ لانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان کے نزدیک بین الاقوامی قوانین بنائے ہی اس لئے گئے تھے کہ کوئی انہیں توڑے......!

یہ لوگ جس کے ہاتھ لاٹھی اس کی بھینس کے قائل تھے اور جانتے تھے کہ کسی بھی خلاف

توقع یا خلاف بین الاقوامی قوانین پر کوئی آفت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ سفارتی سطح پر احتجاج ضرور ہو گا۔

لیکن......!

ایسے جانے کتنے احتجاج روزانہ ریکارڈ پر آتے رہتے ہیں۔

☆☆☆

قربانی کے بکرے

چین ایم کی معمول کی پرواز بمبئی کے سانتا کروز ہوائی اڈے پر اتری تھی۔ یہ پرواز واشنگٹن سے میونخ ہوتی ہوئی بمبئی آئی تھی۔

دونوں جرمن سفارت کار جنہیں دہلی کے قونصلیٹ میں خدمات انجام دینا تھیں' میونخ سے اس پرواز کے ذریعے بمبئی پہنچے تھے۔ جہاں سے انہیں اگلے روز ایئر انڈیا کی ایک پرواز سے دہلی جانا تھا۔

معمول کے مطابق انہوں نے اپنا سامان اٹھایا اور لاؤنج سے باہر آ گئے۔ چونکہ سفارت کاروں کی آمدورفت کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا' نہ ہی ان لوگوں نے اپنے سفارت خانے کو خصوصی انتظامات کی درخواست کی تھی' نہ ہی بھارتی وزارت داخلہ کے لئے یہ کوئی' خصوصی کیس' تھا۔ اس لئے یہاں کوئی خاص انتظامات دیکھنے میں نہیں آ رہے تھے۔

لاؤنج کے باہر موجود ٹیکسیوں کی قطار کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے ایک ٹیکسی میں اپنا سامان رکھا اور اسے 'ہلٹن ہوٹل' اپنی منزل بتا کر بیٹھ گئے۔

جیسے ہی ٹیکسی ایئرپورٹ سے باہر ہوٹل کی طرف جانے والی شاہراہ کی طرف گھومی' تین کاروں نے مختلف اطراف سے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ ایئرپورٹ کے باہر والی سڑک قدرے سنسان تھی۔ ایک ٹریفک سگنل کے نزدیک ٹیکسی رکتے ہی دو کاروں نے ٹیکسی کو گھیر لیا۔

ایک کار ٹیکسی کے سامنے رک گئی جبکہ دوسری کار اس کے برابر رکی جس میں سے دو پستول بردار جنہوں نے اپنے منہ نقاب میں ڈھانپ رکھے تھے' باہر نکلے اور چند سیکنڈ میں انہوں نے اپنی پستولوں کے بل پر دونوں کو ٹیکسی سے باہر کھینچ لیا۔

دونوں کو الگ الگ دو کاروں میں ڈال کر وہ لوگ وہاں سے فرار ہو گئے۔ جاتے جاتے

انہوں نے ٹیکسی ڈرائیور کے سر پر اتنی زوردار ضرب لگائی تھی کہ اس کے کئی گھنٹے تک ہوش میں آنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔

دونوں سفارت کار اس اچانک پڑنے والی افتاد سے بوکھلا گئے تھے۔

ان کے لئے یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ صدمے سے ان کے منہ سے کوئی ڈھنگ کی بات ہی نہیں نکل رہی تھی۔ پھر وہ کچھ سوچنے کے قابل بھی نہ رہے جب اچانک ان کے منہ پر کلوروفارم سے بھیگے رومال رکھ کر انہیں بے ہوش کر دیا گیا۔ دونوں کے ساتھ یہ عمل الگ الگ کاروں میں دہرایا گیا تھا۔

دونوں کاریں برق رفتاری سے ایئرپورٹ کے نزدیک ہی ایک بلڈنگ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ یہ ایک سرکاری دفتر تھا جس کے باہر اس وقت صرف ایک چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔

چوکیدار کو انہوں نے دو چار تھپڑ رسید کر کے بھگا دیا اور خود چار کمروں پر مشتمل اس عمارت میں گھس گئے۔

دونوں کاریں انہوں نے عمارت کے اندر پارک کی تھیں۔ تعداد میں وہ پانچ تھے اور پانچوں نے اپنے چہرے نقابوں سے ڈھانپ رکھے تھے۔ بے ہوش جرمن سفارت کاروں کو کندھوں پر لادے وہ لوگ عمارت کے اندر داخل ہو گئے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے انہیں اس بلڈنگ کے کونے کونے کی خبر ہے اور انہوں نے پہلے ہی سے تمام منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔

انہوں نے بے ہوش سفارت کاروں کو عمارت کے ایک کمرے میں جہاں آرام دہ صوفے اور قالین بچھے تھے لٹا دیا۔

چند منٹ بعد جب وہ لوگ ہوش میں آئے تو ان کے سامنے اپنے چہروں کو عربی رومالوں سے چھپائے تین مسلح نوجوان موجود تھے۔ جنہوں نے پستولوں کا رخ ان کی طرف کیا ہوا تھا جبکہ ان کے دونوں ساتھی عمارت کی چھت پر مورچہ سنبھال چکے تھے۔

عمارت سڑک کے کنارے الگ تھلگ بنی ہوئی تھی اور اس کی پوزیشن ایسی تھی کہ دور سے آتے لوگ بھی صاف دکھائی دیتے تھے۔

''کون ہو تم لوگ؟ کیا چاہتے ہو؟''...... دونوں سفارت کاروں نے ہوش میں آتے

ہی پہلا سوال کیا۔

''تمہارے تمام سوالوں کے جوابات مل جائیں گے۔ فی الوقت اگر تم اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً اپنے قونصلیٹ کو فون کر دو کہ وہ پولیس کو ہدایت کر دیں۔ اگر پولیس نے اس عمارت کے ارد گرد پھٹکنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں فوراً گولی مار دیں گے۔ فی الحال اپنے لوگوں کو یہی بتانا کہ تم دونوں "بلیک سنبر" کے ہاتھوں اغوا ہو چکے ہو لیکن جب تک ہم نہ چاہیں یہ خبر آؤٹ نہیں ہونی چاہئے۔ وقت ضائع نہ کرو، ہمارے کہنے پر عمل کرو......'' ان میں سے ایک نوجوان نے جوان کا لیڈر معلوم ہوتا تھا' دونوں کو تذبذب میں مبتلا دیکھ کر کہا۔

دونوں جرمنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے بسی سے سر جھکا دیئے۔

O

دہلی میں جرمن قونصلیٹ نے جیسے ہی یہ فون وصول کیا۔ اس نے سفارت خانے میں ''ریڈ الرٹ'' کا حکم دے دیا۔ اپنے عملے کو میٹنگ کے لئے طلب کرتے ہوئے اس نے دوسرے ہی لمحے بھارتی وزارت خارجہ کو ہنگامی پیغام کی اطلاع دی۔

وزارت خارجہ کا سیکرٹری لائن پر تھا......!

جرمن قونصل جنرل نے اسے صورت حال کی نزاکت سمجھاتے ہوئے اس خبر کو صیغہ راز میں رکھنے کی درخواست کی اور دونوں جرمنوں کی جان کی سلامتی کے لئے پولیس یا کسی دوسری ایجنسی کو فی الوقت کسی بھی انتہائی اقدام سے روکنے کے لئے کہا۔

سیکرٹری خارجہ نے اس کے پیغام کا ٹیپ بھارتی سکیورٹی چیئرمین کو سنا دیا جس میں بمبئی میں اعلیٰ حکام کو اعتماد میں لے کر اس معاملے میں خاموشی سے کارروائی کی ہدایت کرتے ہوئے انہیں تنبیہہ کرنے کے انداز میں کہا کہ کسی کو بھی اغوا کاروں کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت نہ دی جائے۔ صرف اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ اس نے حکماً جرمن باشندوں کی رہائی کا آپریشن ''را'' کو سونپ دیا۔

O

پولیس کی گشتی جیپ میں سڑک پر دکھائی دیتے ڈرائیور کی فریاد پر کان نہیں دھرے تھے لیکن جب اس نے بتایا کہ اغوا ہونے والے غیر ملکی ہیں تو ان کے کان کھڑے ہوئے۔

پیٹرول پارٹی نے اپنی جیپ سے وائرلیس پر کنٹرول کو اس حادثے کی اطلاع دی۔

اس کے ساتھ ہی دوسری اطلاع اس چوکیدار کی پولیس کنٹرول روم میں پہنچی جس کو ان لوگوں نے بھگا دیا تھا۔ وہ بے چارہ بھی کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا نزدیکی پولیس سٹیشن تک پہنچ گیا تھا۔

دونوں اطلاعات ایس پی ماتھر پر عذاب بن کر نازل ہوئی تھیں۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔ نیا نیا اعلیٰ سول سروس کا امتحان پاس کر کے آیا تھا اور اسے یہ پوسٹ سنبھالے بمشکل آٹھ دس روز ہی ہوئے تھے جب اس کے کیریئر کا سب سے مشکل کیس آن پڑا تھا۔

فوری طور پر اس نے پولیس فورس کو چوکیدار کی نشاندہی پر اس مکان کو گھیرے میں لینے کا حکم دیا تھا۔

پولیس فورس کے جوان اپنی رائفلیں سنبھالے ٹرکوں میں سوار ہو رہے تھے۔ جب اچانک ہی ماتھر نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ خود ایک جیپ میں اس مہم کی کمانڈ کر رہا تھا۔ جیپ میں بیٹھے اسے چند سیکنڈ ہی گزرے تھے جب اس کا ٹیلی فون آپریٹر بھاگا ہوا آیا اور پولیس کمشنر کے فون کی اطلاع دی۔

ماتھر برق رفتاری سے فون پر پہنچا تھا۔

''یس سر!''

اس نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر ماتھر اس آپریشن کی مکمل نگرانی ''را'' کرے گی اور مجھے سختی سے ہدایت کی گئی ہے کہ ہم ان لوگوں کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔''

کمشنر نے مختصر سا پیغام دیا۔

ماتھر کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔ یہ حکم اس کو پسند نہیں آیا تھا۔ اس کے علاقے میں اتنی سنگین واردات ہوئی تھی اور ابھی اس نے کارروائی کا آغاز ہی کیا تھا کہ انٹیلی جنس میدان میں آ گئی۔

وہ حال ہی میں اکیڈمی سے فارغ ہو کر آیا تھا اور اپنی تربیت کو ہی نوکری کی بنیاد سمجھ کر کام کرنا چاہتا تھا۔ یہ بڑی غیر اصولی بات تھی لیکن نجانے کیوں وہ احتجاج نہ کر سکا۔

"مجھے کن صاحب سے ہدایت لینی ہوں گی سر؟"

اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"کرنل واستو سے...... کرنل واستو ہی اس آپریشن کے انچارج ہیں وہ ابھی لائن پر آ رہے ہیں۔ گڈ لک۔"

اس کے ساتھ ہی پولیس کمشنر لائن سے ہٹ گئے۔

اگلے ہی لمحے کرنل واستو "را" کا مقامی سربراہ اس سے مخاطب تھا۔

"مسٹر ماتھر آپ کی فورس جائے وقوعہ کے نزدیک نہیں جائے گی۔ آپ مہربانی کر کے علاقے کو گھیرے میں لے لیں۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ مشتبہ مکان کے پانچ سو گز تک پولیس کا کوئی جوان دکھائی نہ دے۔ ہم اغوا کاروں کو مشتعل کر کے اپنے لئے کوئی مصیبت کھڑی کرنا نہیں چاہتے...... امید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔"

کرنل واستو نے لگی لپٹی رکھے بغیر اسے احکامات سنا دیئے۔

"بجا ہے کرنل لیکن یہ کچھ ٹھیک نہیں لگتا۔ میرے خیال سے پولیس کو کچھ کرنے کی اجازت نہ دینا زیادتی ہوگی۔"

بالآخر وہ دل کی بات زبان پر لے آیا۔

"میں تمہارے جذبات سمجھتا ہوں ینگ آفیسر! لیکن صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔"

کرنل واستو نے مختصر سی بات کی۔

"آل رائٹ سر!"

ماتھر نے سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اپنے جوانوں کو نئی ہدایات دینا شروع کیں۔

پولیس کے جوان اس عجیب وغریب حکم پر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔

ماتھر نے انہیں اغوا کاروں کے ٹھکانے کی طرف جانے والے راستوں کو گھیرے میں لینے کا حکم دیا تھا اور سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس کے حکم کے بغیر کوئی کارروائی نہ کی جائے۔

O

جگدیش اور رمیش کی کہانی ایک جیسی تھی۔

دونوں گریجوایٹ اور بے روزگار تھے۔ دونوں ایڈونچر پسند اور زندگی میں کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے متمنی۔

دونوں اکٹھے ہی "را" کے ہتھے چڑھے تھے اور اب بطور "سورس" کام کر رہے تھے۔

اس کام میں پیسے تو انہیں اتنے زیادہ نہیں ملتے تھے لیکن دیگر سہولیات بہت زیادہ تھیں۔ یوں بھی کام چونکہ ان کی مرضی کے عین مطابق تھا لہٰذا دونوں بڑے خوش تھے۔

اس درمیان "را" کے لوگوں نے انہیں غیر سرکاری دفاتر میں معمولی ملازمتیں بھی دلوا دی تھیں اور ان کی دوستیاں بھی خاصی پختہ ہوگئی تھیں۔

"را" کے لئے لڑکیاں حاصل کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا اور دونوں حضرات بڑھ چڑھ کر یہ خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

دو سال سے وہ بطور مخبر کام کر رہے تھے۔ اس درمیان "را" کے لئے انہوں نے چھوٹے موٹے بے شمار کارنامے سرانجام دیئے تھے۔

لیکن......!

آج جو مہم انہیں سونپی گئی تھی...... اس پر دونوں پھولے نہ سما رہے تھے۔ "را" کے کسی آفیسر نے ان کے غباروں میں اتنی ہوا بھر دی تھی کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ انہوں نے "را" کے لئے دو جرمن سفارت کاروں کو اغوا کرنا ہے اور اپنا تعلق "بلیک مجبر" کی تنظیم سے ظاہر کرنا ہے۔

باقی سارا کام "را" نے خود کرنا تھا......!!

تین ایسے ہی گدھے اور دو کاریں انہیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ یہ تینوں گدھے ان کے ڈسپوزل پر تھے جس طرح وہ چاہتے انہیں استعمال کر سکتے تھے۔

جگدیش نے اس مہم کی کمانڈ سنبھالی تھی اور رمیش اس کا اسسٹنٹ مقرر ہوا تھا۔

پانچوں کے ساتھ "را" نے دو مرتبہ اس ڈرامے کی ریہرسل کی تھی۔ اس درمیان انہیں بمبئی کے بہترین ہوٹلوں میں ٹھہرایا گیا تھا اور ہر ممکن عیاشی کروائی گئی تھی۔

پانچوں گدھوں کو "را" کے افسران بار بار اس بات کی یقین دہانی کروا رہے تھے کہ وہ عظیم تر ملکی خدمات انجام دینے جا رہے ہیں اور ان کے کام کی انتہائی خصوصی نوعیت کے پیش نظر

اس مشن کے خاتمے پر ان کی پرائم منسٹر سے خصوصی ملاقات کا بندوبست بھی کروادیا گیا ہے تاکہ وزیراعظم ان کی مناسب حوصلہ افزائی کرسکیں۔

اس دوران انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ان کی ذرا سی غلطی یا گھبراہٹ سے بھارت ماتا کی عالمی سطح پر بدنامی ہوسکتی ہے۔ اس لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

انہیں بار بار اپنے اعصاب پر قابو رکھنے کی تلقین کی جارہی تھی۔

اس آپریشن کی نگرانی پر مامور "را" کے ایجنٹوں نے پولیس کو ان کے نزدیک پھٹکنے نہیں دیا تھا اور ان کا سارا کام پروگرام کے عین مطابق ہوگیا تھا اور کوئی اڑچن پیش نہیں آئی تھی۔

کامیابی سے دونوں جرمن سفارت کاروں کو یہاں تک پہنچانے پر ان کا اعتماد بہت بڑھ گیا تھا اور وہ سمجھنے لگے تھے کہ باقی معاملات بھی طے شدہ پلان کے مطابق انجام پاجائیں گے۔

O

جرمن سفارت کار ایک خصوصی پرواز کے ذریعے دہلی سے بمبئی آئے تھے کیونکہ اغوا کاروں نے ان کے علاوہ اور کسی سے بات کرنے سے انکار کردیا تھا۔

یہ "اغوا کار" بڑے زبردست تربیت یافتہ تھے اور ان کی کسی حرکت سے اس بات کا شائبہ نہیں گزرتا تھا کہ وہ "ان ٹرینڈ" ہیں۔ بظاہر اپنی ہر حرکت سے وہ یوں ظاہر کررہے تھے جیسے وہ زبردست تخریب کار گوریلے ہیں۔

اغوا کاروں کے سربراہ نے قونصل جنرل سے فون پر رابطہ کیا تھا جو اس دفتر کے اندر موجود تھا۔ اس نے سب سے پہلی دھمکی دی تھی کہ اس مکان کے گردا گرد کم از کم سو گز تک کسی قسم کی ٹریفک یا سویلین کو گزرنے کی اجازت نہیں۔ اگر انہیں شک بھی گزرا کہ کوئی اس طرف سے گزرا ہے تو وہ اغوا کنندگان کو ہلاک کردیں گے۔

اغوا کاروں کے سربراہ نے اپنا تعارف "بلیک ستمبر" کے حوالے سے کرواتے ہوئے جرمن قونصل جنرل سے کہا تھا کہ 48 گھنٹے کے اندر اندر ان کے دو ساتھیوں کو جو میونخ میں گرفتار ہیں رہا کرکے بمبئی پہنچا دیا جائے۔ اس کے بعد وہ اپنی اگلی پلاننگ بتائیں گے۔ فی الوقت وہ 48 گھنٹے کے اندر اندر اپنے ساتھیوں کو بمبئی ایئرپورٹ پر دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں

نے قونصل جنرل سے کہا تھا کہ اگر اس واقعے کی خبر انٹرنیشنل پریس تک پہنچی تو ان کے دونوں ساتھی مارے جائیں گے۔

"لیکن اس بات کی ذمہ داری میں کیسے قبول کرسکتا ہوں۔ آخر بہت سے لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہے جن میں بھارتی حکام بھی شامل ہیں......" جرمن قونصل جنرل نے ان کے اس عجیب وغریب حکم پر احتجاج کیا۔

"یہ ہمارا درد سر نہیں...... تم بھارتی حکام سے کہہ سکتے ہو کہ وہ اس واقعے کی کوئی سی توجیہہ کرکے پریس کو مطمئن کردیں لیکن "بلیک ستمبر" کا نام پریس میں نہیں آنا چاہئے۔" دوسری طرف سے دھمکی دی گئی۔

"دیکھو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو۔ ہمارے ماضی کے سلوک سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوجانا...... ابھی پندرہ بیس روز پہلے ہم تمہارے ساتھیوں کو رہا کرکے زبردست عالمی دباؤ کا شکار ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم پر امریکہ اور یہودی لابی کا دباؤ ہے...... اسرائیلیوں نے ہمیں ساری دنیا میں بدنام کررکھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر تم ان دونوں کو رہا کردو گے تو جرمنی میں موجود تمہارے لئے نرم گوشہ رکھنے والے لوگ تمہارے اس اقدام کو بہت سراہیں گے۔" اپنی دانست میں جرمن قونصل جنرل نے ترپ چال چلی تھی۔

لیکن ......!

وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا واسطہ دنیا کی دو خبیث ترین انٹیلی جنس ایجنسیوں سے تھا۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری ساکھ۔ ہم نے اس گفتگو سے وقت گننا شروع کردیا ہے۔ 48 گھنٹے بعد اپنے ساتھیوں کی لاشیں وصول کرلینا یا پھر ہمارے ساتھیوں کو لے آنا۔ اس دوران ہم سے رابطے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ خدا حافظ......" دوسری طرف سے سنگین دھمکی کے بعد سلسلہ منقطع ہوگیا۔

جرمن قونصل جنرل کو ٹیلی فون پر گفتگو کے لئے خاص طور سے الگ لائن فراہم کی گئی تھی۔

وہ اس صورت حال پر چکرا کر ہی تو رہ گیا تھا......!

دوسرے ہی لمحے وہ اپنے ملک میں اعلیٰ حکام کو صورت حال کی سنگینی سے باخبر کررہا تھا۔

جہاں سے اسے فی الوقت ''دیکھو اور انتظار کرو'' کا حکم ملا تھا۔

اس نے بھارتی حکام تک اغوا کاروں کی یہ دھمکی پہنچا دی تھی کہ اس خبر کو کسی بھی صورت پریس تک نہیں جانا چاہئے۔ ورنہ سفارت کاروں کی جان کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔

بھارتی حکام نے اسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا تھا اور کہا تھا کہ وہ جرمن حکومت کے ساتھ بھارتی تعلقات کو کبھی متاثر نہیں ہونے دیں گے اور ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ سفارت کاروں کی جانیں بچائی جا سکیں۔ اس کے ساتھ ہی بھارتی وزیر داخلہ نے جرمن قونصل جنرل سے بذات خود درخواست کی تھی کہ وہ اپنی حکومت تک ان کے غم و غصے کے جذبات پہنچاتے ہوئے ان سے درخواست کرے کہ اغوا کاروں کے مطالبات ہرگز نہ مانے جائیں اور ان کے خلاف زبردست مزاحمت کی جائے۔

O

جرمن انٹیلی جنس چیف مائیکل گاڈ جرمن چانسلر اور اس کی کابینہ کے ہنگامی اجلاس میں موجود تھا......!

بھارت میں جرمن قونصل جنرل کی طرف سے ہونے والی گفتگو کے ایک ایک پل کی رپورٹ ان کے سامنے موجود تھی۔

جرمن چانسلر اور اس کی کابینہ نے تین گھنٹے مسلسل بحث کے بعد اس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ وہ ''بلیک ستمبر'' کے مطالبات نہیں مانے گی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی ان کی دھمکی پر ''فلسطینی دہشت گردوں'' کو رہا کرنے کے بعد سے حکومت کو عالمی سطح پر زبردست شرمندگی کا سامنا ہے۔

اس ہنگامی میٹنگ میں چیدہ چیدہ جرمن دماغ اکٹھے ہوئے تھے۔ ہر کوئی اپنی اپنی رائے پیش کر رہا تھا لیکن ابھی تک مائیکل گاڈ نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔

اس نے بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کے ڈائریکٹر سے براہ راست رابطہ قائم کر رکھا تھا اور اب تک اس وقوعہ کی جو تفصیلات اسے میسر ہوئی تھیں' ان کے بعد سے ذہن نے اسے ایک نئی راہ سجھائی تھی۔

ایک امکان پیدا ہوا تھا......!

وہ اپنے ساتھیوں سے بالکل مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔

بار بار اس نے چاہا کہ اپنے ذہن سے اس ''مفروضے'' کو جھٹک کر باہر پھینک دے لیکن اس کا ذہن کوئی دوسری دلیل ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''معزز حاضرین میں معذرت خواہ ہوں چند منٹ کے بعد میں حاضر ہوتا ہوں مجھے فوری طور پر کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔ براہ کرم اپنی گفتگو جاری رکھیے!''

ساری کابینہ چانسلر سمیت اس کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی یہ حرکت قطعی پسند نہیں کی گئی تھی۔ وہ اس طرح پوز کر رہا تھا جیسے ان کی باتوں کی طرف توجہ ہی نہ دے رہا ہو۔

اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھے بغیر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

چند منٹ بعد ہی وہ اس کمرے میں رکھے محفوظ ٹیلی فون کے مختلف نمبروں کے بٹن دبا رہا تھا۔ قریباً پانچ منٹ تک دنیا کے مختلف ممالک میں دس بارہ نمبروں پر فون کرنے کے بعد اسے بالآخر مطلوبہ شخص فرانس کے شہر ''رینے'' میں ایک نمبر پر مل گیا۔

دونوں تین چار منٹ تک آپس میں گفتگو کرتے رہے' جس کے بعد اس شخص نے شاید اسے وہیں کچھ دیر تک انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔

انتظار کی یہ گھڑیاں طویل ہوتی جا رہی تھیں......!

پانچ' دس' پندرہ منٹ گزر گئے۔

ان پندرہ منٹوں میں مائیکل گاڈ نے تین سگار پھونک ڈالے تھے...... کافی کے دو بڑے مگ خالی کر دیئے تھے۔

اس درمیان دوسرے کمرے میں میٹنگ میں مصروف لوگ اس کی غیر حاضری پر مسلسل کڑھتے رہے۔ کابینہ میں موجود اس کے مخالفین نے جرمن چانسلر سے مائیکل گاڈ کے رویئے پر باقاعدہ احتجاج کرتے ہوئے اسے ''غیر ذمہ داری'' کا مظاہرہ قرار دیا تھا۔

اس ساری منڈلی میں صرف جرمن چانسلر ایسا شخص تھا جو مائیکل گاڈ کے خلاف ان ریمارکس کا قطعی نوٹس نہیں لے رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کا انٹیلی جنس چیف کیوں اٹھ کر باہر گیا ہے؟

شاید جرمن چانسلر ہی وہ واحد شخص تھا جو اس میٹنگ میں وہی سوچ رہا تھا جو مفروضہ قائم

کر کے مائیکل گاڈ یہاں سے رخصت ہوا تھا۔

اس نے فی الوقت اپنے ساتھیوں کو مطمئن کرنا تھا جب تک مائیکل گاڈ کی طرف سے کوئی حتمی جواب نہ مل جاتا۔

O

دوسرے کمرے میں موجود مائیکل گاڈ کے سامنے رکھے فون کی گھنٹی بجی تو وہ عقاب کی طرح اس پر جھپٹا۔

''ہوں......'' اس کے منہ سے نکلا۔

اس کی توقع کے عین مطابق یہ مطلوبہ فون کال ہی تھی جس کا اسے انتظار تھا۔

دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع پر وہ صرف ''ہوں ہاں'' کرتا رہا۔ قریباً تین چار منٹ تک ادھر سے ملنے والی اطلاعات کے نوٹس اس نے اپنے سامنے رکھے لیٹر پیڈ پر منتقل کیے۔

سلسلہ منقطع ہو گیا......!

لیٹر پیڈ سے وہی کاغذ پھاڑ کر اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے کیا ہوا تھا۔ اپنے نوٹس پر اس نے دوبارہ نظر ڈالی...... اب وہ ایک طرح سے اس ساری معلومات کو جو اسے فون کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں' حفظ کر چکا تھا۔ کاغذ کو اس نے اپنے سگریٹ لائیٹر سے آگ دکھا دی اور جب تک اس کی نظروں کے سامنے سارا کاغذ جل کر راکھ نہیں ہوا' وہ اپنی جگہ موجود رہا۔ جس کے بعد وہ انتہائی مطمئن انداز میں چلتا ہوا میٹنگ روم میں آ گیا۔

''معزز حاضرین!...... میں تھوڑی غیر حاضری اور قطعی غیر اخلاقی حرکت پر معذرت خواہ ہوں۔ لیکن امید ہے کہ میرے کام کی نوعیت کے پیش نظر آپ مجھے معاف فرما دیں گے''......

اتنا کہہ کر وہ دوبارہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس درمیان شاید تمام حاضرین اپنے دل کا غبار نکال چکے تھے۔

''حضرات میں آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اغوا کاروں کی طرف سے دیئے گئے وقت کے ہم چار قیمتی گھنٹے ضائع کر چکے ہیں جبکہ ہمارا واسطہ ''بلیک ستمبر'' جیسی خطرناک تنظیم سے ہے...... امید ہے آپ وقت کی نزاکت کا احساس کریں گے۔'' وزیر داخلہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

''میرے خیال سے مائیکل گاڈ کوئی اہم بات کرنے جا رہے ہیں۔''

چانسلر نے اچانک ہی اپنا رخ اس طرف کرتے ہوئے مائیکل گاڈ کے کورٹ میں گیند پھینک دی۔

''جناب والا! میں آپ تمام ذمہ دار صاحبان کی توجہ ایک انتہائی سنگین معاملے کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں۔''

اس نے کھڑے ہو کر کہا اور ساری گردنیں اس کی طرف مڑ گئیں۔

تمام آنکھیں اس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

''اغوا کرنے والوں کا تعلق ''بلیک ستمبر'' سے نہیں ہے۔''

اس کے منہ سے نکلے یہ الفاظ بم کی طرح ان لوگوں کے اذہان پر پھٹے تھے۔ قریباً سب ہی لوگ اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے۔ ایک چانسلر کی شخصیت ایسی ضرور تھی جو اپنی جگہ مطمئن ہو کر بیٹھا رہا۔

''ظاہر ہے ہمیں حیرت ہی ہو گی آپ کی بات پر......'' ایک وزیر نے قدرے چڑ کر کہا۔

''یہ طے شدہ اور حتمی بات ہے۔ میرے پاس ایسے تمام شواہد موجود ہیں جو میری بات کو سچا ثابت کریں گے۔''

اس نے فاتحانہ نظروں سے حاضرین کی طرف دیکھا۔ اس کے بعد وہ لگاتار بولتا چلا گیا۔ اس نے مسلسل دلائل دے کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے' وہ سچ ہے۔ وہاں موجود لوگوں کو اب اس کی بات کی سمجھ آنے لگی تھی۔

''پھر یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں؟''

وزیر داخلہ نے سوال کیا تھا۔

''موساد''...... مائیکل گاڈ نے حاضرین کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''گو کہ ابھی میں ایک مفروضے پر بات کر رہا ہوں۔ لیکن میرے خدشات یقینی ثابت ہوں گے۔ یہ ''موساد'' اور بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کی ملی بھگت ہے شاید بریگیڈیئر ثمیر ہمیں گزشتہ ''غلطی'' کی سزا دینا چاہتا ہے۔ ''موساد'' کا موٹو ہے ''انتقام''...... یہ لوگ ہم سے اس بات کا انتقام لے رہے

ہیں کہ ہم سینکڑوں مسافروں کی جان سے کیوں نہیں کھیلے؟ وہ چاہتے تھے کہ جہاز بھلے بے گناہ مسافروں سمیت تباہ ہو جائے لیکن عظیم اسرائیل پر آنچ نہ آئے..... انہوں نے قیدی بھی ہم سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اپنی ہر کوشش میں ناکامی کے بعد اب تلملا کر انہوں نے یہ گھٹیا حرکت کی ہے۔''

''کیا آپ یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں؟'' وزیر داخلہ نے اگلا سوال کیا۔

''اپنی ذاتی حیثیت سے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ حالانکہ ابھی تک میں ایک مفروضے کی بنیاد پر بات کر رہا ہوں اور جناب والا! میں آپ کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اگر یہی بات صحیح ہوئی جو میرے ذہن میں آئی ہے تو پھر شاید ہمیں اپنے دو بہترین شہریوں کی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔''

اس کی آخری بات نے محفل پر سناٹا طاری کر دیا۔

''کیا اس صورت حال سے بچ نکلنا ممکن ہے؟''

اس مرتبہ چانسلر براہ راست مخاطب ہوا۔

''حقائق کی زبان میں نہیں..... ہمارے لئے دشمن نے کوئی راستہ کھلا نہیں چھوڑا۔ فرض کیجئے ہم قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ بھی کر لیں تو ساری دنیا میں ذلیل ہو کر رہ جائیں گے۔ چلئے یہ خطرہ بھی مول لیا جا سکتا ہے..... لیکن جیسے ہی انہیں اس بات کی خبر ہوئی فوراً پریس کو اطلاع کر دیں گے اور اغوا کاروں کو بہانہ مل جائے گا..... آپ ذرا ان کی پلاننگ تو دیکھئے کہ اغوا کرنے والے اپنے ساتھ ریڈیو لے کر گئے ہیں جس پر وہ دنیا بھر کی خبریں سن رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ خبر کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی..... یہ لوگ بی بی سی سے خبر دے دیں گے اور ٹائیں ٹائیں فش..... جناب والا! اس عمارت میں موجود سات آدمیوں میں سے کوئی زندہ باہر نہیں آ سکتا..... ''را'' والے ثبوت مٹانے کے لئے اغوا کاروں کو بھی مار ڈالیں گے..... جو ان کے اپنے لوگ ہیں۔''

''جناب والا! میں اپنی دانست میں ایک آخری کوشش کرنے جا رہا ہوں ممکن ہے اس طرح دشمن کو علم ہو جائے کہ ہم بے خبر نہیں۔ آپ بھارتی حکومت سے اجازت لیجئے کہ ہمارے کمانڈوز کارروائی کریں اور اپنے شہریوں کو رہا کروالیں۔''

حاضرین پر سناٹا طاری تھا.....

مائیکل گاڈ کے انکشافات نے انہیں مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ جرمن انٹیلی جنس کے چیف نے انہیں بتایا تھا کہ اس نے اپنے بہترین ذرائع سے اس بات کی تصدیق کروالی ہے کہ اس کارروائی سے ''بلیک ستمبر'' کا تعلق نہیں۔ اس کے پاس اپنی اس بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے تمام شواہد بھی موجود تھے۔

''بہت گھٹیا حرکت ہے یہ''..... چانسلر بڑبڑایا۔

''بے شک جناب! لیکن افسوس ہم اس گھناؤنی حرکت کو اگر بے نقاب بھی کریں تو بھی ہمارے بے گناہ شہریوں کی زندگیاں محفوظ نہیں رہ سکتیں۔'' مائیکل گاڈ نے اس کا ساتھ دیا۔

''جو کچھ ممکن ہے کر گزرو..... مجھے بہر صورت اپنے شہریوں کی سلامتی عزیز ہے''..... چانسلر نے حتمی لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد یہ اہم میٹنگ برخاست ہو گئی۔

بریگیڈیئر شمیر نے انتہائی اہم ذرائع سے یہ اطلاع موصول کر لی تھی کہ جرمن حکومت کو ان لوگوں کے کالے کرتوت کا علم ہو گیا ہے۔

اس کے لئے یہ کچھ باعث پریشانی نہیں بلکہ باعث راحت تھا۔ کیونکہ یہی وہ چاہتا تھا کہ جرمنوں کو اپنی طاقت کا احساس دلا سکے۔ اگر انہوں نے دو بے گناہ فلسطینی رہا کئے تھے تو اس کے بدلے یہودی پراٹوکول کے مطابق وہ دو زندگیاں اس گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے سزاوار بھی تھے۔

O

اور ''موساد'' دراصل انہیں یہی سزائے بے گناہی دینے جا رہی تھی۔

وہ جانتا تھا مائیکل گاڈ بھی کوئی معمولی دماغ نہیں۔ خدا جانے وہ کیا کر گزرے۔ اس کا شمار ''انٹیلی جنس کمیونٹی'' کے بہترین دماغوں میں ہوتا تھا۔

بہت سمارٹ آدمی تھا وہ.....

عمر کے اس حصے میں جب ایسے لوگ عموماً دل یا جگر کے عارضے کا شکار ہو جاتے ہیں، اس کی صحت قابل رشک تھی۔ وہ اب بھی کئی مہمات میں عملی حصہ لیتا تھا۔ خصوصاً اپنے ملک میں ہونے والی بیشتر انٹیلی جنس آپریشنز کی نگرانی کیا کرتا تھا۔

کچھ دیر سوچتے ہوئے اس نے لندن کا ایک نمبر ملایا اور اپنے ایک "خاص ذرائع" سے بات کی۔ گفتگو کے خاتمے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگنے لگی تھی۔

یہ شیطانی مسکراہٹ پھر مزید گہری ہونے لگی اور اس نے دوسری لائن پر بھارت میں "را" کے چیف امریش پوری سے رابطہ کر کے اسے پیش آمدہ حالات کے مطابق پلاننگ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا......!

اب وہ اپنے محافظوں کی فوج کے ساتھ وزارت خارجہ کی طرف جا رہا تھا۔

O

اسرائیلی وزیر خارجہ کو ان لوگوں نے نیند سے بیدار کر کے تازہ پلاننگ سے آگاہ کیا تھا۔ جس نے صرف آدھے گھنٹے کے اندر پانچ اہم شخصیات کو خصوصی میٹنگ کے لئے طلب کر لیا تھا۔

اس میٹنگ کی سربراہی اسرائیلی وزیراعظم خود کر رہا تھا۔

جرمن کابینہ میں موجود ایک وزیر کے غدار سیکرٹری کے ذریعے جو "موساد" کا زرخرید ایجنٹ تھا' بریگیڈیئر شمیر کو جو اطلاعات ملی تھیں' اس نے ان کی تفصیلات سے ان اہم شخصیات کو آگاہ کر دیا۔

"دو امکانات پر جناب والا ہمیں غور کرنا ہے"......اس کی شیطانی آنکھوں کی چمک بڑھنے لگی تھی۔

"پہلا تو یہ کہ جرمن اگر اچانک دونوں مطلوبہ قیدیوں کو رہا کر دیں تو بھارت میں ہمارے دوستوں کے لئے صورت حال بڑی نازک ہو جائے گی عین ممکن ہے وہ افراتفری یا دباؤ میں کوئی غلط فیصلہ نہ کر لیں کیونکہ اخلاقی طور پر وہ بہت دباؤ میں آ جائیں گے...... یوں بھی انہیں اس بات کا احساس ہے کہ وہ یہ کام "بھارت ماتا" کے لئے نہیں بلکہ ہمارے لئے کر رہے ہیں۔ اس لئے فوری طور پر ہمیں جرمنی حکومت کو اس اعلان سے روکنے کے لئے متحرک ہونا پڑے گا۔ دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ جرمن بھارتی حکومت سے اپنے کمانڈوز اپنے شہریوں کی رہائی کے لئے استعمال کرنے کی درخواست کریں گے لیکن یہ بات ذرا مشکل دکھائی دیتی ہے کہ بھارتی حکومت انہیں اجازت دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے گی۔ یوں بھی "کمانڈو کارروائی" میں ان کے اپنے شہریوں کا مارا جانا کوئی اچنبے والی بات نہیں ہو گی کیونکہ "را" نام کے سانپ کے منہ میں ہم نے

جو چھپکلی دے دی ہے وہ اسے اب نہ نگل سکتا ہے نہ اگل سکتا ہے......انہیں بہرکیف اس مکان میں موجود سات آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے تاکہ اس کیس کی کوئی شہادت باقی نہ رہے...... اس لئے جناب والا! پہلے امکان پر زیادہ توجہ دی جائے۔"

اپنی گفتگو ختم کر کے اس نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرنا شروع کر دیا۔

اسرائیلی وزیراعظم نے اس بات کے خاتمے پر ایک لمحے کے لئے بھی کچھ نہیں سوچا۔ اس نے اپنے سیکرٹری سے فوری طور پر وائٹ ہاؤس رابطہ کرنے کو کہا تھا۔

ہاٹ لائن پر تھوڑی ہی دیر بعد وہ امریکی صدر سے بات کر رہا تھا......!

"مسٹر پریذیڈنٹ! ہماری اطلاع کے مطابق بھارت کے شہر بمبئی میں دو جرمن سفارت کاروں کو اغوا کرنے والے "بلیک ستمبر" کے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں نے اس مرتبہ انتہائی خطرناک طریقہ اختیار کیا ہے اور عالمی پریس کے علم میں کوئی بات لائے بغیر اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے......افسوس کی بات تو یہ ہے کہ جرمن حکومت ایک مرتبہ پھر دہشت گردوں کے سامنے جھک گئی ہے اور انہوں نے "بلیک ستمبر" کے سامنے مطالبات تسلیم کر کے چوری چھپے دہشت گردوں کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ بڑی اذیت ناک صورت حال ہے جس پر ہم شدید احتجاج کرتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ جرمن حکومت کو اس اقدام سے روکا جائے"......اس کے ساتھ ہی اس نے امریکی صدر کو اس کی عالمی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے پر لیکچر دے دیا۔

امریکی صدر نے اس کی اطلاعات پر شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا اور باور کروایا کہ امریکن حکومت کی طے شدہ پالیسی ہے کہ دہشت گردی کے سامنے ہرگز نہ جھکا جائے اور انہیں بطور صدر امریکہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔

ادھر سے سلسلہ منقطع ہونے پر اسرائیلی وزیراعظم نے برطانیہ' ناروے' سویڈن اور کینیڈا کے سربراہان مملکت سے بھی یہی بات کی تھی......!

جرمن چانسلر کی ذہنی ہی نہیں' جسمانی حالت بھی اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے بگڑنے لگی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ جو مختلف ممالک کے سربراہان کی طرف سے ٹیلی فون کا مسلسل سلسلہ شروع ہو گیا ہے اس سے کس طرح نمٹا جائے۔

وہ باری باری تمام سربراہان کو ایک ہی بات کہتے کہتے زچ ہو چکا تھا کہ جرمنی حکومت نے ماضی میں کبھی دہشت گردی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور مستقبل میں بھی ایسا نہیں ہوگا۔

''موساد'' نے جرمنی حکومت کو نچا کر رکھ دیا تھا۔

چانسلر کی حالت دیکھ کر مائیکل گاڈ کا خون کھولنے لگا تھا۔ اس نے دل میں تہیہ کر رکھا تھا کہ ''موساد'' کی اس اوچھی حرکت کا جواب ضرور دے گا خواہ اس کی کچھ ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔

O

بی بی سی ریڈیو سے جیسے ہی یہ خبر نشر ہوئی' ساری دنیا میں ہلچل مچ گئی۔

بریگیڈیئر شمیر کے لندن والے سورس نے کامیابی سے یہ اطلاع بی بی سی تک پہنچا کر اسے نشر بھی کروا دیا تھا۔

خبر نشر ہونے کی دیر تھی کہ ساری دنیا کا پریس بمبئی کی طرف اُمڈ پڑا۔ دنیا بھر کے اخباری نمائندے جو دہلی میں موجود تھے' دیوار وار بمبئی کی طرف بھاگنے لگے۔ دوسری طرف اغوا کاروں کی طرف سے دیئے گئے وقت کے چوبیس گھنٹے گزرنے کو تھے اور ابھی تک جرمن حکومت کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

ڈرامے کا ہر کردار ''را'' اور ''موساد'' کے طے شدہ منصوبے کے مطابق حرکت میں آ رہا تھا......!

کھیل ان کی توقعات کے عین مطابق کھیلا جا رہا تھا۔

بریگیڈیئر شمیر کے ایک ''معمولی'' ٹرک'' نے ساری دنیا کو نچا کر رکھ دیا تھا۔ جرمن جانتے تھے کہ اس مرحلے پر اگر وہ حقائق کا انکشاف کر بھی دیں گے تو کوئی ان کی بات پر کان نہیں دھرے گا۔ بلکہ امریکن حکومت تو خاص طور سے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے گی اور اسرائیل کے لئے پوری دنیا کی ہمدردیاں مزید بڑھ جائیں گی۔

مائیکل گاڈ کی طرف سے ایک آخری کوشش بھی کی گئی تھی کہ فلسطینی تنظیموں کے مختلف نمائندوں نے دنیا بھر میں اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کے دفاتر میں ٹیلی فون کر کے اغوا کاروں کے اس اقدام کی زبردست مذمت کی تھی اور کہا تھا کہ ان کا تعلق کسی فلسطینی مجاہدوں کی تنظیم سے نہیں ہے۔

لیکن......!

''موساد'' اس حملے سے غافل نہیں تھی......!

بریگیڈیئر شمیر جانتا تھا کہ ''بلیک ستمبر'' کے لیڈر کبھی اخباری رپورٹرز کے سامنے پیش ہو کر اپنی موت کو دعوت نہیں دیں گے۔

اس کے کارندوں نے اس سے پہلے ہی دنیا بھر کی اخباری ایجنسیوں کو ''بلیک ستمبر'' کے نمائندوں کے حوالے سے فون کر کے اس اقدام کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے جرمن حکومت کو فلسطینی قیدی نہ رہا کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دی تھیں۔

یوں بھی ساری دنیا کے ذرائع ابلاغ پر یہودی قابض تھے......!

قریباً تمام قابل ذکر اخبارات اور ایجنسیوں میں ان کے لوگ موجود تھے۔

''موساد'' کی ڈس انفارمیشن مہم اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی اور ساری دنیا کا پریس ان کی بجائی ہوئی ڈگڈگی پر ناچ رہا تھا۔

صیہونی درندوں نے چانکیائی خباثت کے ساتھ مل کر دنیا کے بہترین دماغوں کو ''بندر'' بنا کر رکھ دیا تھا۔

جرمن انٹیلی جنس کا سربراہ پل پل سے باخبر تھا۔

اس نے اپنی حکومت کو ''موساد'' کی ایک ایک چال سے آگاہ رکھا۔

لیکن......!

جرمن حکومت کچھ نہیں کر سکتی تھی سوائے اس کے کہ بے بسی سے اپنے لٹنے کا تماشہ دیکھتی رہے۔

O

بمبئی میں اغوا کاروں کو گھیرے میں لینے والی بھارتی سکیورٹی فورسز کے جلو میں موجود جرمن قونصل جنرل نے بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کے سربراہ تک اپنی حکومت کی یہ تجویز پہنچائی تھی کہ اگر وہ اجازت دیں تو جرمن کمانڈوز اپنے شہریوں کی رہائی کے لئے آپریشن کریں۔

لیکن......!

بھارتی حکومت نے یک جنبش قلم اس تجویز کو مسترد کر کے اسے جرمنی حکومت کے

بھارتی حکومت پر ''عدم اعتماد'' کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔

بھارتی وزیراعظم کو یہ اطلاع اپنے دورۂ یورپ کے درمیان ملی تھی۔ انہوں نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرانس میں کہا تھا کہ بھارتی حکومت کبھی اغوا کاروں کے آگے نہیں جھکے گی کیونکہ وہ دہشت گردی کی کسی سطح پر حمایت نہیں کر سکتے۔

انہوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ''بلیک ستمبر'' کا کوئی مطالبہ قبول نہ کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ملک کی سکیورٹی فورسز کو حکم دیا تھا کہ اغوا کاروں کے ساتھ ''آہنی ہاتھوں'' سے نمٹا جائے۔

ہنگامی حالات میں انہوں نے اپنا دورہ ملتوی کر کے فوراً بھارت واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔

ان اقدامات پر بھارتی وزیراعظم کو ساری دنیا کے پریس خصوصاً یہودی پریس نے زبردست خراج تحسین پیش کیا تھا اور دنیا بھر کی حکومتوں نے بھارتی وزیراعظم کی کامیابی کی دعا کی تھی۔

O

جرمن قونصل جنرل نے اغوا کاروں کا فون خود موصول کیا تھا۔

اغوا کاروں کا لیڈر اس سے بات کر رہا تھا۔ 30 گھنٹے گزر گئے تھے اور ان کے الٹی میٹم میں صرف اٹھارہ گھنٹے باقی تھے۔ اغوا کاروں کے لیڈر نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ خبر پریس تک کس نے پہنچائی ہے۔ اس نے جرمن قونصل جنرل سے کہا تھا کہ اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور اب وہ اس کی کسی بات پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے دونوں سفارت کاروں کو گولی مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن......!

امریش پوری اور جرمن قونصل جنرل کی منت سماجت کے بعد انہوں نے فی الوقت اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اچانک ہی تھوڑی دیر بعد ان کا فون دوبارہ آ گیا۔ اس مرتبہ انہوں نے فوراً ہوائی اڈے تک جانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے ایک ویگن مانگی تھی جس میں سوار ہو کر وہ لوگ یرغمالیوں

سمیت ہوائی اڈے پر جاتے جہاں ''جہاز'' تیار ہونا چاہیے تھا جس میں بیٹھ کر وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

جرمن قونصل جنرل کے بار بار درخواست کرنے پر بھی انہوں نے اپنی منزل بتانے سے انکار کر دیا تھا۔

فون کے دوسرے حصے پر موجود امریش پوری نے جرمن قونصلیٹ کو آنکھ کے اشارے سے کہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو ہاں کہہ دے۔ اس نے اشارتاً سمجھایا تھا کہ مکان سے ایک مرتبہ باہر آنے پر وہ لوگ انہیں آسانی سے قابو کر سکتے ہیں۔

''ٹھیک ہے تھوڑی دیر میں ویگن پہنچ جائے گی'' جرمن قونصل جنرل نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ویگن واقعی تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچا دی گئی۔

امریش پوری نے جرمن قونصل جنرل کو اعتماد میں لے کر بتایا تھا کہ ان لوگوں نے ویگن میں بے ہوش کرنے والی گیس نصب کر دی ہے جو آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھائے گی۔ جس کے بعد وہ ان لوگوں پر قابو پا لیں گے۔ ابھی تک چونکہ بیچارے جرمن قونصل جنرل کو حقائق کا علم نہیں ہوا تھا اس لئے وہ بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔

O

جگدیش نے ویگن کے ڈرائیور کو واپس بھگا دیا تھا۔

وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ساتھی حوصلہ ہار رہے ہیں۔ ''را'' والوں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ کس موڑ پر انہیں دونوں جرمن سفارت کاروں کو ہلاک کرنے کے بعد ویگن چھوڑ کر فرار ہونا ہے۔

ان قربانی کے بکروں کو بتایا گیا تھا کہ وہاں ان کے فرار کا سارا بندوبست موجود ہے اور ''را'' کے لوگ کاروں اور موٹر سائیکلوں سمیت ان کے منتظر ہوں گے۔

جگدیش کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہے وہ اس ''ڈرامے'' کا ڈراپ سین کر دیں۔ اس کے ساتھیوں کے اعصاب جواب دینے لگے تھے!

ویگن کے مکان سے برآمد ہونے کی تصاویر طاقتور لینز کے ساتھ کئی فوٹوگرافروں نے

کھینچی تھیں لیکن اغوا کاروں کا چہرہ کوئی نہ دیکھ سکا۔

طے شدہ پلان اور راستے پر انہوں نے سفر شروع کیا۔

اغوا کاروں نے کسی کو تعاقب کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا لیکن ''را'' نے ہوائی اڈے کی طرف جانے والے راستے پر اپنے ''بلیک کیٹس'' کمانڈو چھپا رکھے تھے۔ ایک مخصوص جگہ جسے ''را'' نے آپریشن کے لئے مخصوص کیا تھا' کے نزدیک ایک بلڈنگ پر ''را'' کا سربراہ امریش پوری اور جرمن قونصل جنرل دیگر اعلیٰ حکام اور غیر ملکی سفیروں کے ساتھ آنکھوں سے دوربین لگائے کھڑے تھے کہ خونی ڈرامہ شروع ہو گیا۔

انہوں نے اچانک ویگن کو رکتے دیکھا۔

جگدیش نے اس جگہ پہنچ کر دونوں سفارت کاروں کی کنپٹیوں پر گولیاں مار کر انہیں چند سیکنڈ میں مار ڈالا تھا اور اب اپنے خوفزدہ اور بدحواس ساتھیوں کے ساتھ اچانک یہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔

ویگن کو اچانک رکتے دیکھ کر جرمن قونصل جنرل کو اپنا سانس بھی رکتا ہوا محسوس ہوا۔

جیسے ہی ویگن رکی وہاں چھپے ''بلیک کیٹس'' نے ان پر دھاوا بول دیا۔

ڈرامے کا یہ حصہ چونکہ جگدیش کو نہیں بتایا گیا تھا۔ اس گدھے کا رول یہاں ختم ہو جاتا تھا' باقی سب کچھ اصلی تھا جو اس کے ساتھ ہونے جا رہا تھا۔ جب اس نے فائرنگ کرتے ''بلیک کیٹس'' کو اپنی طرف فائرنگ کر کے بھاگتے دیکھا تو چاہا کہ ان بیوقوفوں کو سمجھائے۔

لیکن......

یہ ''بیوقوف'' شاید بہرے تھے۔

انہوں نے اپنی ''اوزی'' گنوں سے ان پر شعلے برسانے شروع کر دیئے۔

جگدیش اور اس کے ساتھیوں نے حواس باختہ ہو کر ان کی طرف اپنے پستولوں سے گولیاں چلائیں۔

لیکن......

انہیں اگلے سانس کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ درجنوں گولیاں ان کے خوفزدہ جسموں میں اتر گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

''بلیک کیٹس'' کے تعاقب میں جب اپنے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ جرمن قونصل جنرل وہاں پہنچا تو ایک بھی زندہ شخص حقائق بتانے کے لئے وہاں موجود نہیں تھا۔ اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

☆☆☆

آئی ایس آئی

ساری دنیا کا پریس لاشوں پر اُمڈ پڑا۔

بھارتی سکیورٹی فورسز نے انہیں لاشوں کی تصاویر اتارنے کے لئے ہر ممکن سہولت فراہم کی تھی۔ ان کی ناز برداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

بھارتی اعلیٰ حکام جرمن قونصل جنرل کے ساتھ اپنے دکھ کے جذبات شیئر کر رہے تھے اور "مقتولین" کی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیجی جا رہی تھیں۔

اگلے روز جو پوسٹ مارٹم رپورٹ شائع ہوئی اس میں بتایا گیا کہ دونوں سفارت کاروں کی موت اغوا کاروں کی گولیوں سے واقع ہوئی جو انہوں نے پستولوں سے چلائی تھیں جبکہ پانچوں اغوا کار فائرنگ کے تبادلے میں مارے گئے۔

جامہ تلاشی پر ان کی جیبوں سے زہریلے کیپسول اور اپنی تنظیم کے ثبوت کے شواہد بھی برامد ہوئے تھے۔ جو فی الوقت "صیغہ راز" میں رکھے جا رہے تھے۔ کیونکہ بھارتی حکام کو ان کے ساتھیوں اور بھارت میں ان کے مددگاروں کی تلاش کرنا تھی۔

اس کے ساتھ ہی ایک وضاحتی بیان بھارتی وزارت خارجہ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ جس میں بتایا گیا کہ بھارتی سکیورٹی فورسز نے اغوا کاروں پر قابو پانے کے لئے بہترین ممکنہ اقدامات کئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اغوا کاروں نے دھمکی دی تھی کہ اگر ان کے ساتھیوں کی رہائی سے پہلے ان کی شناخت ظاہر کی گئی تو وہ یرغمالیوں کو مار ڈالیں گے۔ افسوس یہ خبر کسی طرح عالمی پریس کو ہوگئی جس نے حالات کی سنگینی کا احساس کئے بغیر خبر جاری کر کے اغوا کاروں کو مشتعل کر دیا۔

اغوا کاروں نے اپنی روایات پر عمل کیا کیونکہ "بلیک ستمبر" کے اغوا کار اپنی "سفاکی" کے

لئے عالمی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ دونوں سفارت کاروں کو مار کر کسی موڑ پر اچانک اتر کر بھاگ جائیں گے۔ انہوں نے بطور خاص اس بات کی ہدایت کی تھی کہ ٹریفک جوں کی توں چلتی رہے؛ جس کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہ بھیڑ میں غائب ہونا چاہتے تھے۔

ان کے خطرناک عزائم کو سمجھتے ہوئے راستے میں فرار کے جتنے بھی ممکنہ پوائنٹس ہو سکتے تھے ان پر بھارتی کمانڈوز کو چھپایا گیا تھا۔ دوسری طرف ویگن میں نامحسوس انداز میں بے ہوش کرنے والا گیجٹ بھی چھپایا گیا تھا جو کام نہیں کر سکا یا اس سے پہلے ہی اغوا کاروں نے اپنے گھناؤنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے مخصوص جگہ پر پہنچتے ہی اچانک سفارت کاروں کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا اور بھاگنے کی کوشش کی۔

O

جب سکیورٹی فورسز کے جوانوں نے انہیں زندہ پکڑنے کے لئے حملہ کیا تو ان پر گولیاں چلائی گئیں جس پر بادل نخواستہ انہیں جوابی فائرنگ کر کے اغوا کاروں کو ہلاک کرنا پڑا۔ شاید ان لوگوں نے زندہ گرفتاری نہ دینے کا ارادہ کر رکھا تھا کیونکہ ان سے "زہریلے کیپسول" بھی برآمد ہوئے تھے۔

بیان کے آخر میں جرمن حکومت کے دو معزز شہریوں کی ہلاکت پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا گیا تھا جب کہ اغوا کاروں کی اس بزدلانہ کارروائی کی زبردست مذمت کرتے ہوئے ساری دنیا سے اپیل کی گئی تھی کہ دہشت گردی کے خلاف منظم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی بتایا گیا تھا کہ مرنے والوں سے کچھ ایسے شواہد برآمد ہوئے؛ جن سے بھارت میں موجود ان کے "مددگاروں" کی گرفتاری میں مدد مل سکتی ہے۔ بہت جلد بھارتی حکومت اس سازش کی مکمل تفصیلات کا پتہ چلا لے گی۔

اسرائیلی حکومت نے "بلیک ستمبر" کی اس وحشیانہ کارروائی کی زبردست مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ جرمنی حکومت کے ماضی میں ہائی جیکروں کے تئیں نرم رویئے نے ہی "بلیک ستمبر" کا حوصلہ بڑھایا ہے اور اسے دوسری دہشت گردی پر آمادہ کیا۔

بیان کے آخر میں ساری دنیا سے اپیل کی گئی تھی کہ فلسطینیوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف عالمی سطح پر مشترکہ کارروائی کی جائے۔

اس بیان نے مائیکل گاڈ کو تلملا کر رکھ دیا تھا۔

لیکن......

فی الوقت اس کے پاس سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ جانتا تھا "موساد" ایک تیر سے کئی شکار کھیلے گی اور اب تو گیند "را" کے کورٹ میں آ گیا تھا۔

اس نے فی الحال دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"بلیک ستمبر" کی طرف سے ایک مرتبہ پھر اس بزدلانہ ایکشن کی مذمت کی تھی اور "موساد" پر الزام عائد کیا گیا تھا کہ اس نے فلسطینیوں کو بدنام کرنے اور جرمنوں کو سزا دینے کے لئے بھارتی انٹیلی جنس "را" کے ساتھ مل کر جو خونی ڈرامہ رچایا ہے اس کا مثبت جواب وہ بہت جلد "موساد" کو دیں گے۔

اس بیان میں بھارتی انٹیلی جنس کو وارننگ دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اس نے جنگ کی ابتدا کر دی ہے اور اب وہ بھی میدان جنگ کی فریق بن چکی ہے۔

اس واقعے کے ساتھ ہی دنیا بھر کے مؤثر اخبارات میں ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا اور اغوا کاروں کے ڈانڈے پاکستان سے ملانے کی کوشش کی گئی۔

یہ اس سمت اشارہ تھا کہ اب بھارتی حکام لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کرنے جا رہے ہیں۔

عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لئے انہیں یہودی میڈیا کا مکمل تعاون میسر تھا۔

اور......

دوسری طرف "موساد" پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کے اس سنہری موقعے سے فائدہ اٹھانے کے لئے "را" کا ہر ممکن ساتھ دے رہی تھی۔

O

آج امریش پوری نے پہلی مرتبہ شدت سے "موساد" کی ضرورت محسوس کی تھی۔

پاکستان کے اعلیٰ سرکاری اور سول حلقوں میں موجود اس کے "سورس" کی اطلاعات کے مطابق اگلے یوم استقلال کی پریڈ پاکستانی فوج اس ایٹم بردار میزائل کا مظاہرہ کرنے جا رہی تھی جو پاکستانی سائنس دانوں نے اپنی محنت سے تیار کیا تھا۔

امریش پوری جانتا تھا کہ اس میزائل کی نمائش کے بعد اسے ملکی سطح پر کس ذلت کا سامنا کرنا ہوگا کیونکہ اس نے وزیراعظم کی مقرر کردہ سکیورٹی کونسل کو یقین دہانی کروا رکھی تھی کہ بھارتی انٹیلی جنس بیورو نے پاکستان میں ایٹمی میزائل کی تیاری کی جو اطلاع پہنچائی ہے وہ غلط ہے۔ اسے یقین تھا کہ کینیڈا کے ایک پاکستانی نژاد تاجر کو "ایٹمی سوئچوں" کی سمگلنگ میں پھنسا کر گویا اس نے پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہی فیل کر دیا۔

لیکن......

وہ احمقوں کی جنت میں رہتا تھا۔

اس نے "کے جی بی" میں موجود اپنے دوستوں کی اس وارننگ کو بھی درخور اعتنا نہیں جانا تھا کہ "آئی ایس آئی" کو کبھی انڈر اسٹیمیٹ نہ کرنا۔

مارشل سخاروف نے لینن گراڈ میں موجود "کے جی بی" کے ہیڈ کوارٹر میں اس کا استقبال کرتے ہوئے "ووڈکا" کا جام ٹکرایا تو اسے ایک کونے میں لے جا کر کہا تھا کہ "جنرل خان" نے انہیں افغانستان میں ننگی کا ناچ نچا کر رکھ دیا ہے۔ اس نے امریش پوری کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا۔

"کامریڈ! سی آئی اے خود کو اس کے سامنے بے بس سمجھتی ہے۔ یہ بہت مضبوط شخص ہے ہمیشہ اس پر کڑی نظر رکھنا۔ انتہائی کم وسائل کے باوجود وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں کچھ کر گزرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔"

"ہونہہ......" امریش پوری نے حقارت سے منہ موڑتے ہوئے کہا۔ "کامریڈ مارشل سخاروف ہمارا تجربہ ذرا مختلف ہے۔ میں نے 1971ء میں ان کے دانت دیکھ اور گن لئے تھے اور ہر شخص اپنے تجربے کے حوالے سے ہی کوئی رائے قائم کرتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے زوردار قہقہہ بلند کیا تھا۔

با دل نخواستہ مارشل سخاروف کو اس کے قہقہے میں ساتھ دینا پڑا۔ دل ہی دل میں وہ امریش پوری کی اس حالت پر ترس کھا رہا تھا۔

شاید وہ مارشل سخاروف کی بات کو اہمیت دیتا لیکن حال ہی میں اس نے کینیڈا میں پاکستانی انٹیلی جنس کو نیچا دکھا کر خاصی واہ واہ اور داد وصول کی تھی۔

O

اسے تین ماہ پہلے "وینکور" کے بھارتی ہائی کمیشن میں موجود "را" کے خصوصی سورس نے اطلاع دی تھی کہ ایک پاکستانی نژاد تاجر وسیم اقبال جو وینکور میں الیکٹرانکس کا کاروبار کرتا ہے، دراصل پاکستانی انٹیلی جنس کے لئے کوئی بڑا کام کرنے جا رہا ہے۔

اس کے چند روز بعد کی اطلاع تو اتنی اہم اور خطرناک تھی کہ امریش پوری کو تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر خود میدان میں اترنا پڑا۔

وہ ایک سفارت کار کے روپ میں وینکور پہنچا تھا۔ ہائی کمیشن میں اس نے ڈیرا جما کر خود ایک آپریشن ترتیب دیا تھا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ معمولی سی کوتاہی سے پاکستان انٹیلی جنس کوئی بڑی کامیابی حاصل کر لے۔

کینیڈین آر سی ایم پی اور امریکن ایف بی آئی کو اس نے بڑے غیر محسوس انداز میں "ٹپ" دے کر وسیم اقبال نامی اس تاجر کے پیچھے لگایا تھا۔

جس روز وسیم اقبال کو گرفتار کیا گیا اور امریکن ایف بی آئی نے اس شک کے تحت اسے پکڑا کہ وہ کچھ ایٹمی پرزہ جات سمگل کر کے پاکستان پہنچانا چاہتا تھا۔

اسی روز امریش پوری کے اعزاز میں وینکور کے بھارتی ہائی کمیشن نے جشن برپا کر رکھا تھا۔

لیکن......!

حیرانی انہیں اس بات پر تھی کہ تیسرے ہی روز وسیم اقبال ضمانت پر رہا ہو گیا۔

حیرت کی بات اس کی ضمانت پر رہائی نہیں تھی۔ وہ معزز کینیڈین شہری تھا۔ اپنے علاقے میں خاصے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ گو کہ وہ امریکہ میں گرفتار ہوا لیکن امریکی بھی جانتے تھے کہ وہ بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا۔

پریشان کن بات تو یہ تھی کہ اس سے کچھ برآمد نہیں ہوا تھا۔

O

تین چار روز بعد ایف بی آئی کو احساس ہوا کہ ان لوگوں کو "ڈس انفارمیشن" کے ذریعے بے وقوف بنایا گیا ہے۔

جب کینیڈین آر سی ایم پی نے اپنے اس بھارتی "سورس" کو پکڑا جو دراصل "را" کا ایجنٹ تھا اور اس کی طرف سے ملنے والی مسلسل اطلاعات کا تجزیہ کیا تو وہ لوگ اپنا سر پیٹ کر رہ گئے۔

وسیم اقبال نے بڑی آسانی سے امریکن، کینیڈین اور بھارتی انٹیلی جنس کو بے وقوف بنا لیا تھا۔ "آر سی ایم پی" والوں کو جلد ہی علم ہو گیا کہ ان کا مخبر جو اطلاعات ان تک پہنچاتا تھا وہ دراصل وہی اطلاعات ہوتی تھیں جو وسیم اقبال چاہتا تھا کہ ان تک پہنچ جائیں۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے "را" کے مخبر کو جو اس کے دوست کے روپ میں اس سے چمٹا ہوا تھا، اپنے متعلق غلط فہمی کا شکار بنایا۔

اسے بڑے معصومانہ طریقے سے یقین دلاتا رہا کہ جیسے وہ واقعی پاکستان کے لئے بہت ضروری ایٹمی سامان خرید کر سمگل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب مخبر نے یہ خبر اپنے اصلی مالکان یعنی بھارتی ہائی کمیشن میں موجود "را" کے خصوصی سیل تک پہنچائی تو وہ خوشی سے اچھل پڑے اور "را" کا ڈائریکٹر پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے براہ راست میدان میں اتر آیا تھا۔

جب "جشن فتح" کا نشہ اترا تو امریش پوری کو احساس ہوا کہ دراصل وہ اس خطہ زمین پر سب سے بڑا گدھا ہے اور جتنی آسانی سے وہ بیوقوف بنا ہے شاید ہی اور کوئی انٹیلی جنس کمیونٹی کا آدمی بنا ہو گا۔

تین دن تک وسیم اقبال نے ایف بی آئی کو الجھائے رکھا۔

O

تیسرے روز جب وہ لوگ اسے لے کر "وینکور" پہنچے اور اس لکڑی کے بکس کو کھول کر دیکھا جس میں ان کے مخبر کی اطلاعات کے مطابق ایٹمی سوئچ موجود ہیں، تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں معمولی قسم کا بجلی کا سامان تھا۔ ایسا سامان جرمنی سے عموماً وسیم اقبال امپورٹ کرتا رہتا تھا۔

اس بات کا علم تو بھارت پہنچنے کے بعد امریش پوری کو ہوا کہ دراصل پاکستانی انٹیلی جنس نے اس کے سامنے وسیم اقبال کا "چارہ" ڈال کر اسے بے وقوف بنایا تھا۔

"ایف بی آئی" "را" اور "آر سی ایم پی" والے وسیم اقبال کے پیچھے لگے رہے اور وہ

دانستہ اپنے خلاف فضا مشکوک بناتا رہا۔

جب کہ

دوسری طرف پاکستانی انٹیلی جنس کے لوگوں نے بڑی آسانی سے اپنا کام کر لیا تھا اور ان کی ناک کے نیچے اپنا کام کر کے باآسانی نکل گئے تھے۔

"آئی ایس آئی" کی طرف سے امریش پوری کے منہ پر یہ پہلا بھرپور طمانچہ تھا۔

اس کا تو دماغ ہی گھوم کر رہ گیا۔

اس روز جب سی بی آئی کی طرف سے سکیورٹی کونسل کے چیئرمین کو مصدقہ اطلاع مل گئی کہ پاکستانی فوج کی طرف سے ایٹمی وار ہیڈ والے میزائل کا مظاہرہ ہونے جا رہا ہے اور امریش پوری کو چیئرمین نے اپنی تشویش سے آگاہ کیا تو اسے پہلی مرتبہ مارشل سخاروف کی بات یاد آ گئی جس نے کہا تھا کہ "آئی ایس آئی" کو کبھی انڈر ایسٹیمیٹ نہ کرنا۔

23 مارچ کی وہ سالانہ پریڈ امریش پوری کے لئے سانحہ بن کر گزری تھی جس میں پاکستانی فوج کے انجینئرز نے بڑے فخر سے میزائل پیش کیا۔

خصوصی سیٹلائٹ کے ذریعے دہلی میں واقع "را" کے ہیڈ کوارٹر میں پاکستانی ٹی وی پر چلنے والی فلم دکھائی جا رہی تھی اور شرم سے امریش پوری کو اپنا آپ چھوٹا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

پھر یہ شرم غصے میں تبدیل ہونے لگی۔

فلم کے خاتمے پر وہ مٹھیاں بھینچتا ہوا اپنی سیٹ سے اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔ اس کے ساتھی دیکھ رہے تھے کہ اس کا "باس" بہت پریشان ہے لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اس کی پریشانی کا سدباب کر سکیں۔

اس چوٹ سے امریش پوری پوری طرح تلملا کر رہ گیا تھا۔

اس کے بعد سے اس نے پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کو نقصان پہنچانا ہی اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا اور اس ضمن میں "موساد" کے تعاون سے مقبوضہ کشمیر کے ایک سرحدی علاقے میں اپنا مشترکہ ہیڈ کوارٹر بنا کر اس گھناؤنے منصوبے پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

O

آج "را" کا ڈائریکٹر امریش پوری پاکستانی انٹیلی جنس سے اپنی ہزیمت کا بدلہ

لینے جا رہا تھا۔

اس نے "موساد" کی مدد سے جو ڈرامہ رچایا تھا اور اپنے پانچ شہریوں کی جان کی بلی دے کر اپنے یہودی دوستوں کو خوش کیا تھا اب وہ اس خونی ڈرامے کے ڈانڈے پاکستانی انٹیلی جنس سے ملانے جا رہا تھا۔

لوہا گرم تھا......

ساری دنیا میں اس بہیمانہ حرکت کے خلاف غم و غصہ موجود تھا اور اس جذباتی فضا میں اگر وہ کچھ کر گزرتا' کسی بھی طرح پاکستان کو گھسیٹ لاتا تو ایک طوفان پاکستان کے خلاف کھڑا کر سکتا تھا۔ دو شیطان مل کر پاکستان کے خلاف سازش کرنے جا رہے تھے۔

آج اس نے علی الصبح دفتر میں داخل ہوتے ہی' پاکستانی ڈیسک' انچارج کرنل دناش کو طلب کیا تھا۔

چار گھنٹے وہ بند کمرے میں کرنل دناش کے ساتھ مصروف گفتگو رہا۔ اس دوران کرنل دناش نے اسے انتہائی تفصیل سے بتایا تھا کہ پاکستان کے کس کس حصے میں انہوں نے شر پھیلا رکھا ہے اور وہ مزید کیا کرنے جا رہے ہیں؟

اس نے "را" کے پاکستان میں تخریب کاری کے بھیانک عزائم سے امریش پوری کو تفصیلاً آگاہ کیا تھا۔

پاکستان میں کام کرنے والے "را" کے ایجنٹوں کی تصاویر' سرگرمیاں' ٹارگٹ سب اس کے سامنے تھے۔

"فرزانہ کیسی جا رہی ہے؟" اچانک ہی جیسے امریش پوری کو کچھ یاد آ گیا۔

"سر! ویل ڈن' ایک دم شاندار۔ اس نے تو پاکستان میں بڑی مضبوطی سے قدم جما رکھے ہیں۔"

"ٹھیک ہے!"

امریش پوری نے اپنی شہادت کی انگلی اس کی تصویر پر جماتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد اس نے تفصیلاً کرنل دناش کو اپنے پلان سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو تازہ احکامات کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

"آج ہی اپنا کام شروع کرو۔ مجھے جلد از جلد بہترین رزلٹ چاہئے۔ گڈ لک۔"

امریش پوری، کرنل دناش کو اپنے آفس کے باہر تک رخصت کرنے آیا تھا۔

O

"تازہ احکامات" فرزانہ تک پہنچ گئے تھے۔

فرزانہ اس کا اصلی نام نہیں تھا۔

اس کا اصل نام کیا تھا؟

فرزانہ کو اب یاد نہیں رہا تھا۔ زندگی نے اسے ہمیشہ گیند بنائے رکھا۔ کبھی اس کورٹ میں اور کبھی اس کورٹ میں۔

اس نے کرسچین گھرانے میں آنکھ کھولی۔ شعور حاصل کرنے کے بعد اسے علم ہوا کہ اس کا باپ ہندو تھا جس نے ایک اینگلو انڈین عورت سے شادی کرنے کے لئے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ مذہب کی تبدیلی کے ساتھ اس کے باپ کی شہریت بھی بدل گئی۔ کیونکہ اس کی ماں برطانوی شہری بن چکی تھی اور شاید اس کے باپ نے اس کی ماں پر ڈورے بھی اسی لئے ڈالے تھے کہ وہ برطانوی شہری بن سکے۔

اس کا باپ بھارتی پولیس میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور ٹریننگ کورس پر لندن آیا تھا کہ اس کی ماں کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے نوکری اور بھارت دونوں پر لات مار دی۔ کچھ عرصہ تو وہ اپنی نو بیاہتا کے ساتھ گل چھرے اڑاتا رہا۔ اس دوران اس کے رابطے پھر بھارت سے بحال ہوئے اور جب عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد عشق کا بخار اترنے لگا تو اسے یاد آ گیا کہ وہ تو براہمن خاندان کا سپوت ہے۔

اس دوران اس کے ہاں بیٹی پیدا ہو چکی تھی۔

بیٹی کا نام اس کی ماں کی ایک مسلمان سہیلی نے رکھا تھا۔ فرزانہ کے باپ نے اپنے "پاپ کا پراچیت" کرنے کی یہی ترکیب نکالی کہ بھارتی انٹیلی جنس کا ٹاؤٹ بن گیا۔

سابق پولیس آفیسر ہونے کے ناطے اسے بھارتی پولیس اور سکیورٹی کے ابتدائی ڈھانچے سے متعلق خاصی معلومات حاصل تھیں اور اس کی یہی خصوصیت "را" کو بھا گئی۔

71ء میں "را" نے اسے ڈھاکہ بھیجا۔

اپنی پانچ سالہ بچی اور بیوی کے ساتھ اس نے ڈھاکہ میں ڈیرے جما لئے۔ برطانوی شہریت ہونے کے ناطے اسے ہر ممکن سہولت حاصل تھی جبکہ جان کی حفاظت کی ذمہ داری اسے کوئی حکومت یا ایجنسی نہیں دے سکتی تھی۔

لیکن.....

اصل میں وہ "مکتی باہنی" اور بھارتی انٹیلی جنس "را" کے درمیان رابطے کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ بیوی اس سے بھی زیادہ ایڈونچرس طبیعت کی مالک تھی۔ اس طرح بیٹھے بٹھائے انہیں اتنے زیادہ پیسے مل جاتے تھے کہ اس نے اپنے آبائی پیشے نرسنگ پر لعنت بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

فرزانہ کے باپ کی یہ بدقسمتی تھی کہ ایک روز وہ اپنوں کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔

اس روز ایک خفیہ مشن پر جانے والا اس کا باپ مکتی باہنی کے گروپوں کے درمیان غلط فہمی سے ہونے والی فائرنگ کی بھینٹ چڑھ گیا۔

اس کی لاش پاکستانی حکام نے ہوٹل تک پہنچا دی تھی۔

فرزانہ کی ماں نے اس لاش سے کیا لینا دینا تھا۔ اس نے برائے نام مگرمچھ کے آنسو بہائے اور برطانوی ہائی کمیشن کی مدد سے لاش کو وہیں ٹھکانے لگا کر واپس لندن آ گئی۔

"را" سے اس خاندان کی دوستی پھر کبھی نہ ٹوٹی۔

O

ہر چڑھنے والا سورج اس میں ایک نئی گانٹھ لگاتا رہا۔ "را" نے اپنے خزانے فرزانہ کی ماں پر کھول دیئے تھے۔

جو بھی کیس آفیسر لندن آتا اس کی زلف گرہ گیر میں پھنس کر رہ جاتا۔ اینگلو انڈین فرزانہ کی ماں کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی تمنا کوئی بھی مرد کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے جسم کو کبھی اپنا نہیں جانا تھا۔

اسے صرف دولت سے غرض تھی۔ اس کے عوض وہ سب کچھ کرنے پر تیار تھی اور اس نے کیا بھی۔

"را" کی وہ لندن میں بہترین مخبر تھی۔ کسی بھی بھارتی یا غیر بھارتی باشندے سے جنسی

تعلقات قائم کر کے مطلوبہ معلومات حاصل کر لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا......!

یہ تھی وہ فضا جس میں فرزانہ پل کر جوان ہوئی۔

جب اس نے شعور سنبھالا تو سب سے پہلے اپنے نام پر اعتراض کیا۔

لیکن......

یہ اعتراض کبھی شدید احتجاج کی صورت اختیار نہیں کر سکا۔ شاید اسی لئے اس کی ماں نے بھی زیادہ پرواہ نہیں کی۔ گھر میں اسے دوسرے نام سے پکارنے لگی۔ یہ نام چونکہ اس کے آنجہانی باپ نے پیدائش کے وقت لکھوا دیا تھا۔ لہٰذا اس کے پاسپورٹ پر بھی درج تھا۔

یوں بھی ''را'' کے سیانوں نے اپنے مستقبل کی اس ایجنٹ کا اسلامی نام غنیمت جانا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس بچی کے تیور ہی بڑے خطرناک ہیں اور یہ اپنے والدین سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہی نکلے گی۔

فرزانہ آگے کیا نکلی کہ پھر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

خدا جانے اس کی فطرت میں کیا سمائی تھی۔ اسے سرزمین ایشیا سے عشق تھا اور اس کمزوری کا فائدہ ''را'' سے زیادہ کون اٹھا سکتا تھا۔

انہوں نے فرزانہ کو جاپان' کوریا' ہانگ کانگ' مڈل ایسٹ اور بھارت میں بھی خوب استعمال کیا۔

شاید وہ پیدائشی جاسوس تھی۔ وہ ایسے کام کر کے بہت خوش ہوا کرتی۔

اب اسے خصوصی مشن پر پاکستان بھیجا گیا تھا۔

O

پاکستان میں وہ ایک ریسرچ سکالر کی حیثیت سے داخل ہوئی تھی۔ برطانوی پاسپورٹ اور برطانیہ ہی کی پیدائش ہونے کے سبب پاکستانی انٹیلی جنس نے اس کی سرگرمیوں کا کبھی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

اس نے نوجوانوں کے ایک ہوسٹل میں قیام کیا ہوا تھا۔ اس ہوسٹل میں عموماً نوکری پیشہ اور اکیلی عورتیں قیام کرتی تھیں۔ سب یہی جانتے تھے کہ فرزانہ پاکستان کے ذہنی طرز معاشرت پر ریسرچ کر رہی ہے۔ اسے اردو زبان پر مکمل عبور حاصل تھا' اس لئے اس کا حلقہ احباب بہت وسیع

تھا۔

آزاد خیال لڑکی ہونے کے ناطے اس کا مخصوص محافل میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یوں تو کسی کو اس کے غیر مسلم ہونے پر شک ہی نہیں گزرتا تھا۔ اگر کبھی کسی کے دل میں کوئی ایسا خیال آتا تو فرزانہ اسے ڈانٹ دیتی اور خود کو لادین کہہ کر بات کا رخ بدل دیتی۔

اس نے پاکستان کے اس بڑے شہر میں رہنے والے اعلیٰ سرکاری حکام کی محفلوں تک رسائی بڑے نامحسوس انداز میں حاصل کی تھی۔ یونیورسٹی کی بڑی بڑی تقاریب کی آڑ میں اپنے کام کے بندے تلاش کر لیتی۔ ایک مرتبہ ''گھر آنے کی دعوت'' اسے ہر کوئی دے دیتا تھا۔

اور اس نے کبھی کسی کی دعوت کو ٹھکرایا نہیں۔

اپنے سانولے جسم کی مختلف انداز میں نمائش کر کے وہ جنس زدہ ہوس کے مارے سرکاری ملازمین کے نزدیک ہو جاتی اور بڑے آرام سے اپنا کام چلا رہی تھی۔

O

میجر اکرم سے اس کی ملاقات حادثاتی تھی۔

دونوں ایک مخلوط پارٹی میں ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔ میجر اکرم بڑا ابزنس مین تھا۔

اس کی عمر تو چالیس سال کے قریب تھی لیکن عزائم بیس سالہ جوانوں والے تھے۔ یہ شاید پہلا پاکستانی مرد تھا جس نے فرزانہ کو کسی اور حوالے سے بھی متاثر کیا تھا۔ دونوں کی دوستی اب ''محبت'' میں بدلنے لگی تھی۔

حیرت تھی کہ میجر اکرم ابھی تک کنوارہ تھا۔

ایک روز جب فرزانہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''شاید مجھے تمہارا ہی انتظار رہا ہو۔''

اس کی ایسی ہی باتیں فرزانہ کو متاثر کرتی تھیں۔

دونوں اکثر اکٹھے پائے جاتے تھے اور اب وہ اپنے کئی دوستوں سے میجر اکرم کا تعارف کروانے لگی تھی۔

اسے کبھی اس بات کا اندازہ نہ ہو سکا کہ جن لوگوں سے میجر اکرم کی ملاقات اس کے

ذریعے ہوتی تھی ان پر "نگران آنکھوں" کا مستقل پہرہ بیٹھ جاتا تھا......!

جس روز اس نے بھارتی سفارت خانے کی ایک تقریب میں میجر اکرم کے ساتھ شمولیت کی' اس روز تو اکرم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ فرزانہ نے اسے بتایا تھا کہ مقامی تھرڈ سیکرٹری اس کے آنجہانی باپ کا گہرا دوست تھا اور لندن میں ان کے گھر اس شخص کا آنا جانا اکثر لگا رہتا تھا۔

تھرڈ سیکرٹری نے بھی کھلے ماتھے سے ان کا استقبال کیا۔ وہ فرزانہ کو اپنے دوست کی بیٹی کی حیثیت سے بہت عزیز جانتا تھا۔

میجر اکرم کی جہاندیدہ نگاہوں نے یہاں بہت کچھ محسوس کر لیا تھا۔ اس کا پہلا ہی دورہ خاصا کامیاب رہا تھا۔

اس روز جب دونوں میجر اکرم کے شاندار بنگلے کے ایک کمرے میں بیٹھے تھے اور فرزانہ حسب عادت بیئر سے دل بہلا رہی تھی تو پہلی مرتبہ میجر اکرم نے اسے حیران کیا تھا۔ میجر اکرم نے باتوں باتوں میں اچانک سیاست پر بات کرتے ہوئے فوج کے حوالے سے خاصی نفرت کا اظہار کیا تھا اور بتایا تھا کہ اس نے فوج کی دس سالہ نوکری باول نخواستہ ہی کی ہے اور بڑی مشکل سے اپنی جان چھڑائی۔

اس نے پاکستان کی ایک ایسی سیاسی پارٹی کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا جو "را" کی "گڈ بکس" میں موجود تھی۔

بظاہر مدہوش ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے ایسی ذومعنی سی باتیں کی تھیں کہ اب فرزانہ کو اس کے سامنے کھلنا ہی پڑا۔

وہ ایسا "موٹا شکار" ہاتھ سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اگر وہ میجر اکرم پر قابو پا لیتی تو اپنے لوگوں کی نظروں میں اس کا وقار اور زیادہ بڑھ جاتا۔

اگلی آٹھ دس ملاقاتوں میں اس نے نامحسوس انداز میں میجر اکرم کو یقین دلا دیا کہ اگر وہ چاہے تو فرزانہ اس کا رابطہ بھارتی حکام سے کروا سکتی ہے اور اس سے پہلے بھی وہ کئی دوستوں کے کام آ چکی ہے۔

○

بھارتی دوستوں کے ساتھ میجر اکرم کے روابط فرزانہ نے قائم کروا دیئے تھے۔

اب دونوں ہفتے میں دو چکر بھارتی ہائی کمیشن کے بھی لگانے لگے تھے۔ اس روز میجر اکرم اچانک ہی بھارتی تھرڈ سیکرٹری کی کوٹھی پر پہنچا تھا۔ شاید وہ اسے کوئی "سرپرائز" دینے جا رہا تھا۔

اس کی آمد کی اطلاع پر اس کا استقبال کرنے فرزانہ خود آئی تھی۔ فرزانہ کو اکیلے یہاں دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے چونکا ضرور تھا لیکن پھر اس نے کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلے ہی لمحے خود کو نارمل کر لیا تھا۔

"میں ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے یہاں آئی ہوں ایک عرب دوست کے ساتھ' وہ چھٹیاں گزارنے کے لئے بھارت جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں ذرا انکل سے سفارش کر کے بے چارے کو "انڈین ٹورازم" والوں کا مہمان بنوا دوں گی......" اس نے قہقہہ لگا کر اکرم کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ وہ میجر اکرم کے ساتھ چپٹی ہوئی ڈرائنگ روم میں پہنچی تھی۔ جہاں تھرڈ سیکرٹری اس عرب نوجوان کے ساتھ بیٹھا دل بہلا رہا تھا۔ دونوں کے سامنے وہسکی کے خالی گلاس رکھے تھے۔

جیسے ہی عرب نوجوان کی شکل پر اس کی نظر پڑی' میجر اکرم چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر فرزانہ اس کا نام نہ بھی بتاتی تو بھی وہ اسے پہچان لیتا۔

"ظافر"...... اس نوجوان نے میجر اکرم کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

"اکرم......"

میجر اکرم نے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنے چہرے پر مسکراہٹ جمائی اور اب وہ تھرڈ سیکرٹری سے گرم جوشی سے مصافحہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"ادھر میں آیا تو کسی اور کام سے تھا لیکن سچی بات ہے کہ اصل میں مجھے آپ ہی سے کام تھا۔ بس جناب کیا بتائیں جب سے دوستوں کو علم ہوا ہے کہ میری آپ سے "یاد اللہ" ہو گئی ہے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی کام سے منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ جناب انہوں نے تو مجھے آپ کا پی آر او سمجھ لیا ہے۔" میجر اکرم نے قہقہہ لگایا۔ جواب میں تینوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔

"اس میں شک ہی کیا ہے میجر صاحب ہم تو آپ سے اب پکی دوستی کرنے جا رہے

ہیں۔حکم کیجئے۔آپ کا کام نہیں ہوگا تو اور کس کا ہوگا۔'' تھرڈ سیکرٹری کو شاید چڑھنے لگی تھی۔

''بات دراصل یہ ہے جناب کہ میرے ایک عزیز دوست کو سری نگر کی سیر کرنے کا سودا سمایا ہے لیکن سنا ہے اس طرف جانے پر پابندی عائد ہے۔اب آپ کا حکم ہو تو میں ہاں کر دوں''......میجر اکرم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''میجر صاحب یہ بھی کوئی کام ہے۔آپ کوئی بڑا کام بتایئے۔ہم تو یاروں کے یار ہیں۔ہمارے دروازے دوستوں کے لئے ہمیشہ کھلے ہیں۔'' تھرڈ سیکرٹری نے جھومتے ہوئے فرزانہ کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

لیکن......

اچانک ہی شاید اسے یاد آ گیا کہ اس نے میجر اکرم کے سامنے اسے اپنی بیٹی بنا رکھا ہے اور وہ پھر اس سے الگ ہو گیا۔

''آپ ہماری بیٹی کے دوست ہیں'آپ کا کام کیسے رک سکتا ہے۔'' اس نے فرزانہ کے گال تھپکتے ہوئے کہا۔

''میں کچھ کھانے کا بندوبست کروں۔آپ آپس میں گپ شپ کیجئے۔'' اس نے تینوں کو وہاں چھوڑا اور باہر نکل گیا۔

تھرڈ سیکرٹری کی واپسی تک میجر اکرم ظافر سے خاصا فری ہو چکا تھا۔

اس نے خود کو عیاش دولت مند کے روپ میں ظافر کے سامنے پیش کیا تھا'جس کی رال اس کی ''نام نہاد ملوں'' کے تذکرے پر ہی ٹپکنے لگی تھی۔

''کب جا رہے ہیں آپ انڈیا؟'' اس نے ظافر سے پوچھا۔

''جب ادھر سے حکم ملے گا۔'' ظافر نے فرزانہ کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

تینوں نے دانت نکال دیئے۔

O

کھانا چاروں نے اکٹھے کھایا تھا۔

اس درمیان میجر اکرم اور ظافر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بھارت دوستی کے دعوے کرتے رہے تھے۔

فرزانہ فاتحانہ مسکراہٹ سے تھرڈ سیکرٹری کی طرف دیکھتی رہی اور تھرڈ سیکرٹری آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کے لئے داد کے ڈونگرے برساتا رہا۔

''مجھے اب جانا ہوگا۔دل تو نہیں چاہتا اتنی خوبصورت محفل چھوڑ کر جاؤں لیکن مجبوری ہے۔''

''میں بھی چلتا ہوں۔میجر صاحب مجھے بھی لفٹ دے دیں گے۔'' ظافر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

دونوں کو رخصت کرنے کے لئے تھرڈ سیکرٹری اور فرزانہ گھر کے دروازے تک آئے تھے۔

میجر اکرم کی کار جیسے ہی تھرڈ سیکرٹری کے گھر سے باہر نکلی'ایک جیپ نے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔پھر نجانے اس نے گاڑی کے انڈیکیٹر کس طرح جلائے بجھائے کہ وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔

میجر اکرم ظافر کو اس کے ٹھکانے تک چھوڑ کر واپس گیا تھا۔

ظافر نے خاصے ماڈرن علاقے میں مہنگا فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا اور اکرم اندازہ کر سکتا تھا کہ ایک غریب فلسطینی طالب علم کے لئے جو حکومت کے وظیفے پر یہاں تعلیم حاصل کر رہا ہے'اتنے مہنگے علاقے میں قیام و طعام کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟

ظافر نے اسے فلیٹ میں آنے کی دعوت دی تھی جو میجر اکرم نے ایک دو مرتبہ روایتی انداز میں ''ناں'' کرنے کے بعد قبول کر لی۔

فلیٹ میں موجود ساز و سامان نے اس کے شک کو یقین میں بدل دیا تھا اور وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ ظافر اس کی توقع سے بڑھ کر خطرناک آدمی ہے۔

تھوڑی دیر تک دونوں گپ شپ کرتے رہے۔میجر اکرم نے جان بوجھ کر کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا'جس سے ظافر کے دل میں اس کے متعلق معمولی سا شک بھی جڑ پکڑ سکتا۔

کچھ وقت وہاں گزار کر اور ظافر کے خانساماں کے ہاتھ کی بنی کافی پی کر وہ باہر آ گیا۔

اپنی کار میں بیٹھ کر اس نے کار میں موجود موبائل فون کے ذریعے کسی کو ہدایات جاری کی تھیں۔

چند منٹ کے اندر ہی ظافر کے فلیٹ کو سفید پوشوں نے گھیرے میں لے لیا۔

O

تھرڈ سیکرٹری صاحب نے کمال مہربانی سے اپنے ہاتھ سے جو چٹ لکھ کر اکرم کو دی تھی۔ اگلے ہی روز وہ اکرم نے استعمال کر لی۔ اس چٹ پر شرما نامی کسی ویزہ آفیسر کو مخاطب کر کے ویزے کی سفارش کی گئی تھی۔ میجر اکرم کے بھیجے ہوئے ایک آدمی کو فوراً ہی خصوصی ویزہ جاری کر دیا گیا۔ اس شخص کو بطور خاص سری نگر میں جانے کی اجازت دی گئی تھی۔ تھرڈ سیکرٹری صاحب نے اس کے لئے بھارت میں بھی آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔

لیکن......!

اس شخص کو صرف دعوت نامہ درکار تھا۔ آسانیاں وہ خود بھی پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے تو سری نگر پہنچ کر غائب ہو جانا تھا اور اس کے لئے اگر قانونی مدد میسر آ جاتی تو اس کی خوش قسمتی ہی تھی۔

ظافر اس ملاقات کے پانچ روز بعد ایک رات گہری نیند سو رہا تھا تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ کب اس کے فلیٹ میں نقاب پوش داخل ہوئے۔ انہوں نے بوڑھے خانساماں کو ایک ہی دھمکی میں خاموش کروا دیا تھا اور ظافر کو سوتے میں ہی بے ہوش کر کے اٹھا کر لے گئے تھے۔

بوڑھے خانساماں کو چند منٹ بعد ہی پولیس کے باوردی ملازمین کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

پولیس والوں نے اسے سختی سے تنبیہہ کی تھی کہ وہ کسی کو بھی واقعات کی اصلیت نہیں بتائے گا اور فون پر یا ذاتی طور پر جو کوئی بھی اس کے مالک سے متعلق دریافت کرے اسے یہی بتائے کہ وہ صبح کام سے گیا تھا' ابھی تک واپس نہیں آیا۔

خانساماں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے تھے۔

اس نے بھی ساری زندگی بڑے لوگوں کے برتن مانجھے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور اس کے مالک کو ڈاکو نہیں سکیورٹی کے لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں۔

اس نے ان لوگوں کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا تھا۔

پہلے تو اس نے یہی سمجھا کہ شاید رات زیادہ چڑھ گئی ہو گی اور وہ نیند میں پلنگ سے زمین پر آ رہا ہو گا۔

لیکن......!

اس کے کمرے میں تو "دال تو دال کارپٹ" بچھا تھا وہ کہاں گیا؟ مزید غور کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ تو وہ کمرہ ہی نہیں جہاں وہ سویا تھا یہ تو کسی جیل خانے کی کوٹھڑی معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس کے سامنے سلاخیں لگی تھیں اور وہ شاید باہر سے بند ہوتا تھا۔

کمبل ایک طرف پھینک کر وہ اچانک ہی دروازے کی طرف بڑھا لیکن لڑکھڑا کر واپس گر پڑا کیونکہ اس کا سر بڑی زور سے دیوار سے ٹکرایا تھا۔

اس ٹکر کے ساتھ ہی وہ اپنے حواس میں واپس آ گیا اور دوسرے ہی لمحے اسے حالات کی سنگینی کا ادراک ہو گیا۔

اس نے اچانک ہی اٹھ کر دیوانہ وار سلاخوں والے دروازے کو ہلانا شروع کر دیا تھا۔

جب تین چار منٹ تک کسی نے اس کی حرکت پر کان نہ دھرے تو اس نے چلانا بھی شروع کر دیا۔

چلاتے چلاتے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔

قریب تھا کہ وحشت اور بے چارگی سے اس کا دم گھٹ جائے کہ اس نے دو ہٹے کٹے مشٹنڈوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

O

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیوں ہماری نیند خراب کر رہے ہو؟" ان میں سے ایک نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"کیا بکواس ہے؟ کون ہو تم لوگ؟ مجھے یہاں کون لایا ہے؟" ظافر کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"کون لایا ہے؟ گدھے کے بچے یہاں کوئی کسی کو نہیں لاتا۔ تم خود آئے ہو...... یہ پاگل خانہ ہے اور تمہارے لواحقین تمہیں داخل کروا کر گئے ہیں۔ ایک سال کا خرچہ دے گئے ہیں وہ۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کمال ہے۔ اسے علم ہی نہیں کہ کون یہاں لایا ہے؟" دوسرے نے قہقہہ لگایا۔ تین چار منٹ تک الٹے سیدھے سوالات کے الٹے سیدھے جوابات سننے کے بعد ظافر کو یقین ہونے لگا تھا کہ وہ واقعی پاگل ہے۔ اس نے اب باقاعدہ غصے' بے بسی اور خوف سے پاگلوں جیسی حرکتیں

شروع کر دی تھیں۔ قریب تھا کہ وہ اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگے جب کسی طرف سے اس نے تین چار ڈنڈا بردار اس طرف آتے دیکھے۔

جنہوں نے اسے گریبان سے پکڑ کر سیل سے باہر کھینچا اور اس کی دھنائی کرنے لگے۔

انہوں نے بطور خاص یہ احتیاط ملحوظ خاطر رکھی کہ کوئی زخم اس کے جسم پر نہ آنے پائے۔

ظافر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے۔ بے بسی سے وہ پٹتا رہا۔ کوئی اس کے سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ جب مار کھاتے کھاتے وہ ادھ موا ہو گیا تو ان لوگوں نے دوبارہ اسے اسی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد دلیے سے بھرا ایک پیالہ اسے کھانے کے لئے ملا جو خوفزدہ ظافر نے جیسے تیسے تھوڑا بہت زہر مار کر لیا۔ شاید عام زندگی میں وہ اس طرح کا دلیہ لانے والے کے منہ پر دے مارتا لیکن یہاں اس نے صرف اس خوف سے اسے زہر مار کیا کہ کہیں یہ لوگ دوبارہ اس کو پیٹنا شروع نہ کر دیں۔

اسے واقعی یہ پاگل لگ رہے تھے۔

O

قریباً ایک گھنٹے بعد اس نے دو اور آدمی اپنی طرف آتے دیکھے جنہوں نے اس کا دروازہ کھولا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر ایک طرف چلنے لگے۔

ظافر کے لئے یہ صورت حال اتنی بوکھلا دینے والی تھی کہ خوف کے مارے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ اس ڈر سے بھی نہیں بول رہا تھا کہ نجانے وہ لوگ اس کی کسی بات کا برا نہ منا لیں۔

اس مرتبہ ان کا رویہ کچھ شریفانہ تھا......!!

اس سفر کا اختتام ایک قدرے بہتر کمرے پر ہوا' جس میں ایک میز کے گرد کرسیاں بچھی تھیں اور ایک شخص کمرے کی کھڑکی کے سامنے اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ اس کے ہمراہیوں نے ظافر کو بازو سے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔

جیسے ہی اس شخص نے اپنا چہرہ ظافر کی طرف گھمایا۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔ یہ اتنی چونکا دینے والی ملاقات تھی کہ ظافر کسی میکانکی عمل کے تحت اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ واقعی اس کا دماغ گھوم کر رہ

گیا۔

"آپ؟" اس کے سامنے میجر اکرم کھڑا تھا۔

"ہاں میں......"

"بہت حیرانی ہوئی ہو گی تمہیں...... مسٹر ظافر جس زمین پر تم نے پناہ لے رکھی تھی وہ عالم اسلام کی پناہ گاہ ہے...... اس کے خلاف سازش عالم اسلام کے خلاف غداری ہے۔ ہم غداروں کو زمین کی ساتویں تہہ سے نکال کر جہنم رسید کر دیتے ہیں۔ میں تمہیں صاف بتا دوں کہ یہاں سے تمہارے زندہ بچ نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہمیں سب کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ یاد رکھنا کہ تمہارے لئے رونے والا اس زمین پر کوئی نہیں ہو گا۔"

میجر اکرم آج بالکل بدلا ہوا انسان لگتا تھا۔

ظافر کو سمجھ آ گئی کہ دراصل میجر اکرم پاکستان انٹیلی جنس کا آفیسر ہے جو فرزانہ کے ذریعے بھارتی ہائی کمیشن تک پہنچا ہے تاکہ اپنے ملک کے خلاف ہونے والی سازش پر نظر رکھ سکے۔

لیکن......!

یہ ضروری تو نہیں تھا کہ ہر بات اس کے علم میں ہی رہی ہو۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ لیکن تمہارے کئی سوالوں کا جواب اس ٹیپ میں محفوظ ہے۔"

اتنا کہہ کر میجر اکرم نے اپنے سامنے رکھی ٹیپ کا بٹن دبایا۔

جیسے جیسے ٹیپ چل رہی تھی' اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ یہ اس کی فرزانہ اور تھرڈ سیکرٹری کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی ریکارڈنگ تھی۔ شاید ان لوگوں نے اس کے فون پر "بگ" لگایا تھا۔

اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ اگر وہ اصلیت نہ بھی بتائے تب بھی اس ریکارڈنگ کی مدد سے یہ لوگ واقعات کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ گزشتہ پانچ دن کی ریکارڈنگ تھی اور انہی دنوں میں وہ "را" کے لئے ایک گھناؤنا کھیل کھیلنے جا رہا تھا۔ عموماً ان دنوں میں اس کی گفتگو اسی حوالے سے ہوئی تھی۔

○

تھوڑی دیر بعد ہی وہ ساری کہانی میجر اکرم کو سنا رہا تھا۔

"مجھے "را" نے فرزانہ کے ذریعے اپروچ کیا۔ میرے فرزانہ سے دیرینہ جسمانی تعلقات قائم ہیں اور ہم دونوں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ اب میں اسے اپنی ضرورت سمجھنے لگا ہوں۔ فرزانہ کے ذریعے میرا تعارف بھارتی سفارت خانے کے تھرڈ سیکرٹری سے ہوا۔ میرا بھارتی ہائی کمیشن میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ انہوں نے میرے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا اور میری ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کی ہے۔ فرزانہ کے ذریعے ان لوگوں نے مجھے اس ذلیل حرکت کے لئے آمادہ کیا کہ میں بھارت جاؤں گا جہاں مجھے عالمی پریس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

چونکہ میرا تعلق تنظیم آزادی فلسطین سے ہے اور میرے پاس اس ضمن میں دستاویزی ثبوت بھی موجود ہے۔ مجھے پاکستان کے خلاف سازش میں شامل کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ میں دہلی میں منعقدہ پریس کانفرنس میں بیان دوں گا کہ کچھ عرصہ پہلے بمبئی میں جرمن سفارت کاروں کی ہلاکت کا جو حادثہ ہوا ہے اس کی ذمہ داری میری تنظیم قبول کرتی ہے۔ ہم نے یہ سازش پاکستانی انٹیلی جنس کی مدد سے تیار کی تھی اور اس کا مقصد بھارت کو رسوا کرنا اور بھارت اور جرمنی کے بڑھتے ہوئے تعلقات کو نقصان پہنچانا تھا۔

مجھے یہ اقرار کرنا تھا کہ اس ضمن میں ہمیں لاکھوں روپے رشوت اور جان کی سلامتی کی ضمانت دی گئی تھی لیکن ہمیں جہنم میں جھونکنے کے بعد پاکستانی حکام نے آنکھیں پھیر لیں۔ ان کے اس رویئے سے دل برداشتہ ہو کر میں نے بھارتی حکام سے رابطہ کیا اور اب بالکل رضاکارانہ طور پر بیان جاری کر رہا ہوں۔ میں اپنا جرم قبول کرتا ہوں اور ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔"

ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے اپنے سامنے رکھا پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں اپنے حلق میں انڈیل لیا۔

"مجھے بھارتی حکام نے یقین دلایا تھا کہ پندرہ بیس روز مجھے جیل میں رکھنے کا ڈرامہ کریں گے۔ اس کے بعد میرے فرار کا ڈرامہ رچایا جائے گا اور مجھے بھارت میں نام بدل کر ساری زندگی عیش و عشرت سے گزارنے کی اجازت ہوگی۔ فرزانہ مجھ سے شادی کر لے گی اور پھر کچھ عرصہ بعد مجھے برطانوی شہریت مل جائے گی۔ اپنی کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے مجھے

دو پاکستانی سفارت کاروں کے نام بھی لینے تھے جو دہلی کے پاکستانی ہائی کمیشن میں کام کرتے ہیں...... میں نے عملاً ان لوگوں سے ملاقات کرنی تھی۔ کوئی بھی بہانہ ملاقات کے لئے مجھے بتا دیا جاتا جس کے بعد میری تصاویر ان کے ساتھ کھینچ لی جاتیں اور یہی تصاویر پھر عالمی پریس کے سامنے بطور ثبوت پیش کر دی جاتیں جس کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی۔"

ظافر نے اپنے بیان کے خاتمے پر ایسا محسوس کیا جیسے اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو......

اسے اب واقعی پچھتاوا ہونے لگا تھا کہ پاکستان جیسے عالم اسلام کے قلعے اور پناہ گاہ پر ہی نقب لگانے جا رہا تھا۔

اس نے احسان فراموشی کی بڑی گھناؤنی روایت قائم کی تھی...... شرم سے اس کا سر جھک گیا۔

○

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے جب سر اٹھایا تو دل ہی دل میں بے ساختہ اپنے اندھے ہونے کی دعا مانگنے لگا۔

اس کے سامنے فلسطین کا سفیر کھڑا تھا جس کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ سفیر موصوف کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"غدار...... ذلیل انسان تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔" سفیر موصوف کو اظہار نفرت کے لئے اس سے زیادہ سخت الفاظ شاید نہیں مل رہے تھے۔

"میں شرمندہ ہوں جناب۔ میں مر کر بھی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا۔ میں اندھا ہو گیا تھا' پاگل ہو گیا تھا۔ خدا کے لئے مجھے ایک موقعہ دیجئے۔ میں ان درندوں کو تباہ کر کے رکھ دوں گا جنہوں نے مجھے ورغلایا۔"

وہ بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگا۔

شاید اسے احساس نہیں رہا تھا کہ اس کا مردہ ضمیر جب بھی زندہ ہوا تو اس کے لئے کیا قیامت ڈھائے گا۔

"تمہارا جرم ناقابل معافی ہے۔ تم جیسے ہوس کے مارے درندوں نے آج تک اپنی

قوم کے خون کو پانی کی طرح فروخت کیا ہے...... بے شرم وہ دن یاد کرو جب تمہاری ماں اور بہن کو دہلی ایئرپورٹ سے واپس لوٹا دیا گیا تھا۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی اور جس برادر ملک نے تمہیں پناہ دی' تم نے اس کو ڈسنا چاہا...... تم کیا سمجھتے تھے کہ ہم تمہیں اس ذلیل حرکت کے بعد زندہ بچ جانے کا موقعہ دیتے۔ ہم تمہیں کتے کی موت مار ڈالتے (Kill Him) (اسے مار ڈالو)......

سفیر موصوف نے نفرت سے اس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے میجر اکرم سے درخواست کی تھی۔

''ہاں ہاں! مجھے مار ڈالو۔ واقعی میرا جرم ناقابل معافی ہے۔ میں آستین کا سانپ ہوں۔ میجر صاحب مجھے گولی مار دیں۔''

عالم وحشت میں اس نے اپنا سر زور زور سے میز سے ٹکرانا شروع کر دیا تھا۔

بجلی کی سی سرعت سے لپک کر میجر اکرم نے اس پر قابو پالیا۔

''نارمل رہو...... بے وقوف اپنے اوسان بحال کرو۔ ابھی تمہاری نیت خراب ہوئی تھی۔ خدا کا شکر کرو ابھی تم سے جرم سرزد نہیں ہوا۔ تم پر توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ ہم تمہیں اس کا موقعہ ضرور دیں گے۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ ذلیل دشمن نے ہمارے خلاف ہمارے مسلمان بھائی کو استعمال کرنا چاہا۔

میجر اکرم کسی گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔

O

ظافر کو وہ اپنے ساتھ ہی لے کر آیا تھا۔

اس مرتبہ جہاں وہ پہنچے تھے وہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ سفیر موصوف واپس جا چکے تھے۔ جاتے ہوئے انہوں نے ظافر سے کہا تھا کہ اس کی معافی کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کے پاکستانی بھائی اسے معاف کر دیں ورنہ شاید خدا بھی اسے معاف نہ کرے۔ کیونکہ وہ گناہ عظیم کا مرتکب ہونے والا تھا۔

میجر اکرم کی جہاندیدہ نگاہیں اس کے دل کے اندر اٹھنے والے طوفان کی ایک ایک لہر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ظافر کا سویا ہوا ضمیر کروٹ لے کر بیدار ہوا ہے اور اگر اسے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقعہ نہ ملا تو شاید وہ خودکشی کر لے گا۔

اس نے اعلیٰ حکام سے بات کر لی تھی اور اب ''آئی ایس آئی'' کے پر مغز جیالے چانکیہ کے بندروں کو آٹے دال کا بھاؤ بتانے جا رہے تھے۔

انہوں نے اس مرتبہ ''را'' کے لئے ایسا بھرپور جوابی حملہ پلان کیا تھا کہ دوبارہ بہت لمبے عرصہ تک ''را'' کو کسی گندی حرکت کی جرأت نہ ہوتی۔

میجر اکرم نے اسے وضاحت' ہمدردی اور محبت سے بہت کچھ سمجھا کر آنے والے حالات کے لئے تیار کر لیا تھا۔

میجر اکرم اسے اس کے فلیٹ تک خود چھوڑنے آیا تھا۔ اس کے خانساماں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ فی الوقت اسے میجر اکرم کی ہدایت پر بالکل نارمل رہنا اور بھارتیوں کی ہاں میں ہاں ملانا تھا۔

گھر پہنچنے پر اسے سب سے پہلے فرزانہ کا فون ملا جو اس کے اچانک غائب ہونے پر بہت پریشان ہو گئی تھی۔

''بھئی تمہارے میجر صاحب تو کمال کی چیز ہیں۔ میں نے کل رات ان کے ساتھ ہی گزاری ہے...... بڑے مزے کا آدمی ہے۔ مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔ گھر کیا تھا وہ تو پرستان تھا پرستان...... جانے میں نے کتنی چڑھا لی تھی کہ صبح دیر تک وہیں سوتا رہا اور میجر صاحب بھی مجھے اس لئے نہیں چھوڑ گئے کہ کہیں میں ابنارمل ہو کر کوئی غلط حرکت نہ کر گزروں''...... اپنی بات کے خاتمے پر اس نے مصنوعی قہقہہ لگایا۔ دوسری طرف شاید اس کے بہانے نے فرزانہ اور اس کے ''آقاؤں'' کو مطمئن کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر تک آپس میں باتیں کرنے کے بعد اس نے فرزانہ کو لنچ اس کے ساتھ اس کے فلیٹ پر کرنے کی دعوت دی تھی' جو اس نے بشکریہ قبول کر لی تھی۔

میجر اکرم نے اس کی پیٹھ تھپک کر اسے شاباش دی اور احساس دلا دیا کہ وہ مکمل طور پر ان کی حفاظت میں ہے' اب کوئی اس کی طرف میلی آنکھ سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پھر وہ چلا گیا۔

O

فرزانہ حسب وعدہ آ گئی تھی......!!

اس کا استقبال ضرورت سے زیادہ گرمجوشی کے ساتھ ظافر نے کیا...... دونوں ایک

دوسرے سے خاصے بے تکلف ہو رہے تھے لیکن فرزانہ نے اسے کہہ دیا تھا کہ بھارت میں اس کا کام ختم ہونے کے فوراً بعد ہی وہ شادی کر سکیں گے۔

دونوں نے آنے والے ''اچھے وقت'' سے متعلق گفتگو شروع کر دی تھی۔ میجر اکرم کی ہدایت کے مطابق ظافر نے زیادہ تر گفتگو تھرڈ سیکرٹری کے حوالے سے کی تھی۔ وہ بار بار فرزانہ سے تھرڈ سیکرٹری کی طرف سے کی گئی پیشکش کی ضمانت مانگ رہا تھا اور فرزانہ کو اسے مطمئن کرنے کے لئے بار بار ساری بات دہرانا پڑتی تھی۔

اس نے باتوں باتوں میں کئی کام کی باتیں اس تک پہنچا دی تھیں۔ صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ''را'' کے لوگ جو بھی وعدہ کرتے ہیں وہ پورا کیا جاتا ہے۔

بے چاری فرزانہ کو یہ علم نہ ہو سکا کہ نہ صرف ان دونوں کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے بلکہ بڑی مہارت سے اسے سلولائیڈ کے فیتے پر بھی منتقل کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے دارالحکومت کے بڑے ہوٹلوں میں اس کی تھرڈ سیکرٹری کے ساتھ ہونے والی ملاقاتیں بھی کیمرے کی آنکھ نے کاغذ پر منعکس کر دی تھیں۔

ظافر مکمل تعاون کر رہا تھا۔

اس نے اس طرح باتوں میں فرزانہ کو الجھایا تھا کہ اس کی زبانی بمبئی میں ہونے والا خونی ڈرامہ مکمل تفصیلات سمیت ریکارڈ ہو چکا تھا۔

یہی میجر اکرم کی ضرورت تھی......

O

اسلام آباد کے پریس کلب میں اس پریس کانفرنس کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا......

پاکستان میں موجود ہر قابل ذکر غیر ملکی پریس سے وابستہ نمائندہ یہاں موجود تھا۔

فلسطینی طلباء کی تنظیم کا جنرل سیکرٹری ظافر طالع پریس کانفرنس سے خطاب کر رہا تھا۔

اس نے پہلے سے یہاں موجود صحافیوں کو بمبئی میں ہونے والے واقعات کی تفصیل سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کس طرح ''را'' اور ''موساد'' نے مل کر یہ گھناؤنا منصوبہ تیار کیا تھا اور کس طرح اسے ''را'' کی مقامی ایجنٹ فرزانہ کے ذریعے پھانس کر تھرڈ سیکرٹری تک پہنچایا گیا جس نے اسے ''را'' کے اس کھیل کو اختتام تک پہنچانے کے لئے خطیر رقم اور دیگر آسائشوں کی پیشکش کی

تھی۔

اس نے پریس کانفرنس میں موجود لوگوں سے کہا کہ اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے بالآخر اس گھناؤنی سازش کا انکشاف پاکستانی انٹیلی جنس کے سامنے کیا اور رضا کارانہ طور پر اس سازش کو بے نقاب کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

اس کے ساتھ ہی پریس کانفرنس میں موجود دنیا بھر کے منجھے ہوئے صحافی اس پر حملہ آور ہو گئے۔

لیکن......!

اس کے پاس اپنے ہر الزام کا دستاویزی آڈیو ویژل ثبوت موجود تھا۔ اس نے ریکارڈ کی ہوئی گفتگو اور راپی اور تھرڈ سیکرٹری کے درمیان ہونے والی ملاقاتوں کی تصاویر اور ویڈیو فلمیں بھی دکھائیں۔

کوئی بھی تو ایسا ثبوت نہیں تھا جو اس کے بیان کو جھوٹا ثابت کرتا۔ ہر شخص یقین کر سکتا تھا کہ جو کچھ ظافر نے کہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ اس پریس کانفرنس کا اہتمام کس نے کیا ہے؟

''فلسطینی طلباء نے۔''

اس کی بجائے اس کے ساتھی نے جواب دیا۔

''اور ہم نے یہ تمام ثبوت بھی خود ہی اکٹھے کئے ہیں۔ ہم ساری دنیا کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان دنیا کے ہر مسلمان کا گھر ہے اور اس کی طرف اٹھنے والی کوئی بھی میلی آنکھ ہم نکال دیں گے......ہم اپنی پناہ گاہ کو دشمن کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے......''

اس کے ساتھ ہی بھارت میں رچائے جانے والے ''را'' اور ''موساد'' کے مشترکہ ڈرامے کی مکمل ٹائپ شدہ تفصیلات وہاں تقسیم کی گئیں۔

O

اگلا دن شاید ''را'' کے ڈائریکٹر امریش پوری کی زندگی کا منحوس ترین دن تھا۔

ساری دنیا کے پریس کی چیختی چلاتی سرخیاں اس کے ڈھول کا پول کھول رہی تھیں۔

فرزانہ کو پاکستان میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس کی نشاندہی پر اس کے مددگار بھی دھر لئے

گئے تھے۔ تھرڈ سیکرٹری کو "نان گریٹا پرسن" ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر پاکستان سے ملک بدر کر دیا گیا۔

"آئی ایس آئی" نے حملے سے پہلے "را" اور "موساد" کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بریگیڈیئر شمیر زخمی سانپ کی طرح تلملا رہا تھا۔

امریش پوری پوری بے بسی سے اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔

☆☆☆

جرم کا آخری نشان

اسے شاید ڈیبی سے کبھی اتنی دلچسپی نہیں رہی تھی لیکن اس نے گزشتہ تین سال میں بڑی محنت سے آئی آر اے تک رسائی حاصل کی تھی اور اس میں ڈیبی نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ فی الوقت ڈیبی کو ضائع کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

سی آئی اے میں جوزف کو آئرش ری پبلک آرمی کے معاملات پر اتھارٹی گردانا جاتا تھا اور جلد یا بدیر وہ سٹیشن چیف بن کر آئرلینڈ جانے والا تھا جہاں اسے پھر قدم قدم پر ڈیبی کی راہنمائی درکار تھی۔

ڈیبی فلسطینیوں کے کسی گروپ سے بھی دوستی رکھتی ہے؟

یہ اطلاع جہاں جوزف کے لئے چونکا دینے والی تھی وہاں اس لحاظ سے خوش آئند بھی تھی کہ اس طرح "ایجنسی" (سی آئی اے) کو کچھ اور "دوست" میسر آ سکتے تھے۔ اس نے ڈیبی کو کبھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ اسے ڈیبی اور حماد کے اندرونی تعلقات کا علم ہو چکا ہے لیکن وہ اس شخص تک پہنچنے کے لئے بیقرار ضرور تھا جس نے نیویارک کے مصروف ترین ایئرپورٹ پر موساد کے بہترین دماغ شمعون کو مار ڈالا اور پھر سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بچ نکلا تھا۔

وہ ڈیبی کو اندھیرے میں رکھ کر حماد تک پہنچنا چاہتا تھا اور حماد تک پہنچنے کا کوئی راستہ ڈیبی سے کٹ کر نہیں جاتا تھا۔

اپنی دانست میں ڈیبی نے بڑی احتیاط برتی تھی اور اپنے اپارٹمنٹ سے باہر کچھ فاصلے پر لگے فون بوتھ سے اس نے حماد کا نمبر ملایا۔

لیکن......!!

"ایجنسی" کے لوگ سائے کی طرح اس سے چمٹے تھے۔

جیسے ہی اس نے ٹیلی فون بوتھ تک رسائی حاصل کی۔ خصوصی سسٹم کے ذریعے اس کی کال "ٹیپ" ہونے لگی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد جوزف کی میز پر کال کی ریکارڈنگ موجود تھی...... اس ریکارڈنگ سے انہیں علم ہوا کہ کسی "ابواحمد" کے کہنے پر ڈیبی نے حماد سے رابطہ کیا تھا۔ حماد کا فون نمبر بھی اسے ابواحمد نے ہی فراہم کیا تھا۔

اگلے کسی منصوبے پر ان لوگوں نے بات چیت بھی ملاقات ہونے پر ہی کرنی تھی۔

معاملات جوزف کی مرضی کے مطابق ہی طے پا رہے تھے۔ ایک مرتبہ حماد تک پہنچنے کے بعد وہ اس پر قابو پانے کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور تلاش کر لیتا۔

اوریگن سٹریٹ تک قریباً آدھ گھنٹے کا پیدل راستہ طے کرنے کے بعد بالآخر وہ "فریڈ مارکٹ" نامی سٹور تک پہنچ گیا۔ جس کے ایک کونے پر ڈیبی اس کی منتظر تھی۔ ڈیبی نے اس کا استقبال حسب سابق بڑی فراخدلی سے کیا تھا۔

دونوں پندرہ بیس منٹ تک سٹور کے اندر ہی گھومتے رہے۔ جہاں سے انہوں نے کچھ شاپنگ بھی کی تھی۔ یہاں سے دونوں اکٹھے ہی کار پارکنگ آئے تھے جہاں ڈیبی نے اپنی گاڑی پارک کر رکھی تھی۔

O

ایف بی آئی آفیسر ڈیوڈ فرانک کو جب اس کے خصوصی ذرائع نے سی آئی اے آفیسر جوزف کی سینٹ لوئیس میں موجودگی کی اطلاع دی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

اس نے سب سے پہلے یہ اطلاع "موساد" کے نئے سٹیشن چیف تک پہنچا کر حق نمک ادا کیا۔ اس کے ساتھ ہی چھٹیاں لے کر سینٹ لوئیس کی طرف روانہ ہو گیا۔

موساد کا کیٹسا Katsa (موساد کا مقامی آفیسر) پہلے ہی سے اس خصوصی مشن کی انجام دہی کے لئے تل ابیب سے براہ راست یہاں آیا تھا۔ موساد کے ہیڈکوارٹر میں یہ اطلاع کہ ڈیبی کا کیس آفیسر جوزف سینٹ لوئیس میں موجود ہے' دھماکے کی طرح پہنچی تھی۔

بریگیڈیئر شمیر کو یہ اطلاع "موساد" کے خصوصی رابطے پر ڈیوڈ فرانک سے موصول ہونے کے محض چند منٹ بعد ہی تل ابیب پہنچا دی گئی تھی۔

ایک بات تو صاف ظاہر تھی کہ جوزف کی سینٹ لوئیس میں موجودگی کا مطلب ڈیبی کی یہاں موجودگی تھا اور ڈیبی ایک مرتبہ موساد کے آہنی شکنجے سے بچ نکلی تھی۔ شمیر اسے کسی صورت مزید مہلت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ڈیبی کے ذریعے ہی وہ شمعون کے اصلی قاتل "مائیکل" تک پہنچ سکتا ہے جس کا زندہ رہنا "موساد" کی موت کے مترادف تھا۔

"موساد" میں کل پینتیس Katsa تھے۔

مہم کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ شمیر نے خاص طور سے ایک "کیٹسا" سینٹ لوئیس بھیجا تھا۔ ان لوگوں کو انتہائی ناگزیر حالات میں میدان عمل میں اتارا جاتا تھا کیونکہ کسی ایک "کیٹسا" کا نقصان بھی "موساد" برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن......

اب شمیر نے ڈیبی اور مائیکل کی زندگی کو اپنی ذاتی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ وہ ان دونوں کو بہر صورت مارنا چاہتا تھا۔ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ بلیک ستمبر کے ہاتھوں ہونے والی ہزیمت نے اسے باؤلے کتے کی طرح تلملا کر رکھ دیا تھا۔

"انسٹی ٹیوٹ" (موساد کا وہ نام جو اس کے ایجنٹ استعمال کرتے ہیں) کی ساکھ خطرے میں پڑ گئی تھی۔

اسرائیلی وزیراعظم نے خاص طور سے اس واقعے کا نوٹس لیا تھا کہ ابھی تک ان لوگوں نے شمعون کے قاتلوں کو کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچایا۔

"مرے پر سو درے......!"

"موساد" نے اپنی دیرینہ حلیف "را" کے ذریعے جرمنی کو سزا دینے کا جو گھٹیا طریقہ استعمال کیا تھا وہ بیل بھی آآ نے منڈھے نہیں چڑھنے دی تھی اور "را" کی ایجنٹ کی پاکستان میں گرفتاری اور عرب نوجوان کی پریس کانفرنس جس میں "را" اور "موساد" کے کالے کرتوت دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ بے نقاب ہوئے تھے۔

ان واقعات نے ساری دنیا کے پریس میں ہلچل مچا دی تھی گو کہ یہودی پریس نے واقعات کو غلط رنگ دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا لیکن وہ ساری دنیا کو بے وقوف نہیں بنا

سکے تھے یوں بھی ''موساد'' کے کرتا دھرتا اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے تھوڑے لوگوں کو ضرور بے وقوف بنا سکتے تھے۔ لیکن لمبے عرصے کے لئے زیادہ لوگوں کو بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

امریش پوری نے پاکستان کو اس معاملے میں گھسیٹ کر اپنا منہ تو کالا کروایا ہی تھا۔

بریگیڈیئر شمیر کے کئے کرائے پر بھی پانی پھیر دیا تھا۔

شمیر نے ''آئی ایس آئی'' کو کبھی انڈر اسٹیمیٹ نہیں کیا تھا۔

پاکستان کا ایٹمی پروگرام کانٹے کی طرح اس کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔

لیکن......

پاکستان کے خلاف کچھ کرنے سے پہلے وہ ہزار مرتبہ سوچنے کا قائل بھی تھا۔

اس کی حکومت نے گو کہ بھارت سے خفیہ معاہدہ کر کے پاکستان کے خلاف مشترکہ حکمت عملی ضرور اختیار کر لی تھی لیکن شمیر سمجھتا تھا کہ جب تک امریش پوری جیسے لوگ ''را'' میں موجود ہیں کم از کم ''را'' ان کے کسی کام نہیں آ سکتی۔

عرب نوجوانوں کی پریس کانفرنس کی اطلاع جیسے ہی اسرائیلی وزیر اعظم تک پہنچی۔ اس نے شمیر کو آفس میں طلب کر کے اسے کہہ دیا تھا کہ اگر عمر کے ساتھ ساتھ اس کے اعصاب بھی کمزور پڑنے لگے ہیں تو وہ ''موساد'' کی خدمات سے سبکدوش ہو جائے کیونکہ اتنی زبردست ہزیمت کا سامنا انہیں آج تک نہ ہوا تھا۔

O

اسرائیلی کیلسا سے ڈیوڈ فرانک کی ملاقات کیناس سٹی میں ہوئی تھی۔

سینٹ لوئیس سے کچھ فاصلے پر واقع کیناس سٹی کے ایک شاندار ہوٹل میں وہ ٹورسٹ کی حیثیت سے قیام پذیر تھا۔

دونوں دیر گئے تک سینٹ لوئیس کے جغرافیے پر بحث کرتے رہے۔ شہر کو آنے جانے کے راستے' گلیاں' بازار' پلازے' ریلوے سٹیشن' ہوٹل اور تمام جزائیات کیلسا ہضم کرتا جا رہا تھا۔

اس نے ڈیوڈ فرانک کا تعارف ''موساد'' کے تین مقامی ایجنٹوں سے کروانے کے بعد ان لوگوں کو سائے کی طرح جوزف سے چپکے رہنے کی ہدایت کی تھی۔

لیکن......!

اس تنبیہہ کے ساتھ کہ کوئی بھی انتہائی قدم اس کی اجازت کے بغیر نہیں اٹھایا جائے گا۔

ایف بی آئی کے اعلیٰ آفیسر ہونے کی وجہ سے ڈیوڈ فرانک نے جوزف کے ٹھکانے کا پتہ لگا لیا تھا۔ جزف اس کی شکل سے آشنا نہیں تھی لیکن وہ جوزف کو پہچانتا تھا۔ ایجنسی (سی آئی اے) کے مقامی سیف ہاؤس میں جوزف نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

جوزف نے فی الوقت ڈیبی کو اکیلے چھوڑا ہوا تھا اور اسے یہی کہتا تھا کہ یہاں وہ خطرے کی زد سے باہر ہے۔

ڈیبی نے اپنی دانست میں گزشتہ 48 گھنٹے مسلسل اس کام میں صرف کئے تھے کہ کہیں اسے بے خبر رکھ کر جوزف اس کی نگرانی تو نہیں کر رہا لیکن بظاہر اسے کوئی ایسے شواہد نہیں ملے تھے جس سے اسے اپنے ''زیر نگرانی'' ہونے کا شک گزرتا۔

یہ الگ بات کہ اس درمیان ایک لمحے کے لئے بھی سی آئی اے نے اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔

ڈیبی نے بظاہر مطمئن ہونے کے بعد ہی لندن میں ابو احمد سے رابطہ قائم کیا تھا جس نے اسے ہدایت کی تھی کہ حماد کو سینٹ لوئیس میں اپنے ٹھکانے پر بلا کر اس سے ملاقات کرے جس کے پاس اس کے لئے ایک پلان موجود ہے......!

اپنی دانست میں ابو احمد اور آئی آر اے کے لوگوں نے ڈیبی کو سی آئی اے کے چنگل سے نکالنے کے لئے اسے امریکہ سے ہٹانے کا پروگرام تیار کیا تھا اور حماد اب یہی منصوبہ لے کر اسے ملنے آ رہا تھا۔

جوزف کو دونوں کی ملاقات کی اطلاع مل چکی تھی۔

O

اس روز علی الصبح جب جوزف کو اطلاع ملی کہ آج ڈیبی اور حماد اپنے کسی دوست کو ملنے کیناس سٹی جا رہے ہیں تو اس نے فوراً اپنے سکواڈ کو سٹینڈ بائی کر دیا۔

سینٹ لوئیس کی اورنگن سٹریٹ سے کیناس سٹی جانے والی ہائی وے تک سی آئی اے کی چھ گاڑیاں مختلف مقامات پر اس طرح موجود تھیں کہ ڈیبی اور حماد کو تعاقب کا شائبہ تک نہ گزرا۔

لیکن......!

جوزف کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ "موساد" کے ایجنٹ ان کی آستین کے سانپ ڈیوڈ کی مدد سے اس کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں۔

جوزف نے اپنی گاڑی اور یگین سٹریٹ کے ایک کونے میں موجود پارکنگ ایریا میں پارک کی اور پیدل ہی نزدیکی اپارٹمنٹس کی طرف چل دیا۔

ڈیوڈ فرانک نے اپنی گاڑی دوسرے کونے پر پارک کی تھی اور ہاتھ میں پکڑے "واکی ٹاکی" کے ذریعے پل پل کی اطلاع نزدیکی کار میں موجود "موساد" کے "کیٹسا" کو دے رہا تھا جس کی طرف سے یہ اطلاعات تیسری کار میں موجود دو ایجنٹوں کو منتقل ہو رہی تھیں، جن کی موجودگی کا ڈیوڈ فرانک کو بھی علم نہیں تھا۔

ڈیوڈ فرانک نے جب ڈیبی کو نزدیکی اپارٹمنٹ سے باہر نکلتے دیکھا تو خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔

ڈیبی کے ساتھ کسی عربی نقش ونگار کے حامل نوجوان کی موجودگی اس کے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔

"وہ مارا"......اس نے دل ہی دل میں خود کو شاباش دی۔

دوسرے ہی لمحے وہ یہ اہم ترین اطلاع "کیٹسا" کو منتقل کر چکا تھا۔ جوزف کو اس نے چھپ کر دونوں کا تعاقب کرتے دیکھ لیا تھا۔

ڈیبی اور حماد اسی پارکنگ ایریا کی طرف آ رہے تھے جہاں جوزف نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نیلے رنگ کی ایک کار میں دونوں کو ڈیوڈ نے پارکنگ ایریا سے باہر آتے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں گاڑی نظر آ گئی ہے......تم جوزف سے چپکے رہو۔"

"موساد" کے کیٹسا نے اس کا پیغام ملنے پر گاڑی پہچانتے ہوئے فرانک سے کہا۔

ہائی وے تک ڈیبی گاڑی خود چلاتے ہوئے لائی تھی اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ بیک وقت کئی گاڑیاں اس کے تعاقب میں ہیں۔

یہاں سے اس نے نارتھ 175 اختیار کی تھی جو کینساس سٹی کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑے

ہی فاصلے پر سڑک زیر تعمیر کے بورڈ نظر آنے لگے تھے پھر ڈیبی کی گاڑی بھی سڑک پر موجود گاڑیوں کے ہجوم کا حصہ بن گئی۔

ہائی وے کی دونوں سڑکیں نارتھ اور ساؤتھ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو سفر کر رہی تھیں۔

ڈیبی کی کار انتہائی دائیں جانب والی لائن میں رینگ رہی تھی، جب اچانک ہی اس پر موت کا دھانہ کھل گیا۔

ساؤتھ کی سمت سے آنے والی ایک تیز رفتار کار کے ٹائر بڑی زور سے چرچرائے اور اس سے پہلے کہ ڈیبی یا حماد کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوتا کار کی ان کی سمت کھلنے والی کھڑکیوں سے گولیاں ان پر اولوں کی طرح برسنے لگیں۔

فائرنگ کرنے والے جنونی دکھائی دیتے تھے......!

انہوں نے دومنٹ کے اندر سینکڑوں گولیاں فائر کر دی تھیں نہ صرف ڈیبی اور حماد کے جسم سے درجنوں گولیاں پار ہوئی تھیں بلکہ ان کے ساتھ کئی اور کاروں کو بھی گولیوں نے چھلنی کر دیا تھا۔

O

سی آئی اے کے لوگ ڈیبی کی کار کے آگے پیچھے موجود تھے۔

اچانک حملے نے ایک لمحے کے لئے تو انہیں بوکھلا کر رکھ دیا۔ جب تک وہ ہوش میں آئے حملہ آور اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔

انہوں نے اپنی دانست میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس سڑک پر ٹریفک جام کی وجہ سے وہ ان لوگوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ جبکہ حملہ آوروں کی گاڑی آندھی اور طوفان کی طرح مخالف سمت میں اڑتی چلی جا رہی تھی۔

جوزف بڑی بددلی اور بے بسی سے ٹریفک میں پھنسا اپنی بے بسی کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس کے تعاقب میں موجود ایف بی آئی کے انسپکٹر ڈیوڈ فرانک کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھی اپنا کام مکمل کر کے فرار ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے اور جوزف کے درمیان فاصلہ آہستہ آہستہ بڑھانا شروع کر دیا تھا۔

جیسے ہی اسے چند گز کے فاصلے پر ایک ''ایگزٹ'' ملا۔ ڈیوڈ فرانک نے اپنی گاڑی اسی طرف گھمادی۔

ایجنسی کے لوگ اپنی کاروں سے چلانگیں لگا کر بھاگتے ہوئے ڈیبی کی کار تک پہنچے جہاں ڈیبی اور حماد کی گولیوں سے چھلنی لاشیں ان کا منہ چڑا رہی تھیں۔

وہ بے بسی سے اپنے ہونٹ کاٹتے رہے۔

ہائی وے پر ہونے والی اس فائرنگ نے ٹریفک کا سارا نظام درہم برہم کر دیا تھا لیکن مستعد ہائی وے پولیس نے چند منٹ میں ٹریفک ڈسپلن بحال کر دیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ حملہ آور کس طرف بھاگے ہیں۔

بہت سے لوگوں نے انہیں فائرنگ کرتے اور بھاگتے دیکھا تھا۔

شاید وہ لوگ کسی نزدیکی ''ایگزٹ'' سے شہر کے اندر داخل ہوئے تھے کیونکہ اگلے روز کے اخبارات نے ایک تباہ شدہ کار کا ڈھانچہ نزدیکی قصبے سے تلاش کیا تھا اور پولیس کا دعویٰ تھا کہ یہ وہی کار ہے جس سے فائرنگ کی گئی تھی۔

واقعی یہ وہی کار تھی......!!

اسرائیلی کیلسا اور اس کے ساتھیوں نے اسے یہاں تباہ کر کے وہاں پہلے سے موجود ایک دوسری کار پر راہ فرار اختیار کی تھی۔

رات کے پہلے پہر ٹرانس ورلڈ ایئر لائن کی سینٹ لوئیس سے لندن جانے والی پرواز کے ذریعے موساد کا کیلسا اپنا مشن مکمل کر کے لندن کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔

جہاز کی روانگی سے پہلے اس نے مشن کی کامیابی کی اطلاع بریگیڈیئر شمیر تک پہنچا دی تھی۔

بریگیڈیئر شمیر کا انگ انگ خوشی سے جھوم رہا تھا۔

اس نے اپنے ''کیلسا'' کے ساتھ خصوصی جشن پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔

وزیراعظم کو شمعون کے قاتلوں کی موت کی اطلاع اس نے خود اس کے آفس جا کر دی تھی۔ بہت عرصہ بعد اس نے آج اپنے وزیراعظم کو پرسکون پایا تھا جیسے بہت لمبے عرصے سے اس کے خون کی پیاس آج ہی بجھ سکی تھی۔

O

رات دیر گئے جب وہ اپنے گھر واپس لوٹا تو ایک خصوصی لائن پر اس نے اپنے ماتحت سے نیویارک ملانے کو کہا۔

چند منٹ بعد ہی نیویارک میں وہ ''موساد'' کے ایک ''انتہائی اہم سورس'' سے محو گفتگو تھا۔

''آفیسر ڈیوڈ فرانک نے موساد کے بہت اہم اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ ہائی کمان نے ڈیوڈ فرانک کو فوراً ان خدمات کا عظیم صلہ دینے کا فیصلہ کیا ہے......کل شام ڈھلنے تک اس کو خصوصی انعام سے سرفراز کر دیا جائے۔ خیال رہے کہ ڈیوڈ فرانک ہمارا بہت خاص آدمی رہا ہے......!''

اس نے قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا۔

نیویارک میں موجود ''موساد'' کے ایجنٹ آفیسر ڈیوڈ فرانک کے شایان شان استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔

O

ڈیوڈ فرانک اسی روز نیویارک واپس لوٹ آیا تھا......!

وہ بڑا مطمئن اپنے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ اپنی دوسری بیوی سے اس نے حال ہی میں علیحدگی اختیار کی تھی۔ جیسے ہی اس نے اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر لائٹ کا سوئچ آن کیا اس کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

تین مسلح شخص وہاں موجود تھے۔

''کون ہو تم......؟''

اس کے منہ سے بمشکل نکل پایا جب ان کے سائلنسر لگے پستولوں نے گولیاں اگلنا شروع کر دیں۔

تینوں نے اپنے پستول اس پر خالی کر دیے تھے۔ پھر جس طرح وہ چپ چاپ یہاں آئے تھے اسی طرح چپ چاپ واپس لوٹ گئے۔

روانگی پر وہ اپارٹمنٹ کو تالا لگانا نہیں بھولے تھے۔

سی آئی اے کے مستعد ایجنٹوں نے جلد ہی آستین کے سانپ کا پتہ لگا لیا تھا۔ وہ جان گئے تھے کہ ایف بی آئی کا آفیسر ڈیوڈ فرانک موساد کا زرخرید غلام تھا۔ تین روز کی جاں گسل محنت کے بعد وہ غدار کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

جب ایجنسی کے لوگ دو کاروں میں سوار ہو کر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے اس کے اپارٹمنٹ تک پہنچے تو ڈیوڈ فرانک کی لاش سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے......!!

اس کا جسم گلنا شروع ہو گیا تھا۔

''موساد'' نے اپنے جرم کا آخری نشان بھی مٹا دیا تھا۔

☆☆☆

ٹارگٹ کہوٹہ

بریگیڈیئر شمیر نے ایک لمحے کے لئے بھی پاکستان انٹیلی جنس کی اس چوٹ کو فراموش نہیں کیا تھا جس نے ''را اور موساد'' کی سازش کا بھانڈا بھرے بازار میں پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ آج اسے وزیر اعظم کی طرف سے اس معاملے کو نمٹانے کی خصوصی ہدایت ملی تھی۔

دوسری طرف امریش پوری زخم خوردہ سانپ کی طرح تلملا رہا تھا۔

کینیڈا کے بھارتی قونصلیٹ میں اس نے اپنی دانست میں ''جو آپریشن کیا تھا اس سے الٹی آنتیں گلے کو پڑ گئی تھیں۔ ان لوگوں کی توقعات کے برعکس نہ صرف پاکستانیوں کا کمال ہوشیاری سے ایٹمی سامان اسلام آباد پہنچا دیا تھا بلکہ کینیڈین آر سی ایم پی اور امریکن ایف بی آئی کے نزدیک بھی ''را'' کی حیثیت ایک تیسرے درجے کے جاسوسی ادارے سے زیادہ کچھ نہیں رہ گئی تھی کیونکہ ''را'' کی فراہم کردہ معلومات پر بھروسہ کر کے وہ لوگ خود دھوکہ کھا گئے تھے۔

امریش پوری کے پاس کھیلنے کے لئے بس ایک ہی کارڈ رہ گیا تھا۔

پاکستان کا ایٹمی پروگرام......!

وہ جانتا تھا کہ دنیا کو صرف اسی ایشو پر وہ ورغلا سکتا ہے۔ خصوصاً مغربی دنیا کو۔

یہودی پریس کی مدد سے وہ پاکستان کو ناکوں چنے چبا سکتا تھا۔

لیکن......!

کیا ''موساد'' اس کے ساتھ کھلے دل سے تعاون کرے گی؟

اس نے ''موساد'' کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ان کے اشارے پر جو کھیل کھیلا تھا اس نے تو پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ وہ لوگ چپ چاپ اپنے کام میں لگے رہتے۔

آج جب اسے بریگیڈیئر شمیر کے خصوصی نمائندے کی آمد کی اطلاع ملی تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

دہلی کے ایئر فورس بیس پر اس نے خود کرنل گوریان کا استقبال کیا تھا جو ایک خصوصی پرواز سے دہلی آیا تھا اور اس کا طیارہ خصوصی انتظامات کے تحت ایئر فورس کے ہوائی اڈے پر اتارا گیا تھا۔

کرنل گوریان کے ساتھ اس کی سیکرٹری بھی تھی یا پھر جہاز کا عملہ جو وہیں رہ گیا تھا۔

کرنل گوریان اپنی سیکرٹری کے ساتھ رات کے اندھیرے ہی میں خصوصی کار کے ذریعے امریش پوری کی معیت میں اپنی قیام گاہ پر پہنچا تھا۔

O

یہ "را" کا اپنے خاص مہمانوں کے لئے تیار کردہ "سیف ہاؤس" تھا۔ جس کی حفاظت کا یہ عالم تھا کہ عام حالات میں چڑیا بھی یہاں پر نہیں مار سکتی تھی۔ مہمانوں کے لئے "ڈنر" کا اہتمام کیا گیا تھا اور ڈنر سے فارغ ہو کر جیسے ہی امریش پوری نے مہمانوں کے آرام کے پیش نظر واپسی کا ارادہ کیا اس کے میزبان نے اسے روک لیا۔

"ہمیں پہلے کام کی بات کر لینی چاہئے۔" کرنل گوریان نے کہا۔

"لیکن اتنی رات گئے۔ آپ آرام کریں ہم صبح......"

"ہم جہاز میں سوتے آئے ہیں۔" کرنل گوریان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اپنی سیکرٹری کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا...... "اور یوں بھی حفاظتی اقدامات کے پیش نظر ہمیں علی الصبح تل ابیب کے لئے واپس جانا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ کسی بھی صورت دن کے اجالے میں اسرائیلی جہاز کو بھارتی حدود میں پرواز کرتے ہوئے دیکھ کر کسی کو شک گزرے۔"

امریش پوری نے چند ثانیے کے لئے سوچا وہ بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ یوں بھی وہ اس مرحلے پر کوئی کمزوری نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بڑے مضبوط اعصاب کے لوگ ہیں اور "را" کے سربراہ کی حیثیت سے اس کو بھی اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی وہ لوگ ملحقہ کمرے میں میٹنگ کر رہے تھے......!

امریش پوری کی مدد کے لئے اس کے چار ماتحت موجود تھے جب کہ کرنل گوریان کے

ساتھ دوسری طرف اس کی سیکرٹری بیٹھی تھی وہ خود گفتگو میں حصہ نہیں لے رہی تھی' بلکہ ضرورت پڑنے پر کرنل گوریان کو مطلوبہ معلومات ایک بریف کیس میں موجود چھوٹے سے کمپیوٹر سے چیک کر کے فراہم کرتی تھی جن کی بنیاد پر وہ گفتگو آگے بڑھاتا......!

امریش پوری اور اس کے ساتھی "موساد" کی پاکستان سے متعلق معلومات پر عش عش کر اٹھے تھے۔

ان کی دانست میں شاید بھارت دنیا کا واحد ملک تھا جس کا جاسوسی نظام پاکستان میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کہ اسرائیلیوں کو بہت سی ایسی باتوں کا علم بھی تھا جن سے "را" آگاہ نہیں تھی۔

اور اس وقت تو جو بات کرنل گوریان نے کہی تھی اس نے امریش پوری کو چونکا کر رکھ دیا' وہ کہہ رہا تھا۔

"پاکستانیوں کی طاقت کو مجتمع ہونے کا موقع نہ دو۔ انہیں منتشر کر دو۔ بیک وقت ان کے خلاف دو تین محاذ کھول دو۔ صرف کہوٹہ تک ہی کیوں محدود رہا جائے...... میرے دوست! یہ پاکستانی مسلمان بہت جذباتی ہیں۔ انہیں کوئی جذباتی ایشو ایسا نہ دو جس پر ساری قوم متحد ہو جائے۔ اگر ہم نے خود کو صرف پاکستان کے ایٹمی پلانٹ تک محدود رکھا تو یہ لوگ "اسلامی ایٹم بم" کے تحفظ کا نعرہ دے کر ساری قوم کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیں گے...... انہیں مختلف معاملات میں الجھائے رکھو۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو مجھے یہ کہنے دیں کہ آپ نے آج تک جھک ماری ہے۔ شاید 1971ء کی کامیابی نے آپ لوگوں کو اتنا مغرور اور متکبر بنا دیا ہے کہ آپ نے پاکستان کو "انڈر اسٹیمیٹ" کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ ایسی بات ہرگز نہیں۔ مسٹر پوری! یہ لوگ بہت مضبوط ہیں۔ اس کا اندازہ آپ سے زیادہ بہتر کون کر سکتا ہے۔ انہیں توڑنے کے لئے اندر سے توڑ پھوڑ کرنا ہوگی۔"

ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے سگریٹ سلگایا اور ایک لمبا کش لے کر دوبارہ اپنے چہرے پر نظریں جمانے والے گدھوں سے مخاطب ہوا۔

"تمہارے پاس 1971ء کا بہترین تجربہ موجود ہے۔ انہیں آپس میں لڑاؤ' زبان

ثقافت، حقوق اور علاقائی مسائل پر انہیں ایک دوسرے سے ٹکراؤ...... مذہب کے نام پر یہ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں۔ مذہب کے نام پر انہیں توڑا جا سکتا ہے۔ یہ دیکھو میں تمہیں بہت بڑی ٹپ دے رہا ہوں۔''

اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سامنے دیوار پر لگے پاکستان کے نقشے کے نزدیک پہنچ گیا۔

کونے میں رکھی چھوٹی سی چھڑی اٹھا کر اس نے نقشے پر نظریں گاڑ دیں۔ نقشہ قریباً آدھی دیوار پر پھیلا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ پاکستانی پنجاب پر نظریں دوڑانے لگا۔

بالآخر اس نے پنجاب کے ایک چھوٹے سے شہر پر چھڑی کی نوک جما دی۔ ''جھنگ''

اس کے منہ سے نکلا اور ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچنے لگی......!

''مسٹر پوری! یہ آتش فشاں ہے...... آتش فشاں...... ذرا سی چنگاری دکھاؤ سارے پاکستان کے امن و امان کو جلا کر راکھ کر ڈالو۔ اگر تم لوگ اس کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تو جاؤ اپنے گھروں میں بیٹھ رہو یا کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر لو۔''

''آل رائٹ''...... امریش پوری کو ساری بات کی سمجھ آ گئی تھی۔

''ہم اپنے دوستوں کے شکر گزار ہیں۔ جلد ہی ہم مل کر فتح کا جشن منائیں گے۔''

امریش پوری کو ابھی سے کامیابی کا نشہ چڑھنے لگا تھا۔

''مسٹر پوری! میری حکومت کسی قیمت پر کسی بھی مسلمان ملک کو ایٹمی استعداد حاصل نہیں کرنے دے گی۔ خواہ یہ جنگ ہمیں اکیلے ہی کیوں نہ لڑنی پڑے۔ ہم تو اسے اپنی بقا کی جنگ سمجھ کر لڑتے رہیں گے، لیکن پاکستان کا ایٹمی پروگرام آپ لوگوں کے لئے ہم سے بھی زیادہ تباہ کن ہے اور اس کا بہترین حل یہی ہے کہ پاکستانی حکومت کو دوسرے محاذوں پر الجھائے رکھو۔ بین الاقوامی سطح پر ہم ان لوگوں کو ایٹمی ایشو پر اتنا بدنام کر دیں گے کہ ساری دنیا کے دروازے ایک ایک کر کے ان پر بند ہوتے جائیں گے۔ بس ایک کام تم لوگوں نے کرنا ہے۔ ان کی لیڈر شپ کو اپنے قابو میں رکھنا۔ تاکہ وہ پاکستانی عوام کو ہمیشہ بھیک مانگنے کا درس دیتے رہیں۔ کوشش کرنا ان لوگوں کو کبھی اپنے زور بازو پر کچھ کر گزرنے کی عادت نہ پڑ جائے۔''

اس کی بات کے خاتمے پر ساری محفل نے مل کر قہقہہ لگایا تھا۔

O

صبح ہونے تک وہ لوگ پاکستان کی ممکنہ تباہی کے گھناؤنے منصوبے بناتے اور کامیابی کے تصور سے اپنے دل بہلاتے رہے۔

میٹنگ کے اختتام پر کرنل گوریان اور اس کی سیکرٹری ''را'' کی حفاظت میں ہوائی اڈے کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں اسرائیلی جہاز کا عملہ ''ری فیولنگ'' اور جہاز کے کل پرزوں کی ''ری چیکنگ'' کے بعد پرواز کے لئے تیار تھا۔ انجن سٹارٹ تھے۔ کار جہاز کے نزدیک رکی تھی......!

ایئر فورس کے چند اعلیٰ افسران ان کے استقبال کو موجود تھے۔ کرنل گوریان نے ان میں سے شاید ہی کسی کے ساتھ ہاتھ ملانا مناسب سمجھا تھا۔

کار سے اتر کر وہ ہاتھ ہلاتا قریباً بھاگتا ہوا جہاز کی سیڑھیوں تک پہنچا تھا۔ امریش پوری اس کے تعاقب میں سیڑھیاں چڑھتا جہاز کے دروازے تک گیا اور گرمجوشی سے مصافحہ کر کے لوٹ آیا۔

اس کے ساتھ ہی جہاز کا دروازہ بند ہو گیا۔

سیڑھی ہٹا لی گئی۔

چند منٹ بعد ہی جہاز نے رینگنا شروع کیا اور صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے رات کے اندھیرے میں آنے والا ظلمتوں کا پیامبر اندھیرے ہی میں غائب ہو گیا۔

بھارت کی حدود سے باہر نکلنے تک بھارتی ایئر فورس کے چار طیارے اس کی حفاظت کرتے رہے۔ جس کے بعد یہ پراسرار جہاز اپنے خصوصی اور خفیہ روٹ پر تل ابیب کی طرف چلا گیا۔

O

کارگل سے کھوئیہ تک پھیلی بھارتی سرحد کے ساتھ ساتھ پانچ میل تک بھارتی فوج نے حفاظتی پٹی قائم کر رکھی تھی۔

اس پانچ میل کے ایریا میں 24 گھنٹے کرفیو کا سماں رہتا تھا۔ انسان تو کیا چرند پرند اور ڈھور ڈنگر بھی اس حفاظتی پٹی میں پھٹک نہیں سکتے تھے۔

اور یہی وہ خونی لکیر تھی جسے عبور کر کے انہوں نے اپنے ٹارگٹ تک پہنچنا تھا......!!

اکتوبر کی وہ شام معمول سے زیادہ سرد اور گہری تھی۔ افق تا بہ افق پھیلے سیاہ بادلوں کے سلسلے نے ماحول کو منجمد کر کے رکھ دیا تھا۔ وقفے وقفے سے ہونے والی بوندا باندی ان کے لئے فی الوقت نعمت غیر مترقبہ تھی۔

پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوا کی کاٹ تلوار سے زیادہ گہری ہو رہی تھی۔ گرم جیکٹوں میں لپٹے ان کے جسم موسمی قہر کے سامنے کبھی کے ہتھیار ڈال چکے ہوتے' لیکن ان کا جذبہ حریت تھا یا پھر ان کا عشق' جس نے انہیں سرگرم عمل رکھا ناہموار اور بلند و بالا چٹانوں پر وہ جما جما کر قدم دھرتے ایک دوسرے کے تعاقب میں آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھے......!

اندھیرے میں زور سے بجلی کڑکتی اور ایک لمحے کے لئے ساری فضا روشن ہوتی تو وہ دم سادھ کر بیٹھ جاتے۔

میلوں عمودی چڑھائیاں چڑھتے اور اترتے ان کے ہاتھوں میں خون منجمد ہونے لگا تھا لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی تھی۔

اپنی پیٹھ پر ایمونیشن کا تھیلا باندھے گلے میں کلاشنکوف کو ہار کی طرح لٹکائے وہ قدم بہ قدم اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔

ان کے چاروں اطراف بھارتی فوج مورچہ بند تھی۔

کسی بھی چڑھائی کے موڑ پر' کسی بھی اترائی کے موڑ پر' اچانک ہی کوئی مورچہ ان کے راستے کی دیوار بن جایا کرتا تھا۔

گھات لگائے دشمن کو بھی اس بات کا علم تھا کہ مجاہدوں کی راہ گزر کون سی ہے۔ ان کے راستے میں آتش و آہن کا جال بچھائے اپنی انگلیاں ٹریگروں پر جمائے گرم سمور کے کوٹ پہنے بھارتی فوج بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔

اچانک ہی بجلی زور سے کڑکی تو نہ جانے کیوں امیر خاں کا دل زور سے دھڑکا حالانکہ یہ گرج چمک اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔

O

وہ حزب المجاہد کا مقامی کمانڈر اور اس علاقے کا بہترین آشنا تھا۔ یہاں کے درخت'

پہاڑ' چڑھائیاں' اترائیاں' ہوائیں' فضائیں اور موسموں کی رعنائیاں سب پر اس کی گہری نظر رہتی تھی۔

فضا کو سونگھ کر وہ موسم کے مزاج کا پتہ لگا لیا کرتا تھا۔

رات کا یہ بھیانک سناٹا' عمودی چٹانیں' گہرے کھڈ اور کھائیاں اور تاریک جنگلات کا طویل سلسلہ اور ہزاروں فٹ بلند خطرناک چوٹیاں اس کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔

لیکن......

آج نجانے کیوں اسے کچھ بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔

اسے بیٹھا دیکھ کر تعاقب میں آنے والے مجاہدین بھی اپنی اپنی جگہ جم کر کھڑے بیٹھ گئے۔ خدا جانے امیر خاں فضا میں کیا سونگھ رہا تھا۔

کچھ دیر تک وہ بیٹھا اندازہ لگاتا رہا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے اپنے تعاقب میں آنے والے ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ جیسے ہی اس کا اشارہ موصول ہوا اس کے ہمراہیوں میں جیسے بجلی سی کوندی اور انہوں نے بغیر آواز نکالے اپنے کندھوں سے لٹکتی رائفلوں کو فائرنگ پوزیشن میں کر لیا۔

امیر خان اب اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس نے دوبارہ پھونک پھونک کر قدم بڑھانے شروع کئے اور قافلہ سوئے منزل گامزن ہوا۔ اس مرتبہ اس کے ہمراہی حیران ہی تو رہ گئے کہ امیر خان نے معمول سے الگ راستہ اچانک ہی اختیار کر لیا تھا۔

اس بات کا احساس قافلے میں شامل صرف ان دو مجاہدوں کو ہو سکا جو اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ ان راہوں سے اس کی کمان میں گزر چکے تھے۔ نئے ساتھیوں کو اس تبدیلی کا علم نہ ہو سکا۔ دونوں مجاہدین کا ماتھا ایک لمحے کے لئے ضرور ٹھنکا۔

لیکن......!

ان کے لئے امیر خان کی کسی حرکت پر شک کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

وہ جانتے تھے امیر خان مر سکتا ہے غداری نہیں کر سکتا......!

وہ لوگ کشمیر کے سرحدی ضلع کپواڑہ میں سفر کر رہے تھے۔ ان کی منزل تریگام تھی اس

جبکہ انہیں پروگرام کے مطابق صبح ہونے تک پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن آج امیر خان نے اچانک راستہ بدل لیا تھا جس کا سیدھا مطلب یہی تھا کہ اب وہ صبح ہونے تک تریگام نہیں پہنچ سکیں گے۔

بارش اچانک زور پکڑنے لگی تھی۔

اس وقت وہ لوگ جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ یہ اترائی کا سفر تھا بارش نے جگہ جگہ پھسلن پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے کسی بھی مرحلے پر کسی مجاہد کا پاؤں لڑھکتا تو سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں گرتا۔

امیر خان کو اس تلخ حقیقت کا شدت سے احساس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی رفتار بہت کم کر لی تھی اور بہت پھونک پھونک کر اور آہستہ آہستہ قدم رکھتا تھا۔ اپنے ہمراہیوں کو وہ رک رک کر حوصلہ اور احتیاط سے چلنے کی تلقین بھی کرتا جا رہا تھا۔

بارش یوں تو ان کے لئے تائید خداوندی تھی کہ بارش کے شور میں ان کے قدموں کی آوازیں دب جاتی تھیں۔

لیکن......

پیدل چلنے میں جو مسائل پیدا ہو رہے تھے اس سے امیر خان کو پریشانی ہونے لگی تھی کیونکہ اس قافلے میں صرف دو پرانے ساتھی تھے باقی سب مجاہد پہلی مرتبہ یہاں سے گزر رہے تھے......!

اس نے راستہ یونہی نہیں بدلا تھا......!

اندھیرے میں چمکنے والی بجلی نے اس کی عقاب کی طرح گہری آنکھوں کو اچانک ہی ایک ایسا منظر دکھایا تھا جس نے اسے رک کر سوچنے اور راستہ بدلنے پر مجبور کیا تھا۔

ورنہ وہ اب تک تریگام پہنچ گیا ہوتا......!

بجلی کی چمک میں اس نے پہاڑ کی ڈھلان پر جو چند خیمے دیکھے تھے انہوں نے اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

خدا خدا کر کے اس اعصاب شکن سفر کا اختتام ہوا۔ اب وہ لوگ جنگل ہی میں موجود ایک جھونپڑے تک پہنچے تھے۔

اپنے ہمراہی پانچوں مجاہدوں کو اس نے اسی جھونپڑے میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

ان کے جسم کپڑوں میں بھیگے ہوئے تھے۔

جھونپڑے میں پہلے ہی سے ان کی ضروریات کی بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد وہ لوگ گرم قہوہ پینے اور اپنے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد قدرے نارمل ہو گئے تھے۔

اس درمیان صبح کا اجالا پھوٹنے لگا تھا۔

سب نے وہیں امیر خان کی امامت میں نماز ادا کی۔ اب دونوں پرانے مجاہد اس کی ہدایت پر تریگام سے اس طرف آنے والے راستے پر پہرہ دینے چلے گئے جب کہ وہ خود نئے ساتھیوں کے ساتھ ہی موجود رہا۔

سورج کی لرزتی کرنوں نے مظلوم و مقہور کشمیر پر اپنی زرد روشنیاں پھیلا دی تھیں۔

جب پہرے داروں میں سے ایک نے امیر خاں کو باخبر کیا کہ اس طرف کچھ چرواہے آ رہے ہیں۔

یہ مقامی بکروال تھے!

امیر خان کو ان ہی کا انتظار تھا۔

O

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ اس جنگل تک پہنچ چکے تھے۔ ان کی تعداد تین تھی وہ اپنی درجنوں بکریوں کے ساتھ معمول کے مطابق یہاں آئے تھے۔ شاید گھاس پھونس کی یہ جھونپڑی بھی ان ہی لوگوں نے اپنی ضروریات کے لئے تیار کر رکھی تھی۔

امیر خان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بے قراری سے ''سلام علیکم'' پکارتے اس کی طرف لپکے اور باری باری اس سے بغل گیر ہونے کے بعد اب دیگر مجاہدین سے مصافحہ کر رہے تھے۔

یہ لوگ اپنے ساتھ جو کچھ کھانے کو تیار کر کے لائے تھے انہوں نے مجاہدین کے سامنے رکھ دیا اور اب امیر خان کو الگ لے جا کر کچھ باتیں کر رہے تھے ان کی زبانی امیر خان کو علم ہوا کہ پہاڑی کی ڈھلان پر لگے ان خیموں میں کچھ غیر ملکی قیام پذیر ہیں۔ ان لوگوں نے اس علاقے میں اپنی پراسرار سرگرمیاں چند روز پہلے ہی شروع کی تھیں۔

''یہ لوگ بڑے پراسرار طریقے سے یہاں آئے تھے۔ انہیں ہیلی کاپٹروں میں لایا گیا تھا۔ بھارتی فوج کے اعلیٰ افسران ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہیلی کاپٹروں میں بیٹھ کر اس

علاقے کے چپے چپے کا جائزہ لیا ہے اور اب یہاں خیمے لگا کر بیٹھ گئے ہیں۔ ان لوگوں کی آمد کے ساتھ ہی بھارتی فوج کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا ہے اور ہندواڑہ، تریگام اور کلاس روم میں بھارتی فوج کے کمانڈوز کی نئی یونٹیں مورچہ بند ہونے لگی ہیں۔

اس سے پہلے بھارتی فوج کے سپیشل سروس گروپ کے لوگ کبھی اس علاقے میں نہیں دیکھے گئے تھے۔ ان کی آمد کے بعد شاید ان کی خصوصی حفاظت کے پیش نظر یہاں کمانڈوز کو رکھا گیا تھا۔

بکر وال میں سے ایک نے امیر خان کو بتانا شروع کیا۔

''کل ان لوگوں کی مدد سے بھارتی فوج نے یہاں بڑے بڑے ''انٹینا'' لگائے ہیں۔ امیر خان میرے خیال سے یہ لوگ کوئی انتہائی خطرناک قدم اٹھانے جا رہے ہیں۔ کل شام کو ایک جیپ میں ان کے دو آدمی تریگام آئے تھے شاید وہ بازار سے کچھ خریداری کر رہے تھے۔''

''یہاں ہمیں ایک چونکا دینے والی بات کا علم ہوا۔ امیر خان یہ یہودی ہیں...... مجھے یہ بات غلام نبی نے بتائی ہے۔ وہ پرانا فوجی ہے اور اس نے اپنی آدھی زندگی مشرق وسطیٰ میں گزاری ہے۔ اس نے مجھے قسم کھا کر بتایا تھا کہ یہ یہودی فوجی ہیں۔ خدا جانے یہ لوگ کس خطرناک مشن پر آئے ہیں...... ان کی آمد نے اس علاقے کے لوگوں کو بہت خوفزدہ کر دیا ہے کیونکہ ان کی آمد کے ساتھ ہی بھارتی فوج کے ظلم و ستم میں اضافہ ہونے لگا ہے...... ہر روز کسی نہ کسی بہانے کسی نہ کسی دیہات پر حملہ کیا جاتا ہے اور وہی تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے...... لوگ بہت خوفزدہ ہیں۔ کل دوپہر کو گاؤں کے چار نوجوانوں کو بھارتی فوج پکڑ کر لے گئے تھے جن کے متعلق ابھی تک علم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں......؟''

بکر وال مجاہد کی بات ختم ہوئی اور امیر خان گہری سوچ میں ڈوب گیا......!

اس کی مرکزی کمان کو ایک ایسے ہی خصوصی ذرائع سے اس بات کا علم تو ہو گیا تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس کے لوگ اس علاقے میں ''موساد'' کی مدد سے پاکستان کے خلاف نئی منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں کیونکہ مقبوضہ کشمیر سے پاکستانی ایٹمی پلانٹ تک رسائی آسان تھی۔

لیکن......!

ابھی تک انہیں کوئی ایسے شواہد نہیں ملے تھے جن کی بنیاد پر اس بات کو سچ مان لیا جاتا۔

''تو معاملات یہاں تک پہنچ گئے ہیں......؟''

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''تم لوگ کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو۔ اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کرو کہ یہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔ جیسے بھی ممکن ہو ہمیں کل شام تک اس بات کا علم ہو جانا چاہئے اس کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔''

اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''ٹھیک ہے میں گاؤں واپس جاتا ہوں اور ہم دوسرے راستے سے کچھ بکریاں چرانے کے بہانے اس طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو......'' امیر خان نے اسے دعا دے کر رخصت کیا۔

اب وہ واپس جھونپڑی میں آ گیا تھا۔ اس نئی اطلاع نے اسے پریشان ضرور کیا تھا کیونکہ یہودی کی اس خطے میں موجودگی کوئی نیک شگون نہیں تھا۔

دوپہر تک وہ لوگ رات کے سفر کی تھکان اتارتے رہے۔ اسی درمیان انہوں نے ظہر کی نماز ادا کی اور امیر خان نے نئے آنے والے مجاہد ساتھیوں کو اس علاقے کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ شاید انہیں اگلے ہی روز یہاں کوئی بڑا ایکشن کرنا پڑے بہر حال کسی بھی فیصلے کے لئے انہیں ہائی کمان کے حکم کا انتظار کرنا تھا۔

بکر وال کی واپسی سہ پہر کو ہوئی۔ اس نے ہانپتے ہوئے انہیں بھارتی فوج کی علاقے میں تازہ تعینات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ فوجیوں نے اسے پہاڑی ڈھلان کی طرف بھیڑیں چرانے سے منع کر دیا اور گالیاں دے کر واپس بھیج دیا ہے۔

''اب ہمیں خود ہی دیکھنا ہوگا......'' امیر خان نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اس نے بکر والوں کو ایک پیغام کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔ ان لوگوں کی منزل ہندواڑہ تھی۔ جہاں دوسرے مجاہدین اپنی صف بندیوں میں مصروف تھے۔ اس علاقے میں بھارتی فوجیوں کے اجتماع کا امیر خاں نے سخت نوٹس لیا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے ان تعینات کا صفایا کر دیا جائے کیونکہ اس راستے کو وہ دشمن کی دستبرد سے بہر صورت محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

O

دو دن تک وہ لوگ اسی جگہ چھپے رہے۔

اس درمیان نزدیکی بستی سے ان کا رابطہ رہا جہاں سے انہیں بھارتی نقل وحرکت اور تازہ تیاریوں کی اطلاع مل رہی تھی۔

تیسرے روز رات کے اندھیرے میں مجاہدین کا ایک اور قافلہ امیر خاں سے آن ملا اور لوگوں نے اسی روز علی الصبح ان تازہ مورچہ بندیوں پر حملہ کر کے انہیں تباہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔

انہیں یہ راستہ آنے والے مجاہدین کے قافلے کے لئے بہر صورت محفوظ رکھنا تھا گو کہ امیر خان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ اس علاقے میں اسرائیلی موجود ہیں۔

لیکن......!

ابھی تک اسے اس اطلاع پر یقین نہیں آیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ بھارت عالم اسلام کو ناراض کرنے کا خطرہ شاید نہ مول لے کیونکہ اس کے بظاہر اسرائیل سے تعلقات بھی اس نوعیت کے نہیں تھے۔

آدھی رات کو مجاہدین نے تہجد کی نماز ادا کی اور امیر خان کی کمان میں آہستہ آہستہ اس پہاڑی ڈھلان کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ان میں زیادہ تعداد مقامی مجاہدین کی تھی جنہیں علاقے کے چپے چپے سے واقفیت حاصل تھی۔ دن کے اجالے میں دوربین کی مدد سے امیر خان نے انہیں ان کے ممکنہ اہداف سے آگاہ کر دیا تھا اور ان کے ذمے یہ کام لگایا تھا کہ انہیں فرداً فرداً ان تازہ تعمیرات کو تباہ کرنا ہے۔

بڑے بڑے انٹینا تباہ کرنے کے لئے انہوں نے خصوصی طور پر کپواڑہ مرکز سے بارود کی سرنگیں منگوائی تھیں۔

چار مجاہدوں کا قافلہ جانیں ہتھیلی پر رکھ کر روانہ ہوا۔

یہ ان کا ہر دستہ تھا۔

اس دستے کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ تازہ تنصیبات میں ڈائنامیٹ لگائے جب کہ دوسرے مجاہدوں نے امیر خان کی کمان میں شب خون مارنا تھا۔ امیر خان کی ہر ممکن کوشش تھی

کہ یہاں موجود تین چار غیر ملکیوں کو زندہ گرفتار کر لیا جائے' بصورت دیگر انہیں کبھی اس بات کا علم نہ ہو پاتا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کن خطرناک منصوبوں کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔

چیتے کی طرح دبے پاؤں بغیر آواز بلند کئے خون رگوں میں منجمد کر دینے والی اس بھیانک رات میں مجاہدین قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

ابھی وہ مطلوبہ ہدف سے چند گز دور ہی تھے جب اچانک سرچ لائٹ کی تیز روشنی جاگی۔ اس کے ساتھ ہی ان کے سروں پر دھماکے ہونے لگے۔

دشمن چوکنا تھا!

سرچ لائٹ کی روشنی میں شک گزرنے پر اب وہ "روشنی راؤنڈ" فائر کر کے مجاہدین کے لئے دن کا سماں پیدا کر رہا تھا۔

امیر خان نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور مجاہدین کے ہتھیاروں نے دشمن پر قہر برسانا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کو کسی بھی ایمرجنسی کے پیش نظر فرار کے راستے از بر کروائے گئے تھے۔

اچانک فائرنگ کے ساتھ ہی زوردار دھماکے ہوئے جن سے امیر خان نے اندازہ لگا لیا کہ ہراول دستے کے مجاہدین نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ وہ لوگ شاید پہلی گولی چلنے کے منتظر تھے۔

وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر بجا لایا۔ اس مہم کا پہلا مرحلہ بخوبی طے پا گیا تھا۔ اب وہ اگلی کامیابی کی دعا مانگتا دشمن کے مورچوں کی سمت فائرنگ کر رہا تھا۔

اچانک ہی اپنے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اس نے اپنے ساتھ مجاہد کی طرف دیکھا جس نے اپنی آنکھوں پر اندھیرے میں دیکھنے والے شیشوں کی دوربین لگا رکھی تھی۔

ساتھی مجاہد نے ہاتھ کی انگلی سے اندھیرے میں ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے امیر خان کے ہاتھ میں دوربین پکڑا دی۔

امیر خان نے آنکھوں سے دوربین لگائی تو اسے پہاڑی ڈھلان سے ایک جیپ نیچے اترتی دکھائی دی۔

اسے یہ اندازہ لگانے میں ذرا دیر نہ لگی کہ یہ لوگ پہاڑی کی دوسری سمت موجود بھارتی فوج کے مضبوط مورچوں کی طرف فرار ہونا چاہتے ہیں کیونکہ وہ مورچے مجاہدین کے حملوں سے

محفوظ تھے جب کہ یہاں اس بات کا خطرہ بہر حال موجود تھا کہ کہیں مجاہدین اس مورچے تک نہ پہنچ جائیں۔

ایک مسکراہٹ امیر خان کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"الحمدللہ" اس نے کلمہ شکر ادا کیا۔

دشمن اس کے بچھائے جال میں پھنسنے جا رہا تھا۔

امیر خان کو پہلے سے اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ دشمن فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ان غیر ملکیوں کی زندگیاں بھارتی فوج کے نزدیک کتنی اہمیت کی حامل ہیں اور بھارتی فوج حملہ ہوتے ہی ان لوگوں کو محفوظ مقام پر پہنچانے کی کوشش کرے گی۔

شاید بھارتی فوج نے مجاہدین کے حملے کی شدت کو محسوس کر لیا تھا کیونکہ اس حملے میں اردگرد کے علاقوں سے مجاہدین نے اکٹھے ہو کر ایک لشکر کی صورت حملہ کیا تھا اور بھارتی فوج کے نزدیک یہ "بہت بڑا" حملہ رہا ہوگا ورنہ تو وہ بھی جانتے تھے کہ مجاہدین پانچ دس کی ٹولی میں رات کے اندھیرے میں شب خون مارتے ہیں اور صبح ہونے سے پہلے غائب ہو جاتے ہیں۔

لیکن......!

آج حملہ آوروں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہی رہی ہوگی اور بھارتی فوج اس علاقے کی تازہ مورچہ بندیوں پر مجاہدین کے حملے کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

O

امیر خان کے تین ساتھی بڑی بے چینی سے اپنے شکار کے منتظر تھے۔ انہوں نے پہاڑی ڈھلان سے نیچے آنے والی سڑک کے جس موڑ کو اپنا ٹھکانہ بنایا تھا اس کا گمان بھی دشمن کو نہیں گزر سکتا تھا۔

خدا خدا کر کے ان کی مراد پوری ہوئی اور انہیں بھارتی فوج کی ایک جیپ اس طرف آتی دکھائی دی۔ جیسے ہی جیپ نے پہاڑی کا ایک موڑ کاٹا، گھات میں لگے مجاہدین نے کٹا ہوا درخت سامنے گرا دیا۔

ہیڈ لائٹس کی روشنی میں جیپ ڈرائیور نے جب راستہ بند دیکھا تو گھبراہٹ میں بریک لگائی لیکن جیپ درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ جیپ کے سوار اس میں سے نکل

پاتے، موت کے فرشتوں کی طرح مجاہدین ان کے سروں پر مسلط تھے۔ جیپ کا ڈرائیور اور اس کا ساتھی بھارتی فوج کے افسر تھے جب کہ پچھلی سیٹ پر دو غیر ملکی شب خوابی کے لباس میں بوکھلائے بیٹھے تھے۔

جیپ کو وہیں چھوڑ کر مجاہدین چاروں کو اپنی حراست میں لئے پہاڑی سے ملحقہ جنگل میں غائب ہو گئے۔ جنگل میں داخل ہوتے ہی انہوں نے چاروں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ان کو دو گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

دونوں بھارتی افسروں کو اس جنگل میں پہلے سے منتظر ان کے ساتھی ایک طرف لے گئے تھے جب کہ دونوں غیر ملکیوں کو مجاہدین کا ایک اور گروپ اپنے ساتھ لے گیا۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی انہوں نے اپنے پاس موجود وائرلیس سیٹ کے ذریعے شاید حملہ آور مجاہدین کو اپنے مشن میں کامیابی کی اطلاع دے دی تھی کیونکہ اب فائرنگ میں کمی ہونے لگی تھی۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ مجاہدین پسپائی اختیار کر رہے ہیں۔

صبح کا اجالا ہونے سے پہلے پہلے وہ سب لوگ اپنا کام مکمل کر کے قیدیوں سمیت یہاں سے میلوں دور غائب ہو چکے تھے۔

O

اگلے دن علی الصبح بھارتی فوج کے ٹرکوں نے نزدیکی دیہاتوں کو گھیر لیا......!

بے گناہ اور بے بس بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر وہ قہر برساتے رہے۔ ان کے جسموں کو سنگینوں سے چھیدتے ہوئے بھارتی فوج کے درندے بار بار ان سے مجاہدین کے ٹھکانے دریافت کر رہے تھے لیکن جواب میں سوائے خاموشی کے اور کچھ سننے کو نہیں ملا تھا۔

وہ دیوانہ وار بے بسوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے۔ دو غیر ملکی کے اغواء اور اس خوف سے ان کا انتہائی خفیہ منصوبہ طشت از بام ہونے جا رہا تھا انہیں باؤلا کر دیا تھا۔

دوپہر گئے تک اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد انہوں نے تین نوجوانوں کو گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ پانچ بچیوں اور گاؤں کے دس پندرہ نوجوانوں اور بوڑھوں کو اکٹھا کر کے لے گئے اور دو نزدیکی دیہاتوں پر پٹرول چھڑک کر لکڑی کے مکانوں کو نذر آتش کر دیا۔

O

دونوں غیر ملکی قیدیوں کو مجاہدین اپنے مرکز میں لے آئے تھے۔ دونوں کی آنکھوں سے پٹیاں اتار دی گئیں تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ اندھے ہو گئے ہوں کیونکہ ان کے انداز سے کے مطابق گزشتہ تین گھنٹے سے وہ مسلسل حالت سفر میں تھے۔ اس درمیان کبھی پیدل' کبھی خچر کی پیٹھ پر' کبھی کسی مجاہد کی پیٹھ پر اور کبھی کسی گاڑی میں انہوں ں نے سفر طے کیا تھا۔

دونوں کو نارمل ہونے میں دو تین منٹ لگے تھے۔

''کون ہو تم لوگ؟ ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟''

ان کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو ان میں سے ایک نے انگریزی زبان میں سوال کیا۔

''میرا نام کمانڈر مختار ہے...... ہمارا تعلق کشمیر کی تحریک آزادی سے ہے اور ہم تمہیں گرفتار کر کے لائے ہیں کیونکہ تم ہمارے دشمن فوجیوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ لڑ رہے تھے۔''

ان کے سامنے کھڑے لمبے تڑنگے کشمیری مجاہد نے جواب دیا۔

''لیکن ہم نے تمہارے خلاف جنگ نہیں کی......'' اس شخص نے جواب دیا۔

''یہ تو تمہارا بیان ہے جب کہ ہماری اطلاعات مختلف ہیں۔ ہم نے تمہارے ساتھ دشمن کے دو افسروں کو بھی گرفتار کیا ہے جن کی مدد سے تم فرار ہو رہے تھے...... جواب ملا۔

''دیکھو ہم انجینئر ہیں...... ہمارا کسی فوج یا لڑائی وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تم ہمیں گرفتار کرو گے تو یہ بین الاقوامی انسانی قوانین کی خلاف ورزی بھی ہو گی۔ ہمارا تعلق بھارت یا بھارت کی فوج سے نہیں ہے۔''

''میرے خیال میں آپ دونوں اپنا تعارف کروا دیں تو ہم بات آگے بڑھائیں۔''

میرا نام جیکسن اور میرے ساتھی کا نام ارنی ہے۔''

اس مرتبہ جواب دوسرے غیر ملکی نے دیا تھا۔

''آپ کا تعلق کس ملک سے ہے اور آپ یہاں کیا کر رہے تھے؟''

کمانڈر مختار بڑے احترام سے دریافت کیا۔

''ہمارا تعلق سویڈن سے ہے ہم ایک باہمی معاہدے کے تحت بھارتی حکومت کی مدد

کے لئے آئے ہیں۔ ہم اس علاقے میں ٹیلی مواصلات نصب کرنے کے ایک منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔'' جیکسن نے جواب دیا۔

مختار نے ایک لمحے کے لئے باری باری ان کے چہرے کی طرف دیکھا اس درمیان کمرے میں موجود باقی مجاہدین خاموشی سے اپنی جگہ جم کر بیٹھے رہے۔

''کیا آپ کو یقین ہے مسٹر جیکسن کے آپ لوگوں نے سچ بولا ہے۔''

کمانڈر مختار کے اس اچانک نفسیاتی حملے نے ایک لمحے کے لئے دونوں کو گڑبڑا کر رکھ دیا۔

''ہمیں جھوٹ بولنے کی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم اس لڑائی کے فریق تو نہیں ہیں۔''

اس نے بظاہر سنبھل کر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ آپ ہمیں اپنی مکمل تفصیلات مہیا کیجئے۔ ہم اپنے ذرائع سے آپ کے بیانات کی تصدیق کریں گے اگر واقعی آپ کا تعلق سویڈن سے ہے تو ہم سویڈن حکومت سے آپ کی رہائی کے لئے بات کریں گے......'' کمانڈر مختار نے جواب دیا۔

''دیکھو جنٹل مین! ہم سویلین لوگ ہیں اور ہمیں تنگ کرنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔''

اس مرتبہ ارنی نے بڑے نرم لہجے میں اس سے کہا تھا۔

اس درمیان دو مجاہد ان کے لئے پرتکلف ناشتہ لے کر اندر داخل ہوئے تھے۔

''مجھے افسوس ہے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی اور ناشتے کے لئے کچھ دیر ہو گئی۔ آپ اپنی پسند کے کھانوں سے ہمیں آگاہ کر دیجئے ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی مرضی کے مطابق آپ کی خدمت کر سکیں۔ مجھے افسوس ہے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی لیکن اس کے ذمہ دار ہم نہیں بھارتی فوج ہے...... مجھے معذرت کے ساتھ آپ لوگوں کو بتانا ہے کہ جب تک تصدیق نہ ہو جائے کہ آپ واقعی وہی ہیں جو خود کو بتا رہے ہیں تب تک ہم آپ کو کوئی ضمانت نہیں دے سکتے...... آپ لوگوں کی صحیح شناخت کے بعد ہی کوئی بات کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے......''

کمانڈر مختار نے ان کی توقع سے بڑھ کر بے نیازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ابھی تک وہ ان کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ کر رہے تھے۔

''لیکن یہ غلط بات ہے...... آپ غلطی کر رہے ہیں......'' جیکسن کا لہجہ خاصا تلخ ہو گیا

تھا۔ وہ غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

''ہم اپنے کسی بھی عمل کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کے لئے کسی اور کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتے لیکن مسٹر جیکسن یا آپ جو کوئی بھی ہیں اس بات کا خیال رکھیئے کہ آپ کم از کم اس پوزیشن میں ابھی نہیں آئے کہ ہمارے کسی اقدام کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ کر سکیں۔ میرے خیال سے آپ خود کو نارمل رکھیں یہی آپ کے لئے بہتر ہے۔ دوسری صورت میں نقصان آپ ہی کا ہوگا۔ فی الحال آپ ناشتہ کریں آرام فرمائیں پھر ملاقات ہوگی۔''

اتنا کہہ کر وہ باہر نکل آیا۔

باقی مجاہد بھی اس کے تعاقب میں باہر آ گئے تھے۔ دونوں غیرملکیوں نے اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

دونوں کمرے میں اکیلے رہ گئے تھے جہاں انکی آنکھیں کھولی گئی تھیں۔ لکڑی بنا ہوا روایتی کمرہ تھا جس میں دو پلنگ دو کرسیاں ایک میز رکھی گئی تھی اور ایک کونے میں...... لیمپ رکھا ہوا تھا۔

دونوں ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر کچھ سوچتے ہوئے دونوں نے ناشتہ زہر مار کرنا شروع کر دیا۔

ناشتہ ان کی توقع سے بڑھ کر پرتکلف تھا۔ یوں بھی مسلسل بھاگ دوڑ نے انہیں تھکا دیا تھا اور اب وہ بھوک بھی محسوس کرنے لگے تھے۔

اس بات کا علم تو دونوں کو ہی تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور جلد یا بدیر مجاہدین کو اس بات کا علم ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

فی الوقت دونوں اسی سوچ میں غلطاں تھے......!!

O

''میرے خیال میں ہمیں سچ بتانا چاہئے تھا۔ کم از کم ہم اپنی قومیت صحیح بتاتے غلط بتانے سے ان لوگوں نے ہمیں رہا تو نہیں کر دیا...... ظاہر ہے یہ اپنی شرائط تسلیم کروائے بغیر ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔''

ان میں سے ایک جس نے اپنا نام ارنی بتایا تھا بولا۔

''میرا خیال تھا شاید ان لوگوں نے غلطی سے ہمیں پکڑ لیا ہے کیونکہ یہ غیرملکیوں کو تنگ نہیں کرتے اس لئے ممکن ہے ہمیں رہا کر دیتے۔ لیکن......'' جیکسن نے نامکمل بات کہہ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔

''میرے خیال سے بجائے اس کے کہ یہ لوگ خود ہماری اصلیت کا پتہ چلائیں ہمیں خود ہی انہیں سب کچھ بتا دینا چاہئے۔ اسطرح ممکن ہے ان کا رویہ ہمارے متعلق کچھ نرم ہو جائے۔ جہاں تک بھارتی فوج کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ یہ لوگ ہمیں ان کے شکنجے سے رہائی دلا سکیں۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ انہوں نے کیسی مضبوط مورچہ بندیوں میں سے ہمیں اغواء کیا ہے......'' ارنی بولا۔

''ہاں! بڑے مضبوط لوگ ہیں اور بڑے منظم بھی۔ ان کا جال دور اندر تک پھیلا ہوا ہے۔ معلوم نہیں ہم بھارتی علاقے میں ہیں یا پاکستانی علاقے میں۔ بہت ہوشیار معلوم ہوتے ہیں......'' جیکسن نے کہا۔

دونوں دیر تک اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے بالآخر وہ اس فیصلے پر مطمئن ہو کر چارپائیوں پر ڈھیر ہو گئے کہ وہ مجاہدین آزادی کشمیر کو اپنے متعلق سچ سچ بتا دیں گے لیکن اس بات کا انہوں نے عہد کر رکھا تھا کہ اپنے کام کی اصلیت چھپانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک سوئے رہے کیونکہ یہاں وقت کا صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ انہیں بند رکھا گیا تھا دروازہ کھلنے پر بھی سامنے حد نگاہ تک پہاڑ اور جنگل ہی دکھائی دیتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

دونوں کی آنکھ دروازے کی آہٹ ہونے سے کھلی تھی۔ اس مرتبہ دو مجاہد اندر داخل ہوئے جن کے ہاتھوں میں ان کے روزمرہ استعمال کی چیزیں اور کپڑے پکڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ چیزیں ان کے سامنے رکھ دیں اور چپ چاپ واپس لوٹ گئے شاید وہ انگریزی زبان نہیں سمجھتے تھے۔

دروازہ کھلا رہا......!!

ان کی آنکھوں کے سامنے مسلح مجاہدین گھوم رہے تھے۔ شاید یہ ان کا کوئی خفیہ ٹھکانہ تھا جہاں انہیں لایا گیا تھا۔

دونوں نے مجاہدین کے فراہم کردہ کپڑے تبدیل کیے ۔تھوڑی دیر بعد ان کے لئے کھانا اور چائے مہیا کی گئی ۔اس درمیان ان کے لاکھ متوجہ کرنے پر بھی کسی نے ان کے ساتھ بات نہیں کی ۔

جتنی دیر وہ کھانا کھاتے رہے وہ مستعد مجاہد ان کی ''خدمت'' کے لئے ان کے پاس موجود رہے ۔کھانے سے فراغت کے بعد جب وہ خالی برتن لے کر واپس لوٹے تو انہوں نے کمانڈر مختار کو اپنی طرف آتے دیکھا اس مرتبہ کمانڈر مختار کے ساتھ دو اور نوجوان تھے دونوں کو ان کے غیر کشمیری ہونے پر شک گزرا پھر یقین بھی آنے لگا ۔

''مجھے امید ہے آپ کو میرے ساتھیوں کی طرف سے ہر ممکن سہولت جو ہمارے اختیار میں ہے پہنچائی جا رہی ہے لیکن میں درخواست کروں گا کہ براہ کرم یہاں سے فرار ہونے کا تصور بھی نہ کیجئے ۔اول تو ہمارا ہی کوئی ساتھی آپ کو مار ڈالے گا یا پھر آپ زیادہ خوش قسمت ہوئے تو کوئی جانور آپ کو چیر پھاڑ ڈالے گا ۔ میں آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا ۔کل تک آپ کے بیانات کی تصدیق ہمارے ذرائع سے ہونے کے بعد ہی آپ لوگوں کے مستقبل کے بارے میں بتا سکیں گے ۔''

اس نے بڑے اطمینان سے کہا ۔

''مجھے آپ سے یہ کہنا تھا کہ.....'' جیکسن نے اس کی بات کے خاتمے پر کچھ کہنا چاہا پھر رک گیا ۔

''دراصل ہم نے گھبراہٹ اور خوف کے تحت آپ کو اصلیت نہیں بتائی ۔'' اس کے ساتھی ارنی نے اس کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا.....'' ہمارا تعلق اسرائیل سے ہے ۔ہم دونوں انجینئر ہیں ۔ ہمارے اصلی نام یہی ہیں جو آپ کو بتائے گئے ۔ ہمارا تعلق اسرائیل کی ایک الیکٹریکل کمپنی سے ہے اور ہم باہمی خفیہ معاہدے کے تحت بھارت کی مدد کر رہے ہیں ۔''

''آپ لوگ یہاں کیا کام کر رہے ہیں.....؟'' کمانڈر مختار کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

''ہم یہاں ٹیلی کمیونی کیشن کا جال بچھا رہے ہیں.....'' جواب ملا ۔

''لیکن یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں جس کے ذریعے بھارتی حکومت کا اتنا خفیہ طریقہ

اختیار کرنا پڑے .....ان کے اپنے انجینئر اور معاہدے موجود ہیں.....'' کمانڈر مختار کے دوسرے ساتھی نے جواب دیا ۔

''اس سوال کا جواب ہم تو نہیں دے سکتے یہ تو ہماری حکومت ہی دے گی.....'' ارنی نے کہا ۔

''مسٹر ارنی یا آپ جو کوئی بھی ہیں ۔اس بات کا اندازہ آپ کو ہو چکا ہوگا کہ ہم بے وقوف نہیں ہیں.....'' مختار کے پہلے ساتھی نے دوبارہ کہا ۔

پندرہ بیس منٹ کی گفتگو کے بعد دونوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس بات کا اقرار کیا کہ انہیں ''موساد'' کی طرف سے خصوصی مشن پر ''را'' کی مدد کے لئے بھیجا گیا ہے اور وہ لوگ پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کہوٹہ کی تباہی (خاکم بدہن) کے لئے یہاں ایک مشترکہ منصوبے پر کام کر رہے ہیں ۔

''یہ حسرت لے کر نجانے کتنے اس دنیا سے اٹھ گئے ۔کتنے اٹھنے والے ہیں ۔''

کمانڈر مختار کا خون غصے سے کھولنے لگا تھا ۔

اس کے ہمراہیوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے نارمل رہنے کی استدعا کی تھی ۔

دشمن مشترکہ حکمت عملی کے ساتھ میدان عمل میں اترا تھا ۔انہیں بیک وقت کئی محاذوں پر لڑنا تھا ۔اپنی بقا اور سالمیت کی جنگ!

☆☆☆

آستین کے سانپ

اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ بھارتی ملٹری اتاچی کو کچا چبا جائے جو اواس بندروں کی طرح اس کے سامنے منہ لٹکائے کھڑا اس کی ڈانٹ ڈپٹ سن رہا تھا۔

بریگیڈیئر شمیر دو تین مرتبہ اپنی دانست میں اسی ارادے سے اٹھا تھا کہ اس کا منہ نوچ لے لیکن ہر دفعہ اسے اپنے وزیراعظم کی وہ تنبیہہ یاد آجاتی تھی جو اس نے اگلے ہی روز شمیر کو دی تھی۔

''بریگیڈیئر! اس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا کہ عقل اور بہادری میں ہم دنیا کی سب سے بڑی اور عظیم قوم ہیں۔ اس لئے کبھی اپنے وقتی حلیفوں سے یہ توقع نہ رکھنا کہ وہ ہمارا ساتھ دیتے ہوئے ہماری توقعات پر پورا اتریں گے...... یہ لوگ ہمارے برابر کس طرح ہو سکتے ہیں...... بس اس بات کا خیال رکھنا کہ ہم نے دنیا کو اپنے مقاصد کے لئے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ خواہ ہمیں اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ پاکستان بنیاد پرستوں کا ملک ہے۔ ان لوگوں کی فطرت بھی الگ قسم کی ہے۔ دنیا کے دیگر مسلم ممالک کی طرح یہ صرف دھمکیاں نہیں دیتے اگر انہیں موقعہ ملا تو وہ بہت کچھ کر گزریں گے۔ ہمیں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو ختم کرنا ہے اور اس کے لئے ہمارا بیس کیمپ بھارت بنا ہے۔ ہم بھارتیوں کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے...... افغانستان کی صورت حال ایسی نہیں رہی کہ ہم ان سے زیادہ توقعات وابستہ کرسکیں۔ اس لئے بڑی احتیاط سے ان لوگوں سے ڈیل کرنا۔''

''لیکن سر! انہوں نے ہمارے دو آدمی دشمن کے قبضے میں دے دیئے تھے۔ ان کی غلطی سے بین الاقوامی طور پر ہماری پوزیشن صفر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہم نے دنیا کے سامنے مظلومیت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ جس کا پردہ فاش ہوتا نظر آرہا ہے۔''

اس نے ہمت کر کے کہا۔

''محض دو آدمیوں کی وجہ سے تم گھبرا گئے۔ ''موساد'' کے چیف کے منہ سے ایسی باتیں بہت عجیب لگتی ہیں۔ مسٹر شمیر! تم سے کس گدھے نے کہا ہے کہ ہم اس الزام کو تسلیم کر لیں گے۔ ہم کب یہ ماننے جا رہے ہیں کہ وہ دونوں اسرائیلی ہیں نہ ہی بھارتی حکومت ان کے اس الزام کو تسلیم کر رہی ہے...... اور یوں بھی کوئی سے دو غیر ملکی پکڑ کر انہیں اسرائیلی بنایا جا سکتا ہے۔ جب تک یہ لوگ انہیں بین الاقوامی پریس کے سامنے پیش نہیں کریں گے ان کی باتیں کیسے سچ مانی جائیں گی۔ بے فکر رہو دنیا کا بیشتر پریس ہمارے قبضے میں ہے اور ہم دنیا کو سچائی وہ بتائیں گے جو ہم چاہتے ہیں کہ دنیا کے علم میں آئے۔

اور ہاں......!

اس نے باہر جاتے ہوئے بریگیڈیئر شمیر کو روکتے ہوئے کہا۔

''مجھے علم ہے کہ یقیناً دونوں تمہارے بہت کام کے آدمی ہوں گے لیکن یاد رکھنا عظیم اسرائیل کی بقا کے لئے اس کے بیٹے اور بیٹیاں ہمیشہ جانوں کے نذرانے پیش کرتے آئے ہیں۔''

ایک لمحے کے لئے بریگیڈیئر شمیر کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی......!

وہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔

اس بات کا تو اسے علم تھا کہ ماضی میں اس کے ملک کا وزیراعظم بھی اس کی طرح دہشت گرد رہا ہے لیکن وہ آج بھی اتنا ہی بڑا دہشت گرد ہے۔ اس بات کا اندازہ اس نے نہیں لگایا تھا۔

اس کا وزیراعظم اسے مشورہ دے رہا تھا کہ اگر ''موساد'' اور ''را'' کے اس خفیہ معاہدہ کی سچائی دنیا کے علم میں آنے لگے تو اس کے دونوں ثبوت ضائع کر کے اس بات کو جھوٹ ثابت کر دے۔

O

آج صبح جب بھارت کا خصوصی ملٹری اتاچی اس سے ملنے آیا تو اس کا پارہ آسمان کو ضرور چھو رہا تھا۔

لیکن......

وزیراعظم کی یہ تنبیہ نما نصیحت بھی اسے یاد تھی کہ ان لوگوں نے بہر صورت بھارت کو ہاتھ میں رکھنا ہے۔

پاکستان کا ایٹمی پروگرام ان کے سر پر لٹکتی تلوار تھا۔ انہیں عراق کی طرح پاکستان کو بھی سبق سکھانا تھا خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔

''جب ہمارے درمیان یہ بات طے پا گئی تھی کہ ہمارے لوگوں کو آپ سویلین کی نظروں سے چھپا کر رکھیں گے تو انہیں سامنے لانے کی ضرورت کیا تھی؟'' بریگیڈیئر شمیر نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''جناب والا! اس میں صرف میرا قصور نہیں' دونوں انجینئر ہماری اجازت کے بغیر دو تین مرتبہ نزدیکی دیہاتوں کی سیر کر چکے تھے۔ ہم انہیں زبردستی روکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ وہ اس بات کی اجازت ہمیں کبھی نہ دیتے۔''

بھارتی اٹیچی نے کھسیاتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ کی طرف سے ہمیں یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ یہ علاقہ دہشت گردوں کے حملوں سے محفوظ ہے اور ان لوگوں کی ہر ممکن حفاظت کی جائے گی۔'' شمیر بضد رہا۔

''ایسا تھا...... ہم نے کبھی اس علاقے میں ان کی کسی کارروائی کا تصور بھی نہیں کیا تھا لیکن اس اطلاع نے کہ یہاں اسرائیلی موجود ہیں انہیں یہ خطرہ مول لینے پر مجبور کر دیا تھا...... بریگیڈیئر صاحب! انہوں نے اس حملے کی بہت قیمت ادا کی ہے بہت سے دہشت گرد مارے گئے ہیں۔ افسوس اس علاقے کے رہائشی ہونے اور یہاں کے خفیہ راستوں کا علم رکھنے کی وجہ سے وہ ہمارے شکنجے سے بچ نکلے اور دونوں کو نکال کر لے گئے۔''

''میری بات ذرا سنجیدگی سے سن لیجئے اور مسٹر پوری تک میرا یہ پیغام بھجوا دیجئے کہ اس راز کو ہر قیمت پر راز ہی رہنا چاہئے۔ ہمارے دونوں آدمیوں کو بچانے کی کوشش کیجئے اگر آپ انہیں دشمن کے شکنجے سے چھین نہیں سکتے تو انہیں دشمن کی حراست میں مار ڈالئے جتنی جلدی ممکن ہو۔

اس نے بالآخر فیصلہ کن لہجے میں بھارتی ملٹری اٹیچی سے کہا جو اب تک ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

O

امریش پوری کو اگلی ہی رات اس خصوصی وفد نے جو ملٹری اٹیچی کی قیادت میں تل ابیب گیا تھا۔ موساد کے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

امریش پوری زیرلب مسکرا دیا۔

وہ جانتا تھا کہ بادلِ نخواستہ ہی سہی اس کے دوستوں کو بہرحال یہی فیصلہ کرنا تھا۔

چند منٹ تک کچھ سوچنے کے بعد اس نے اپنے ماتحت کو فوری طور پر سری نگر روانگی کا سگنل دیا۔ وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔

سری نگر کے سنسان ہوائی اڈے پر رات کے دوسرے پہر ان کے جہاز نے لینڈ کیا۔ ''را'' کی ٹیم ایک خصوصی پرواز سے یہاں پہنچی تھی۔ چاروں طرف کرفیو لگا تھا۔ ایک طرح سے سری نگر کا ہوائی اڈہ صرف خصوصی پروازوں کے لئے ہی استعمال ہو رہا تھا کیونکہ معمول کی ایک آدھ پرواز ہی دہلی سے آتی یا پھر یہاں سے دہلی جاتی تھی۔

ہوائی اڈے پر فوج کا کنٹرول تھا۔

لیکن......!

''را'' نے صرف فوج پر بھروسہ نہیں کیا تھا۔ مجاہدین کی روز بروز بڑھتی کارروائیوں کے پیش نظر یہاں سیکورٹی کے خصوصی انتظامات دیکھنے میں آئے تھے اور ہوائی اڈے کے دس دس میل دور تک کسی کو پر مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں آنے والے اور جانے والے مسافروں کو بھی فوج اپنے خصوصی پہرے میں بند گاڑیوں میں لاتی اور لے جاتی تھی۔

امریش پوری کے استقبال کے لئے سری نگر میں ''را'' کا اسٹیشن چیف ناگی موجود تھا وہ خود کار چلاتا ہوا جہاز کی سیڑھیوں کے نزدیک لے گیا تھا۔

امریش پوری کے ساتھ اس کا صرف ایک ماتحت دہلی سے آیا تھا۔ ان لوگوں نے یہ سفر اپنے نام بدل کر کیا تھا۔ فوج کو صرف دو اہم شخصیات کی آمد کی اطلاع دے کر ان کے لئے خصوصی حفاظتی اقدامات کی تلقین کی گئی تھی۔

امریش پوری کی رہائش کا بندوبست ناگی نے اپنے نزدیکی ''سیف ہاؤس'' میں کیا تھا لیکن اس نے اچانک اپنا پروگرام بدل دیا۔

''فوج کے دوستوں کو مطلع کیا گیا ہے۔ انہوں نے بندوبست کر رکھا ہے ہم کل صبح وہیں

ملتے ہیں ناشتے کی میز پر...... اس بات کا علم تو آپ کو ہوگا ہی کہ میں ناشتہ صبح سات بجے کرنے کا عادی ہوں۔''

اس نے ناگی سے ہاتھ ملاتے ہوئے اسے الگ لے جا کر کہا۔

ناگی اس اچانک تبدیلی پر قطعاً حیران نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے چیف کو پچھلے پندرہ سال سے جانتا تھا اور یہاں بھی حالات کی سنگینی کا اسے احساس تھا لیکن وہ حیران اس بات پر ہو رہا تھا کہ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے اور امریش پوری نے اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے بجائے صبح آنے کی تلقین کی تھی۔

O

اس کی حیرانگی میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب اس نے ائیر فورس کی ایک کار کو تیزی سے اس طرف آتے دیکھا۔

کار ان کے نزدیک آ کر رکی۔ مودب شوفر نے دروازہ کھولا اور امریش پوری بغیر کچھ کہے سنے ''گڈ نائٹ'' کہہ کر اپنے ماتحت سمیت پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار فراٹے بھرتی ایئر پورٹ سے ملحق ائیر فورس کے بیس کی طرف جا رہی تھی جہاں ایک کونے میں جدید سہولیات سے آراستہ انٹیلی جنس کے ایک خصوصی آفس میں اس کی رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا۔

اس کی آمد کو خفیہ رکھنے کے لئے فوج کے حلقوں میں کسی فوجی افسر کی آمد کی افواہ سرِ شام ہی سے پھیلا دی گئی تھی۔ پہرے پر موجود فوجی جوان بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ جی ایچ کیو سے کوئی جنرل آیا ہے جس کار میں امریش پوری کو لایا گیا تھا وہ خاص طور سے آرمی کے اعلیٰ افسروں کے استقبال کے لئے ہی مخصوص تھی۔

امریش پوری جیسے ہی اپنی جگہ پہنچا ایک مستعد ماتحت نے اسے ''دوست'' کی موجودگی سے مطلع کر دیا۔

''ٹھیک ہے میں اسی وقت ملاقات کر رہا ہوں اور کافی بھی وہیں پہنچا دی جائے۔''

اس نے اپنے ماتحت سے کہا۔

اس نے اپنے ساتھ دہلی سے آنے والے ساتھی کے ہمراہ آرام دہ اور گرم ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو یہاں پہلے سے موجود ایک شخص کو جو مقامی کشمیری تھا اپنے استقبال کے لئے

کھڑے ہوتے دیکھا۔

یہ شخص کون تھا؟

کہاں سے آیا تھا؟

کس لئے اسے لایا گیا تھا؟

ان سوالات کے جوابات سیکورٹی پر مامور کسی بھی شخص کو نہیں مل سکے تھے۔

O

ایسے لوگ جو یہاں لائے جاتے تھے ان کی شناخت کو سب سے خفیہ رکھا جاتا تھا۔ راستوں کی حفاظت پر مامور گارڈز کو سختی سے ہدایت کی جاتی تھی اور وہ ایسے کسی بھی شخص کی شناخت جاننے کی کوشش نہ کریں۔ نو واردوں کی اصلیت کا علم وہی رکھتا تھا جو اس کا انچارج ہوتا تھا اور جس کے حکم پر اسے یہاں لایا جاتا تھا اور کسی کو بھی علم نہ ہو پاتا۔

لیکن......!

اس کھیل کے پرانے کھلاڑیوں میں سے ایک دو نے اس شخص کے چہرے کی جھلک دیکھ کر اسے پہچان لیا تھا۔

اس کی تصاویر آئے روز اخبارات میں چھپتی رہتی تھی۔

اس آستین کے سانپ کو وادی کے لوگ اپنے ایک خیر خواہ کی حیثیت سے مجاہدین کے ایک رہنما کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے تھے گوکہ یہ شخص ''انڈر گراؤنڈ'' تھا۔ اس کو زندہ یا مردہ گرفتار کروانے پر لاکھوں روپے کا انعام مقرر تھا۔

لیکن......!

اسے پریس میں ایک ''سازش'' کے تحت کوریج دی جا رہی تھی۔ بھارتی انٹیلی جنس کی یہ حکمت عملی بہت کامیاب رہی تھی کہ وہ ایسے غداروں کو جو مجاہدین کے بھیس میں دراصل ان کے چھوڑے ہوئے ٹاؤٹ تھے۔ خوب خوب پبلسٹی دے کر ان کی دھاک سادہ لوح عوام کے دلوں پر بٹھا دیا کرتے تھے تاکہ کسی کو ان کی اصلیت کا علم نہ ہو سکے۔

O

''سناؤ میر صاحب! کیا حال ہیں۔ آج کل تو آپ کی شہرت آسمان کی بلندیوں کو

چھونے لگی ہے۔ سرحد کے دونوں اطراف آپ کے بیانات بڑے زور وشور سے شائع ہو رہے ہیں......'' امریش پوری نے اس سے گرم جوشی سے معانقہ کرتے ہوئے کہا۔

''جناب والا! یہ سب کچھ آپ کی مہربانیوں اور محبتوں کے طفیل ممکن ہوا ہے۔ ورنہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ......'' میر صاحب نے بے غیرتی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''میر صاحب! چپ چاپ ہمارے اشاروں پر ناچتے رہیے۔ اگر آپ کی اور ہماری دوستی اسی طرح برقرار رہی تو یقین جانئے کہ وہ وقت دور نہیں جب آپ جموں کشمیر کے وزیر اعلیٰ ہوں گے......'' امریش پوری نے اس کے سامنے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

''جناب والا! میری تو جان بھی آپ کے لئے حاضر ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کوئی حکم دیا ہو اور اس کی تعمیل نہ کی گئی ہو اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی آپ اس خادم کو ہمیشہ وفادار ہی پائیں گے۔ بس ایک ذرا اس سردار کو لگام دے لیجئے۔ آج کل وہ کچھ زیادہ ہی اونچا اڑنے لگا ہے۔''

میر صاحب نے حق نمک جتاتے ہوئے التجا کی۔

''بے فکر رہیے میر صاحب کوئی کتنا بھی اونچا اڑے ہم جب چاہیں اسے منہ کے بل گرا دیں گے۔ میر صاحب! ہم سردار جیسوں کے پر کترنے جانتے ہیں۔ آپ مطمئن رہیے اور اپنا کام کرتے جائیے۔''

امریش پوری نے کافی کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے اسے مطلب کی طرف لانے کی ابتداء کی۔

''اس وقت آپ کو زحمت دینے کا کوئی ارادہ تو نہیں تھا لیکن بات ہی کچھ ایسی آن پڑی ہے کہ آپ کے سوا اور کسی طرف نظر جاتی ہی نہیں۔ میر صاحب بس یہ جانیے کہ آج ہماری اور آپ کی دوستی کا امتحان ہوگا۔ آپ تو جانتے ہیں ان کشمیریوں کے مرکز میں ہاتھ بہت لمبے ہیں اور خصوصاً مفتی صاحب آپ کے خلاف کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایک پرائم منسٹر صاحب ہیں کہ وہ مفتی صاحب سے آگے کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ انہوں نے پچھلے دنوں آپ کے خلاف خاصا طوفان اٹھایا تھا لیکن ہم آپ کے دوست جب تک موجود ہیں کوئی آپ کی ہوا کی طرف نہیں دیکھ سکتا...... میر صاحب! میں نے کل پرائم منسٹر صاحب سے میٹنگ کر

کے انہیں یقین دلایا ہے کہ وادی میں ہمیں آپ سے بڑا ہمدرد یا دوست نہیں مل سکتا اور جو کام میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں یہ بھی صرف آپ ہی کر سکتے ہیں......!''

امریش پوری بڑی مکاری سے اپنے شکار کی ایک ایک نبض پر ہاتھ رکھ رہا تھا۔ اس دوران میر صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔

''آپ حکم کیجئے جناب اس مفتی اور سردار کے بچے کو تو میں دیکھ لوں گا......'' اس نے اپنے مالک کی طرف دیکھا۔

تھوڑی دیر بعد امریش پوری اسے صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس نے گو کہ میر صاحب کو ساری بات سمجھا دی تھی لیکن اس بات کی اسے ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کہ دونوں اسرائیلی ہیں۔ اس نے میر صاحب کو یہی بتایا تھا کہ مجاہدین کی قید میں موجود ان دونوں غیر ملکیوں کی موت ضروری ہے اور ان کی موت میں ہی ان کی بقا ہے۔ بصورت دیگر وہ وزیر اعظم کے دل میں جو تھوڑی بہت جگہ پیدا کر سکا ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی اور عین ممکن ہے کہ وزارت داخلہ کے لوگ مفتی صاحب کے کہنے پر اس کے خلاف حرکت میں آ کر اسے کوئی نقصان ہی نہ پہنچا دیں۔

''جناب والا! آپ جانتے ہیں کہ وہ دونوں حزب المجاہدین کے قبضے میں ہیں اور یہ لوگ بڑے سخت ہیں لیکن میں بھی اس کیس کو چیلنج جان کر قبول کر رہا ہوں اور بہت جلد آپ کو خوشخبری مل جائے گی......'' میر صاحب نے کہا۔

''میر صاحب! میں نے آپ سے شروع ہی میں عرض کر دیا تھا کہ یہ امتحان کا وقت ہے اور ہمیں اس سے سرخرو ہو کر نکلنا ہے۔ آپ کسی بات کی پرواہ نہ کیجئے۔ پیسہ جتنا چاہئے جہاں چاہئے ہمیں حکم دیجئے۔ جس قسم کی مدد درکار ہو ہم حاضر ہیں۔ تاگی کو میں آپ کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کو کہہ دوں گا۔ لیکن مجھے نتائج چاہئیں۔ یہ لوگ کسی بھی طرح سرحد عبور نہ کر سکیں نہ ہی پریس کو ان کی ہوا لگنی چاہئے۔ اس سے پہلے بہرصورت انہیں ختم کر دیا جائے۔''

امریش پوری نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''آپ مطمئن رہیے پانچ روز کے اندر اندر آپ کا یہ کام ہو جائے گا۔'' میر صاحب نے بالآخر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''مجھے آپ سے یہی امید ہے۔''

امریش پوری نے مسکراتے ہوئے اپنے ماتحت کی طرف دیکھا جس نے بریف کیس کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''یہ دو لاکھ روپے ہیں۔ابتدائی اخراجات رکھ لیجئے۔اس کے علاوہ جتنے پیسوں کی دنیا کی جس کرنسی میں بھی ضرورت ہو ہمیں مطلع کر دیجئے۔باقی باتوں کا تو آپ کو علم ہی ہے۔ہم رابطے کے لئے پہلے والا طریقہ اور نمبر اختیار کریں گے۔''

''ٹھیک ہے......''

میر صاحب نے اپنی کمر سے بندھے کینوس کے تھیلے میں نوٹوں کے بنڈل رکھتے ہوئے اسے احتیاط سے اپنی کمر کے ساتھ دوبارہ باندھتے ہوئے کہا۔

''مجھے اب چلنا چاہئے صبح ہونے سے پہلے پہلے میرا اپنے ساتھیوں میں موجود ہونا بہت ضروری ہے۔میں انہیں کسی شک کا موقع نہیں دینا چاہتا......'' اس نے کہا۔

''آپ نے بالکل بجا فرمایا۔''

امریش پوری نے اس سے دوبارہ معانقہ کر کے اسے رخصت ہونے کی اجازت دی۔

اس کے گھنٹی بجانے پر ایک مستعد کمانڈو اندر آ گیا تھا۔جو امریش پوری کی آنکھ کے اشارے ہی سے ساری بات سمجھ گیا تھا۔اس کمرے میں نکلنے سے پہلے میر صاحب نے اپنے چہرے پر برستی لعنت کو اپنے کندھے پر رکھی بڑی سی کشمیری شال میں چھپا لیا۔

جب وہ ایک فوجی جیپ میں اپنی پناہ گاہ کی طرف جا رہا تھا تو بہت غور سے دیکھنے پر بھی کوئی اس کی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

ہوائی اڈے سے قریباً دس میل کی دوری پر اس نے جیپ والوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور جیپ سے نیچے اتر آیا اس نے جیپ میں رکھی اپنی کلاشنکوف گن کو کندھے سے لٹکا لیا تھا اور خود اس پہاڑی سلسلے پر پھیلی اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گیا۔

وہ پیدل ہی چل رہا تھا۔یہاں نزدیک دور کوئی سواری نظر نہیں آ رہی تھی۔چلتے چلتے اچانک وہ ایک موڑ مڑ گیا۔یہ راستہ نزدیکی آبادی کی طرف جاتا تھا۔اس آبادی میں اس کا آبائی گھر تھا۔جس کے نزدیک دور تک بھی کوئی سیکورٹی کا اہلکار نظر نہیں آتا تھا۔

صرف دکھاوے کی کارروائی کیلئے یہ لوگ کبھی کبھی یہاں چھاپہ مار لیا کرتے تھے اور میر

صاحب کے کسی رشتہ دار کو تھانے لے جا کر بٹھا دیتے جہاں سے تین چار روز کے بعد اسے اس نصیحت کے ساتھ رہا کر دیا جاتا کہ وہ باہر جا کر لوگوں کو خود پر ٹوٹنے والی قیامت کی کہانی ضرور درد درد کر سنائے۔ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے اس کے جسم پر کچھ ایسے نشانات بھی بڑی ہوشیاری سے لگا دیئے جاتے جو اس کی اس کہانی کو حقیقت کا رنگ دے سکیں۔

صبح اذان ہو رہی تھی جب میر صاحب ایک دیوار پھلانگ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ان کے بیٹے کو جیسے والد صاحب کی آمد کی پہلے سے خبر کر دی گئی تھی اور اس کے گھر والے دیدہ و دل فرش راہ کئے اس کے منتظر تھے۔

جیسے ہی اس نے گھر میں قدم رکھا ایک ایک کر کے گھر کے مکین اس سے لپٹنے لگے۔میر صاحب کے لئے انہوں نے خاص کشمیری ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔میر صاحب نے ڈٹ کر ناشتہ کیا گھر والوں کی شکایات نوٹ کیں۔اپنے بیٹے کو مقامی اخبار کے لئے بیانات تیار کر کے دیئے۔ایک خطیر رقم اپنی بیگم صاحبہ کے حوالے کی اور اپنی راہ لی۔

محلے میں اکثر لوگوں نے انہیں گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔

لیکن......!

اس محلے کے بدقسمت کشمیری کیونکہ انہیں مجاہد آزادی سمجھتے تھے اس لئے ہر کسی نے ان کے احترام میں اپنی آنکھیں اور گردنیں جھکا لی تھیں اور بڑے احترام سے ان کو سلامتی کی دعائیں دیتے ہوئے رخصت کر رہے تھے۔

O

دونوں کو یہاں آٹھ روز ہونے کو آئے تھے اس درمیان کبھی کبھی ان سے مختار باتیں کرنے آ جایا کرتا تھا انہیں مجاہدین کے اس کیمپ میں گھومنے کی اجازت تھی لیکن جو علاقہ ان کے گھومنے کے لئے مخصوص تھا وہ 20 گز مربع سے زیادہ نہیں تھا۔انہیں اب تک صرف اتنا علم ہو سکا تھا کہ وہ کسی پہاڑ کے دامن میں قید ہیں۔جس کے چاروں طرف جنگل اور گہرے کھڈ ہیں۔

ان کی ہزار کوشش پر ابھی تک کسی مجاہد نے ان کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔یہ لوگ ان کی ہر ضرورت جو ان کے اختیار میں تھی پوری کر رہے تھے لیکن مختار کے علاوہ اور کوئی ان سے بات نہیں کرتا تھا۔

پہلے پہل تو دونوں یہی سمجھے کہ ان لوگوں کو شاید انگریزی زبان نہیں آتی لیکن پھر انہیں اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی اور وہ جان گئے کہ مجاہدین جان بوجھ کر ان سے بات نہیں کرتے۔

شاید انہیں اس کی خصوصی ہدایت کی گئی تھی۔

مختار کے ذریعے ان کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ مجاہدین نے ان کی رہائی کے عوض اپنے پندرہ ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ اگر بھارتی حکومت نے انکا مطالبہ تسلیم کر لیا تو وہ انہیں رہا کر دیں گے بصورت دیگر انہیں کبھی رہائی نصیب نہیں ہوگی گو کہ کمانڈر مختار نے کبھی ان سے یہ بات نہیں کہی تھی لیکن وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ اب ان کی رہائی صرف مجاہدین کے ساتھیوں کی رہائی سے ہی مشروط ہے......!

لیکن......!

آج ان کے سامنے مختار نے بڑی عجیب بات کہی تھی۔ اس نے دونوں سے کہا تھا کہ اگر وہ رضاکارانہ طور پر بین الاقوامی پریس کے سامنے اپنی اصلیت بیان کرنے پر رضامند ہو جائیں تو انہیں فوراً رہا کیا جا سکتا ہے۔

دونوں نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ اول تو ایسا ممکن ہی نہیں اگر انہوں نے مجاہدین کی بات مان بھی لی تو انہیں زندہ درگور کر دیا جائے گا۔

دوسری صورت میں تو ممکن ہے کہ وہ "را" یا "موساد" کی کوشش سے رہا ہو جائیں اور کوئی بڑا ایکشن کر کے انہیں مجاہدین کی قید سے چھٹکارا دلا دیا جائے لیکن اگر انہوں نے کبھی اس غلطی کا ارتکاب کر لیا اور پریس کے سامنے آ کر اپنی اصلیت بیان کر دی تو "موساد" انہیں زمین کی ساتویں تہہ سے نکال کر جہنم رسید کر دے گی۔

"تم ہمیں بلیک میل کر رہے ہو......؟" جیکسن نے اس کے مطالبے پر کہا۔

"یہ تمہارا حسن ظن بھی ہے اور بدگمانی بھی۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمیں اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں نے تو تمہیں جلد رہائی کی شرط سے آگاہ کیا ہے۔ اگر تم یہ شرط قبول کر لو تو میرے ساتھیوں کو تمہاری رہائی میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اگر تم ہماری بات نہیں مانتے تو پھر تمہاری حکومت کو ہماری بات مان لینی چاہئے"...... مختار نے جواب دیا۔

"ہم مر تو سکتے ہیں لیکن اپنے ملک سے غداری نہیں کر سکتے"...... ارنی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی آپ بہرحال ہمارے مہمان ہیں۔" مختار مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔

آج انہیں نواں دن ہوا تھا اور وہ یہاں کچھ اجنبی چہرے دیکھ رہے تھے۔ شاید مجاہدین کی ڈیوٹیاں بدل رہی تھیں کیونکہ جو دستہ پہلے انکی حفاظت پر مامور تھا وہ لوگ رات کو یہاں سے جا چکے تھے اور ان کی جگہ کچھ نئے لوگ آئے تھے انہیں معمول کے مطابق مغرب کے فوراً بعد اس کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا۔

کمرے کی چھت خاصی اونچی تھی جس کے ساتھ موجود روشن دان سے ہی کچھ روشنی اندر آیا کرتی تھی یا پھر وہ اندر لالٹین جلائے رکھتے تھے۔

دونوں کو لیٹے ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے جب انہوں نے روشن دان سے ایک کنکر میں لپٹا کاغذ کا ٹکڑا کمرے میں گرتے دیکھا۔

جیکسن نے لپک کر کاغذ کا ٹکڑا اٹھا لیا اور بے چینی سے اسے کھول کر لیمپ کی روشنی میں پڑھنے لگا۔ اس پر لکھا تھا۔

"ان لوگوں کی کوئی بات نہ مانو کسی صورت بھی پریس کے سامنے نہیں آنا۔ ہم تمہارے بہت نزدیک ہیں اور تمہاری رہائی کی ہر ممکن کوشش جاری ہے۔ رقعہ پڑھتے ہی ضائع کر دو۔"

دونوں نے باری باری رقعہ پڑھا اور ان کے دل بلیوں اچھلنے لگے۔ انہیں اس بات کا اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ پیغام "موساد" کی طرف سے آیا ہے ارنی نے فوراً ہی کاغذ کے ٹکڑے کو لیمپ کی لو سے جلا کر راکھ کر دیا اور پھر یہ راکھ اس طرح غائب کر دی کہ کسی کو شک ہی نہیں گزر سکتا تھا۔

اب دونوں بڑے مطمئن ہو کر لیٹے تھے ان کے دل میں اگر کوئی معمولی سا خوف بھی تھا تو وہ دور ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کسی ذہنی دباؤ کے تحت وہ مجاہدین کی پریس کانفرنس کے سامنے پیش ہو کر حقائق بیان کر دینے والی بات مان لیتے لیکن اب وہ ایسی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

O

غلام نبی نے زندگی میں شاید ہی کبھی سو کا نوٹ دیکھا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ہزاروں روپے کے نوٹ پڑے تھے اور اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"غلام نبی! خدا کی زمین انسانوں پر کبھی تنگ نہیں ہوتی۔ تم صرف ایک بات سوچو تم تین جوان بچیوں کے باپ ہو۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تمہاری بچیوں کی ہندو فوجی اجتماعی آبروریزی کریں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو تمہارے پاس کیا رہ جائے گا۔ تم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گے۔ غلام نبی اور ہاں...... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ انٹیلی جنس کو اس بات کا علم نہیں کہ تم مجاہدین کے ساتھ ہو۔ یاد رکھنا آج کل میں وہ لوگ تمہارے گھر پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔ وہ تمہاری بیوی اور بیٹیوں کو تھانے لے جائیں گے...... اور وہاں ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا اس کا اندازہ تم لگا سکتے ہو۔ غلام نبی بے وقوف مت بنو۔ ان لوگوں کے فریب میں نہ آؤ۔ کسی نے تمہیں آزادی نہیں دینی...... اور اگر آزادی مل بھی جائے تو تمہارے کس کام کی۔ تمہیں تو پھر بھی اسی طرح کما کر اولاد کو کھلانا ہوگا...... ایک لاکھ روپیہ تھوڑی رقم نہیں ہوتی تم کشمیر سے ہجرت کر کے بھارت کے کسی بھی دوسرے شہر میں آرام سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہو۔ وہ تمہارا ایک سالا بھی تو ہے بمبئی میں۔ اس کے ساتھ ہی مکان لے لینا۔ میں تمہیں اس بات کی گارنٹی لے کر دیتا ہوں کہ تمہیں وہاں تک پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔"

میر صاحب نے غلام نبی کو اپنے سامنے بٹھایا ہوا تھا......!

دونوں اس وقت کپواڑہ کے باہر ایک جنگلی سلسلے میں موجود تھے۔ غلام نبی نے حال ہی میں بندوق اٹھائی تھی اور وہ اگلے ہی روز مجاہدین کے اس قافلے میں جا رہا تھا جس نے اسرائیلیوں کو اپنی حفاظت میں لینا تھا......!

غلام نبی کبھی مضبوط ارادے کا مالک نہیں رہا تھا۔

وہ غریب مزدور تھا سارا دن بوجھ اٹھانے سے اس کی کمر میں مستقل جھکاؤ پیدا ہو گیا تھا یہ اس کی بدقسمتی کی انتہا تھی کہ اس نے مجاہدین کی اس تنظیم کو بھی لالچ کے تحت چنا تھا۔

اسے امید تھی کہ حزب المجاہدین میں شامل ہونے سے اس کے معاشی مسائل کسی حد تک حل ہو جائیں گے کیونکہ کشمیر کے لوگ مجاہدین کی چوری چھپے مدد کر دیا کرتے تھے۔

میر صاحب اسے آج نہیں دس سال سے جانتے تھے جب وہ ان کے سیاسی جلسوں

میں شامل ہوا کرتا تھا۔ غلام نبی ان کا محلے دار تھا اور میر صاحب نے نشانہ دیکھ کر تیر پھینکا تھا۔

اپنی جوان بیٹیوں کی عصمت دری کا خوف اور اتنی زیادہ رقم کے لالچ نے کمزور ارادے اور بری نیت والے غلام نبی کے ایمان کو ڈگمگا دیا......!

"تم مجاہدین کے خلاف کچھ کرنے کو تو جا نہیں رہے۔ آخر اس میں گھبرانے والی بات کیا ہے۔ تم نے تو دو کافروں کے کھانے میں زہر ملانا ہے اور بس...... ظاہر ہے تم جہاں بھی جاتے ہو مجاہدین تم سے کھانا پکانے کی خدمت ہی لیتے ہیں۔ ان کے لئے بھی کھانا تم ہی پکاؤ گے۔ کھانے میں زہر ملا دینا اور بس تمہارا کام ختم...... جیسے ہی تمہارا کام مکمل ہوا چپ چاپ وہاں سے نکل آنا۔ میرے آدمی بحفاظت تمہاری واپسی کے ذمہ دار ہیں۔ حکومت تمہیں تمہارے بچوں سمیت راتوں رات کشمیر سے باہر پہنچا دے گی...... اور ہاں اگر تم مزید ضمانت چاہتے ہو تو میں آج ہی تمہاری بیوی اور بچیوں کو جہاں بھی تم کہو پہنچا دیتا ہوں۔"

بالآخر میر صاحب نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دیا۔

اب غلام نبی کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"مجھے کرنا کیا ہے......" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں...... مطمئن رہو۔ یہ چھوٹی سی شیشی دیکھ رہے ہو۔ یہ دنیا کا سب سے زیادہ سریع الاثر زہر ہے۔ دونوں کو جو کھانا جائے گا اس میں زہر کے چند قطرے شامل کر دینا۔"

"میں تیار ہوں' لیکن تمہیں میری بیوی اور بچیوں کو آج رات ہی دہلی پہنچانا ہوگا۔"

کمزور ایمان کے مالک غلام نبی نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی اور ہاں تم ضرورت کے لئے تھوڑے پیسے اپنے پاس رکھ لو باقی میں تمہارے گھر والوں کو ہی دے دوں گا۔ تمہارے پاس اگر اتنی زیادہ رقم کسی نے دیکھ لی تو ان لوگوں کو شک پڑ سکتا ہے۔"

میر صاحب نے اسے دو تین ہزار روپے تھماتے ہوئے باقی رقم بڑی ہوشیاری سے واپس رکھ لی تھی۔

"میر صاحب! بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔" ہوس کے مارے غلام نبی نے پیسے اپنی جیبوں میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"اچھا پھر خدا حافظ......! کیمپ سے تمہارا زیادہ دیر باہر رہنا بھی ٹھیک نہیں ۔ مطمئن رہنا اور میرے کہے پر عمل کرنا ۔ کام مکمل ہوتے ہی اسی راستے پر آنا ہے جس پر میں نے تمہیں آنے کے لئے کہا ہے ۔ قریباً ایک فرلانگ دور ہم لوگ تمہاری حفاظت کے لئے موجود ہوں گے ۔ یہاں سے تمہیں محفوظ راستے سے نکال کر لے جائیں گے ۔"

میر صاحب نے قربانی کے بکرے کو سمجھاتے ہوئے کہا ۔

تھوڑی دیر بعد دونوں الگ ہو گئے ۔

میر صاحب زمانے کا کائیاں آدمی تھا ۔ وہ ایک ایک چال سمجھ کر چل رہا تھا ۔ اس نے اپنی دانست میں ایسا منصوبہ بنایا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے ۔ اپنی کامیابی کے تصور ہی سے وہ جھوم رہا تھا ۔ اس سودے میں نہ صرف اسے کم از کم پانچ لاکھ روپے ملنے کی امید تھی بلکہ اس طرح وہ مستقبل میں اپنے دیرینہ سیاسی حریف سردار صاحب اور مفتی صاحب کو بھی کھینچ سکتا تھا ۔ اس نے امریش پوری کی مدد سے اپنے سیاسی حریفوں کو بے عزت کرنے کا بڑا گھناؤنا منصوبہ تیار کیا تھا ۔

لیکن......

اس کے سارے منصوبوں کی کامیابی کا دارومدار غلام نبی پر تھا ۔ اگر اس کا وار چل جاتا تو میر صاحب کے وارے نیارے ہو جاتے ۔

O

غلام نبی کی حیثیت یوں تو مجاہدین کے اس لشکر میں ایک باورچی کی سی تھی لیکن تمام مجاہدین کی اکثریت تو جوانوں پر مشتمل تھی اس کی بہت عزت کرتے تھے ۔

وہ اسے اکثر چاچا کہہ کر پکارا کرتے انہیں اس بات کا علم تھا کہ غلام نبی نے اپنی جوان بیٹیوں کی عصمت داؤ پر لگا کر اپنے سر پر کفن باندھا ہے...... کسی بھی مجاہد کے خاندان کے ساتھ ہندو درندے کیا سلوک کرتے تھے ۔ اس بات کا ان سب کو بخوبی علم تھا ۔

آج بھی مجاہدین کا جو دستہ غیر ملکی قیدیوں کی حفاظت کے لئے آ رہا تھا اس میں غلام نبی شامل تھا اور مجاہدین بطور خاص اس کا خیال رکھتے تھے......!!

غلام نبی کو بتایا گیا تھا کہ ان کے کیمپ میں دو غیر ملکی قیدی موجود ہیں جن کی خوراک کا

بطور خاص خیال رکھنا ہے ۔

"جناب آپ بے فکر ہو جایئے کبھی شکایت کا موقعہ ملا ہے آپ کو اس سے پہلے"......!!

اس نے کمانڈر مختار سے کہا تھا ۔

صبح کا ناشتہ وہ خود مہمانوں کے لئے بنا کر لے گیا تھا ۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا شام کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد مجاہدین ان دونوں قیدیوں کو بند کر دیتے تھے اور بند کرنے سے پہلے انہیں رات کا کھانا اور قہوہ بھی ساتھ ہی دے دیا جاتا تھا ۔ صبح جب ان کا کمرہ کھولا جاتا تو رات کے برتن اٹھا لئے جاتے تھے ۔

غلام نبی نے اسی وقت کا انتخاب کیا تھا ۔

اس نے اگلے کسی دن کا انتظار کرنے کے بجائے آج ہی کے دن کو اپنے کام کے لئے مناسب جانا تھا اور اب وہ جلد از جلد اپنا کام کر کے نکل جانا چاہتا تھا ۔ کیونکہ اس کی بیوی اور بچیاں میر صاحب کے کہنے کے مطابق اب تک دہلی کیلئے روانہ ہو چکی تھیں اور وہ خود ایک لاکھ روپیہ لے کر ان کے ساتھ ہی دہلی پہنچنا چاہتا تھا ۔

بے چارہ غلام نبی......!

اس نے کانپتے ہاتھوں تیار کھانے میں زہر شامل کیا یہ زہر اس نے کھانے کی تمام ڈشوں کے علاوہ قہوے میں بھی ڈال دیا تھا تاکہ قیدیوں کے زندہ بچ رہنے کا کوئی چانس ہی باقی نہ رہ جائے ۔

کھانا قیدیوں کے سامنے رکھ کر وہ باہر آ گیا ۔ یہی اس کی ڈیوٹی تھی باقی کام دوسرے مجاہدوں کا تھا ۔ باورچی خانے میں پہنچنے کے بعد اس نے شام کی اذان کی آواز سنی جب مجاہدین نماز کی تیاریوں میں مصروف تھے تو غلام نبی چپ چاپ اسی راستے کی طرف نکل گیا جس طرف اس کی دانست میں میر صاحب کے لوگ اسے اپنی حفاظت میں لینے کے لئے موجود تھے ۔

سردیوں کی وجہ سے یہاں مغرب کے ساتھ ہی اندھیرا بڑھنے لگتا تھا ۔ اس وقت بھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ وہ گھنے جنگلی راستے پر سفر کر رہا تھا ۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ تھے یا پھر گھنا جنگل......!!

غلام نبی اندازے کے مطابق قریباً ڈیڑھ فرلانگ تک چلا تھا جب اسے ٹارچ کی روشنی

اپنی طرف بڑھتی دکھائی دی۔ یہ اشارہ ان لوگوں نے پہلے سے اپنے آپس کے ملاپ کے لئے مقرر کیا تھا۔

غلام نبی اپنی جگہ رک گیا۔

O

ابھی اسے وہاں کھڑے چند سیکنڈ ہی گزرے تھے جب اسے اپنے پہلو میں انگارے گھسنے کا احساس ہوا۔

اس سے پہلے کہ اسے صورت حال کی سمجھ آتی اچانک ہی درجنوں گولیوں نے اس کے جسم کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس کے جسم پر بہت قریب سے سلینسر لگے پستولوں سے فائرنگ کی جا رہی تھی حملہ آور ایک سے بہرحال زیادہ تھے جنہوں نے چند سیکنڈ کے اندر اسے موت کی گہری نیند سلا دیا۔

اس کی موت کا یقین ہو جانے کے بعد وہ اسے جوں کا توں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

غلام نبی کی اچانک گمشدگی نے مجاہدین کو پریشان کر دیا تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھے کہ شاید غلام نبی کو کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور اس نے گاؤں جانے کا اکیلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن......!

یہ کیسے ممکن تھا کیونکہ کیمپ کے قوانین کے مطابق کمانڈر کے حکم کے بغیر کوئی بھی مجاہد کیمپ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔

جب رات گئے تک اس کی واپسی نہ ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ وہ نزدیکی جنگل میں راستہ بھول گیا ہے۔ پھر انہیں یہ شک گزرا کہ کہیں غلام نبی کسی جنگلی درندے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

صبح تک بے چینی سے وہ اس کا منتظر رہے۔ رات کے اندھیرے میں جب کہ بارش نے بھی زور پکڑ لیا تھا جنگل میں اسے تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔

☆☆☆

چوٹ

علی الصبح جب نماز کی ادائیگی کے بعد انہوں نے قیدیوں کے کمرے کا دروازہ کھولا تو دروازہ کھولنے والا مجاہد بھاگتا ہوا کمانڈر تک پہنچا تھا۔ اس کے منہ سے جو بات نکلی اس نے ایک لمحہ کے لئے تو کمانڈر مختار کو ہلا کر ہی رکھ دیا تھا۔ مجاہدوں کے ہمراہ جب وہ بھاگتا ہوا ان کے کمرے تک پہنچا تو دونوں لاشیں ان کا منہ چڑا رہی تھیں۔

"زہر......" ایک بوڑھے مجاہد نے ان کے سرہانے بیٹھ کر ان کے چہروں کو غور سے دیکھتے ہوئے اعلان کیا۔

غلام نبی کے فرار کی وجہ کمانڈر مختار کو فوراً سمجھ آ گئی تھی۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں کچھ دیر نہیں لگی تھی کہ غلام نبی نے کھانے میں زہر ملا کر انہیں ہلاک کیا ہے۔

فوراً ہی مجاہدین کی تین ٹولیاں اس کی تلاش میں نکل گئیں جنہوں نے تھوڑی دیر بعد اس کی گولیوں سے چھلنی لاش بھی دریافت کر لی۔

اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ دشمن نے اسے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے کے بعد سازش کا نام و نشان مٹانے کے لئے موت کی گہری نیند سلا دیا۔

مجاہدین کو ان دونوں کی ہلاکت پر زبردست دھچکا لگا تھا۔

ان کے لئے اس بات کا تصور ہی سوہان روح بنا جا رہا تھا کہ دشمن نے ان کی صفوں میں جگہ بنا لی ہے۔

اسرائیلیوں کا ان کی حراست میں مر جانا اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ ان کے درمیان آستین کے سانپ موجود ہیں جو مستقبل میں انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ یہ مجاہدین کا محفوظ ترین کیمپ تھا۔

لیکن............

انہیں اس تلخ حقیقت کا احساس ہو گیا تھا کہ جہاں دشمن کی رسائی نہیں وہاں اس کے زرخرید کتے موجود ہیں جو دشمن سے زیادہ تباہ کاری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں بہرصورت اس سازش کا پتہ چلانا تھا۔

انہیں معلوم کرنا تھا کہ اس سازش کے ڈانڈے کہاں تک جاتے ہیں اور دشمن کو اس کے متعلق کس حد تک معلومات حاصل ہیں۔

کمانڈر مختار کے حکم پر فوری طور پر اس کیمپ کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ وہ لوگ اب نئے سرے سے نئی مورچہ بندیاں کرنے جا رہے تھے۔

اپنوں کے ہاتھوں انہوں نے ہزیمت اٹھائی تھی اس کے بعد یہ ناگزیر ہو گیا تھا کہ وہ اپنے سیکورٹی نظام کا ازسرنو جائزہ لیتے۔

O

''جناب والا! ''معاملہ اوکے'' ہو گیا ہے۔''

میر صاحب نے رات گئے جب ٹیلی فون پر امریش پوری کو اطلاع دی تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

جب سے میر صاحب کو اس نے یہ ذمہ داری سونپی تھی وہ ایک منٹ کے لئے چین کی نیند نہیں سو پایا تھا۔ جب بھی اس کی تھوڑی دیر کے لئے آنکھ لگتی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا۔

یہ پچھتاوہ اس کی جان کو آ گیا تھا کہ اب وہ ساری زندگی بریگیڈیئر شمیر سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا۔

خدا جانے اس کی بدقسمتی تھی یا پاکستانی انٹیلی جنس کی خوش قسمتی کہ اس نے جب بھی پاکستان کے خلاف ''موساد'' کو خوش کرنے کے لئے کوئی گھناؤنا اقدام کیا۔ پاکستانی ہوشیار ہو جاتے تھے۔

یہ اطلاع کہ اسے کینیڈا میں دھوکے میں رکھ کر پاکستانی انٹیلی جنس اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتی رہی ہے۔ اس کے خون میں ابال پیدا کرتی رہتی تھی۔ امریکہ، ایف بی آئی اور کینیڈین آرمی ایم پی نے اسے بتایا تھا کہ ''را'' کی فراہم کردہ اطلاعات پر آنکھیں بند کرنے کا خمیازہ انہیں بھی بھگتنا پڑا ہے کہ پاکستانیوں نے انہیں دھوکے کی چال کا شکار کر کے اپنے مطلب اور ضرورت

کے ایٹمی پرزے اپنے ملک میں پہنچا دیئے ہیں۔

سانپ گزر چکا تھا......

امریش پوری جانتا تھا کہ اب لکیر پیٹنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

لیکن......!

وہ چپ ہو کر بیٹھنے والا نہیں تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا کام کر گزرے جو اسے کم از کم ''موساد'' کی نظروں میں ضرور سرخرو کر دے۔ دونوں اسرائیلیوں کو مروا کر تو اس نے ایک حد تک معاملات کو سنبھال لیا تھا اگر یہ دونوں پریس کانفرنس کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے استعفیٰ دینے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

اگر وہ خود استعفیٰ نہ دیتا......تو اسے نوکری سے برخاست کر دیا جاتا۔

میر صاحب نے اس کی طرف بڑھنے والے طوفان کو بروقت روک لیا تھا۔

O

وہ میر صاحب کے لئے اپنے دل میں صرف اس لئے تشکر کے جذبات محسوس کر رہا تھا کہ اس نے برے وقت میں امریش پوری کی مدد کی تھی ورنہ اس کے نزدیک مسلمان غدار کی حیثیت کرائے کے ٹٹو سے زیادہ کچھ نہیں رہی تھی۔

اگر وہ یہ معاملہ مقامی ''را'' کے انچارج پر چھوڑ دیتا تو سوائے ذلت کے اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔ یہ سبق اس نے بہت پہلے سیکھ لیا تھا اور بلی کی طرح اپنا ایک داؤ اپنے ماتحتوں سے چھپا کر رکھتا تھا۔

بہت کم لوگوں کو علم تھا کہ ''میر صاحب'' اس کے خاص آدمی ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں موجود سیکورٹی ایجنسیوں کو صرف اتنی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ میر صاحب پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے خواہ وہ کچھ بھی کرتے پھریں۔

لیکن......!

اس بات کا علم بہت سے لوگوں کو رہا تھا کہ میر صاحب کسی ایجنسی کے ساتھ ''تھرو'' ہیں۔

علی الصبح جب اس نے دونوں اسرائیلیوں کی موت کی تصدیق اپنے ذرائع سے کر لی تو فوراً ہی اخبارات کو پہلے سے تیار شدہ سرکاری بیان جاری کر دیا گیا۔

اس بیان میں کہا گیا تھا کہ دو غیر ملکیوں کی رہائی کے لئے مجاہدین کی طرف سے پیش کردہ تمام شرائط بھارتی حکومت تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے چونکہ حکومت کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ وہ کسی غیر ملکی کی جان کو خطرے میں نہیں ڈالے گی۔ مجاہدین نے ''دو غیر ملکی انجینئرز'' کی رہائی کے لئے اپنے جن ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے حکومت انکو رہا کرنے کے لئے تیار ہے۔ وقت اور مقام کا تعین بھی مجاہدین کی خواہشات کے مطابق کیا جائے گا۔ اس ضمن میں جس غیر ملکی سفارت خانے یا ایجنسی کو وہ ''درمیانی آدمی'' کا کردار ادا کرنے کے لئے کہیں گے ان کی بات مانی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی بھارتی اعلیٰ حکام کی طرف سے دلی میں موجود پاکستانی سفارت خانے کو درخواست کی گئی تھی کہ وہ ''درمیانی کردار'' ادا کر کے بے گناہ غیر ملکیوں کو مجاہدین کے شکنجے سے رہائی دلائے۔

جیسے ہی یہ خبر جاری ہوئی ''موساد'' حرکت میں آ گئی۔

ساری دنیا کی طرف سے مجاہدین کشمیر کے نام اپیلوں کا تانتا بندھ گیا۔

O

ان اپیلوں میں مجاہدین سے درخواست کی گئی تھی کہ اب جب کہ بھارتی حکومت نے ان کی تمام شرائط بھی تسلیم کر لی ہیں تو اخلاقی طور پر غیر ملکیوں کو مزید حراست میں رکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔

یہودی پریس نے بھارتی حکومت کی اس ''فرخدلانہ پیش کش'' کا وہ غلغلہ بلند کیا تھا کہ ساری دنیا کے در و بام اس سے گونجنے لگے تھے۔ سازش کا اگلا مرحلہ شروع ہوا اور دنیا کے کونے کونے سے پاکستانی وزیراعظم کے نام اپیلیں جاری ہونے لگیں کہ وہ خود دلچسپی لے کر غیر ملکیوں کی رہائی کی کوشش کریں۔ ان پر مختلف غیر ملکی سفارت خانوں کی طرف سے دباؤ ڈالا جانے لگا کہ پاکستانی وزیراعظم مجاہدین کشمیر سے اپیل کریں کہ وہ دونوں غیر ملکیوں کو رہا کر دے......!!

امریش پوری اور بریگیڈیئر شمیرا ایک ایک مہرہ بڑی کامیابی سے آگے بڑھا رہے تھے۔

انہوں نے اپنی دانست میں بڑی زوردار چال چلی تھی اور بڑے نامحسوس انداز میں ساری دنیا پر ثابت کر دیا تھا کہ دونوں غیر ملکیوں کے اغوا میں پاکستانی حکومت ملوث ہے۔

O

مجاہدین کے لئے بڑا مشکل وقت آن پڑا تھا......!

میدان جنگ میں تو وہ دشمن کا مقابلہ ہر سطح پر اپنی حیثیت کے مطابق کر رہے تھے۔

لیکن......!

اس چانکیائی سیاست کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان کی حراست میں اسرائیلیوں کی موت نے کھیل کا پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیا تھا۔

ہوا کا رخ اچانک ہی بدل گیا تھا۔ وہ چال جو دشمن کے خلاف چلنے والے تھے۔ اس میں خود پھنس کر رہ گئے تھے۔ دنیا میں کسی شخص کو اس بات کا یقین دلانا کہ ''را'' نے اسرائیلی قیدیوں کو ان کی حراست میں زہر دے کر مار ڈالا ہے بہت مشکل بلکہ ناممکن بات تھی۔

اس مرحلے پر یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ جب اسرائیلیوں کی موت کی خبر دنیا کو ملے گی تو یہودی پریس اس خبر کو مختلف مرچ مصالحے لگا کر اس انداز میں اچھالے گا کہ دنیا بھر میں موجود مجاہدین کے ہمدرد بھی خود کو مشکل میں گرفتار پائیں گے اور بھارتی حکومت ایک مرتبہ پھر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر مجاہدین کو ''دہشت گرد'' ثابت کرنے کی کوشش کرے گی۔

انہیں جلد از جلد کچھ کرنا تھا۔

کچھ بھی......؟

کوئی بھی ایسا فیصلہ جو انہیں دشمن کی اس چال سے محفوظ رکھ سکتا۔

مجاہدین کے ''ہمدردوں'' کا ''را'' نے کڑا امتحان لیا تھا۔ بالآخر انہوں نے اپنا لائحہ عمل طے کر لیا۔

اگلے روز عالمی پریس کو مجاہدین کے حوالے سے خبر جاری کر دی گئی کہ وہ بھارتی حکومت کی اس پیش کش کا جواب دیں گے اور اگلے 48 گھنٹوں میں دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا لیکن اس سے پہلے بھارتی حکومت ان کی فراہم کردہ فہرست میں سے کم از کم دس مجاہدین ان کے سپرد کرے۔

مجاہدین نے اس بیان میں کہا تھا کہ وہ اپنی اور بھارتی حکومت کی اس لڑائی میں کسی اور کو گھسیٹنے کے قائل نہیں ہیں نہ ہی وہ اس مرحلے پر کسی بھی 'طاقت کو' درمیانی رابطے کا رول ادا کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

ان کی طرف سے کہا گیا تھا چونکہ یہ لڑائی غاصب بھارتی حکومت اور مجاہدین کے درمیان ہے۔ اس لئے وہ براہ راست بات کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی دعویٰ کیا گیا تھا کہ مجاہدین اور بھارتی حکومت کے درمیان ایک 'مقامی لیڈر' کے ذریعے رابطہ بحال ہے اور بھارتی حکومت دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے کہہ رہی ہے کہ مجاہدین نے اس سے رابطہ نہیں کیا۔

O

اس بیان کی اشاعت نے ایک مرتبہ پھر امریش پوری کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے۔

"بڑے کائیاں لوگ ہیں۔ واقعی میں نے آئی ایس آئی کو انڈر اسٹیمیٹ کیا تھا۔" اس نے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

وزیر داخلہ اور امریش پوری سر جوڑے بیٹھے تھے۔ وزیر داخلہ اسے بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ وہ اس بات کا اعلان کر دے کہ مجاہدین نے دونوں یرغمالیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔

لیکن......

امریش پوری اس مرحلے پر اس "احمقانہ تجویز" پر غور کرنے کو بھی تیار نہیں تھا وہ جانتا تھا کہ ایسی بات کہہ کر وہ چوہے کی طرح جال میں پھنس جائے گا۔ اس کی دانست میں اس نے مجاہدین پر جس طرح نفسیاتی حملہ کیا تھا۔ گھبرا کر ان کے ہاتھ پیر پھول جاتے اور وہ ضرور کوئی ایسی حرکت کرتے جس سے عالمی سطح پر ان کی اتنی رسوائی ہو جاتی کہ پھر دنیا میں لمبے عرصے تک ان کے حق میں کوئی آواز بلند نہ ہوتی۔

لیکن......!

مجاہدین کے "پیر" بڑے سیانے تھے۔

امریش پوری کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ لوگ کتنے مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔ خدا جانے ان کی کیا پلاننگ تھی۔

خدا جانے انہوں نے معاملات کو کیسے سنبھالا تھا۔

"میرے خیال سے ہمیں فوراً ان کے دس ساتھیوں کی رہائی کا اعلان کر دینا چاہئے۔" ایک اعلیٰ افسر نے مشورہ دیا۔

"تمہارا دماغ تو صحیح ہے......" وزیر داخلہ نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں ڈانٹ دیا...... "کیا تمہیں علم نہیں کہ دونوں یرغمالی مارے جا چکے ہیں اور وہ لوگ اس پوزیشن میں نہیں رہے کہ اپنے ساتھیوں کو رہا کروا سکیں یا ہم سے اپنی کوئی بھی بات منوا سکیں۔"

"منسٹر صاحب! آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن خدارا اس بات پر بھی غور کیجئے کہ ہماری بین الاقوامی پوزیشن کیا ہوگی۔ ہم نے خود ہی ایک چال چلی ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم خود ہی اس میں پھنس کر رہ جائیں۔"

ایک اور اعلیٰ افسر نے رائے پیش کی۔

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر پوری؟"

ہوم منسٹر نے بڑے طنزیہ لہجے میں اس سے دریافت کیا تھا۔

"میرے خیال سے ہمیں اپنے منصوبے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے ان کے کچھ ساتھیوں کو ضرور رہا کرنا پڑے گا۔ دنیا کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانا ضروری ہے اور ہم نے خود اس کھیل کا آغاز کیا ہے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ ہم سارے اہم پتے ان کے ہاتھ میں سونپ دیں۔"

امریش پوری اس کے علاوہ کیا کہہ سکتا تھا۔

"ویل ڈن مسٹر پوری......!" ہوم منسٹر نے طنزیہ انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے کہا...... "بہت اچھے کھلاڑی ہیں آپ دو لاشوں کے بدلے دشمن کو اس کے دس ساتھیوں کا تحفہ پیش کرنے جا رہے ہیں۔"

"منسٹر صاحب!"...... پوری کو طیش آ گیا تھا "ضروری نہیں کہ ہر بات کی سمجھ آپ کو آ جائے۔ سیکورٹی اور سیاست میں کچھ تو فرق ہوتا ہے اور یاد رکھئے اگر ان دو لاشوں کے عوض آپ کو ان کے ساتھی رہا کرنے پڑیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کو رہا بہر حال ہم نے کرنا ہے۔ ہم نے...... جنہیں اس بات کا علم ہے کہ اس کے عوض صرف دو لاشیں

موصول ہوں گی...... وہ بھی......'' اس نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی۔

ایک لمحے کے لئے بوڑھے ہوم منسٹر نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے اپنے سر کو اس انداز سے ہلایا جیسے اسے امریش پوری کی بات کی سمجھ آ گئی ہو۔

''بہر حال مجھے اس ضمن میں وزیر اعظم سے بات کرنا ہو گی......'' اس نے اپنی سیاسی اکڑ دکھائی۔

''جیسے آپ کی مرضی لیکن آپ کو آج رات تک فیصلہ کر لینا چاہئے کیونکہ رات کو ہم یہ خبر جاری کرنا چاہتے ہیں۔ اس فیصلے پر ہی ہماری آئندہ حکمت عملی طے پائے گی۔''

امریش پوری نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

O

اگلے روز صبح کے اخبارات میں حکومت کی طرف سے مجاہدین کی یہ شرط بھی قبول کر لینے کا اعلان کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ حکومت آج شام مجاہدین کے پانچ ساتھیوں کو رہا کر دے گی۔ جس کے بعد مجاہدین سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اگلی صبح تک دونوں غیر ملکیوں کو رہا کر دیں۔

اس خبر کی اشاعت نے بھارتی ''راجیہ سبھا'' (ایوان نمائندگان) کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

راجیہ سبھا کا اجلاس جاری تھا جب یہ خبر وہاں پہنچی جس پر اپوزیشن نے طوفان کھڑا کر دیا۔ حکومت پر الزام لگایا گیا کہ وہ ''دہشت گردوں'' کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے اور فوراً مستعفی ہو جائے۔ صورت حال اتنی بگڑی کہ شام کو وزیر اعظم کو خود ٹی وی پر آ کر وضاحت کرنا پڑی جس میں بتایا گیا کہ حکومت کسی سے بلیک میل نہیں ہو رہی لیکن دو غیر ملکی بے گناہ انجینئرز کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ ان کی جان کی حفاظت کرنا بھارتی حکومت کی ذمہ داری ہے اس معاملے کو حکومت اپنی ناک کا مسئلہ نہیں بنائے گی۔

O

اگلے روز شام پانچ بجے!

عالمی پریس کے نمائندے اس مقام پر جمع تھے جہاں ایک ہیلی کاپٹر میں پانچ کشمیری مجاہدین کو بٹھا کر لایا گیا۔ انہیں دہلی کی تہاڑ جیل سے یہاں لایا گیا تھا۔ عالمی پریس کے نمائندوں کو بتایا گیا تھا کہ مجاہدین کے ساتھ پانچوں کی رہائی کے لئے یہی جگہ طے کی گئی ہے۔ ان لوگوں کو

اس بات کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ یہاں سے دس دس میل کی دوری تک اپنی تسلی کے لئے اس بات کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ بھارتی سیکورٹی فورسز کے لوگ موجود نہیں۔

اس دوران ایک مقامی کشمیری کو پیش کیا گیا جس نے اپنا تعارف مجاہدین اور بھارتی حکومت کے ''درمیانی رابطے'' کی حیثیت سے کروایا اور اس نے کہا کہ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ رہا شدہ ان قیدیوں کو محفوظ ہاتھوں میں منتقل کرے جس کے بعد مجاہدین دونوں غیر ملکیوں کو اس کے حوالے کر دیں گے''۔

یہ ''جعلی درمیانی رابطہ'' ''را'' کا ایک ہونہار آفیسر تھا۔''

امریش پوری نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اسے بھی اس کھیل میں اب مزہ آنے لگا تھا۔ مجاہدین کو سبق سکھانے کے لئے ایک گھناؤنی چال وہ بھی چل گیا تھا......!

فوٹو گرافروں کے کیمرے حرکت میں آ گئے!

رہا شدہ بدقسمت مجاہدین کو صرف اتنا علم تھا کہ ان کے ساتھیوں نے انہیں اپنے زور بازو سے رہا کروایا ہے اور انہیں عالمی پریس کے سامنے رہا کیا جا رہا ہے۔

جس شخص نے مجاہدین کے نمائندے کی حیثیت سے ان سے جیل میں ملاقات کی تھی وہ بھی ''را'' کا آفیسر تھا۔

اور......

ان بے چاروں کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ اس شخص کی تصدیق کر سکتے انہیں ان کے کمانڈروں کے پیغام پہنچائے گئے تھے۔ جو شناخت بتائی گئی تھی وہ بالکل صحیح تھی...... ''را'' کو مجاہدین سے متعلق جتنی بھی اطلاعات حاصل تھیں۔ وہ اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے استعمال کی گئیں۔

اور خوب خوب استعمال کی گئیں......!!

پانچوں بہت خوش تھے انہوں نے بین الاقوامی پریس کے سامنے بڑی دلیری سے باتیں کیں۔ کشمیر کی آزادی کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے عزم کا اعادہ کیا اور کہا کہ اگر انہیں ہزار مرتبہ جی کر مرنا پڑے تو بھی یہ سودا کشمیر کی آزادی کے لئے مہنگا نہیں۔

مجاہدین کے ''درمیانی رابطے'' نے ان پانچوں کو اپنے ساتھ لیا اور ایک سمت پیدل چلنا

شروع کر دیا۔ یہ ایک دشوار گزار پہاڑی راستہ تھا جس پر وہ لوگ سفر کر رہے تھے۔ یہ شخص جس نے اپنا تعارف ایک مسلمان کی حیثیت سے کروایا تھا مقامی کشمیری زبان میں ان سے گفتگو کر رہا تھا۔

پولیس کے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ ڈیڑھ دو میل تک وہ ان کے ساتھ چلتے رہے آرمی والے اپنی جگہ موجود رہے۔

اندھیرا بڑھنے لگا تھا اس درمیان پولیس کے لوگوں نے اپنے طور پر اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ یہ کوئی 'چال' نہیں واقعی انہیں رہا کر دیا گیا تھا۔

شاید وہ آگے بھی جاتے......!

اچانک ہی 'درمیانی رابطے' نے معذرت کرتے ہوئے انہیں کہا کہ مجاہدین کا حکم یہی ہے کہ اس جگہ سے آگے ان چھ کے علاوہ اور کوئی نہیں جائے گا بصورت دیگر غیر ملکیوں کی رہائی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

بادل نخواستہ پولیس والوں کو واپس جانا پڑا۔

پانچوں رہا شدہ قیدی اس کی رہنمائی میں سفر کر رہے تھے۔ جب ان میں سے اچانک ایک کے دل میں کچھ خیال آیا اور وہ اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔

''میں اس سے آگے اکیلا سفر کروں گا......'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''لیکن یہ بات معاہدے کے خلاف ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو شک ہو سکتا ہے۔'' ان کے راہبر نے کہا۔

''کچھ بھی ہو۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے......'' قیدی بھی خاصا عقل مند دکھائی دے رہا تھا۔

اس درمیان اس کے ساتھی اس سے بحث کرنے لگے۔ دس پندرہ منٹ تک وہ لوگ آپس میں بحث کرتے رہے اس درمیان وہ دو گروپوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک طرف دو قیدی تھے جو اس سے آگے اکیلے سفر کرنا چاہتے تھے جب کہ دوسری طرف تین قیدی تھے جن کا تعلق مجاہدین کے دوسرے گروپ سے تھا اور وہ اسی ''رابطے'' کی سربراہی میں آگے جانا چاہتے تھے۔

جب معاملات کسی طرح کنٹرول نہ ہوئے تو مجاہدین نے آپس میں لڑنے کی بجائے فیصلہ اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

''ٹھیک ہے جس طرح تمہاری مرضی......'' ایک گروپ نے کہا۔

لیکن وہ لوگ ناراض ہوں گے اور یہی سمجھیں گے کہ انہیں بھارتیوں نے دوبارہ گرفتار کر لیا ہے......'' رابطے'' نے گھبرا کر کہا۔

''ہم اپنے ساتھیوں کو اس بات کی ضمانت دیں گے کہ انہیں رہا کیا گیا تھا اور یہ لوگ اپنی مرضی سے الگ ہوئے تھے۔ میرے خیال سے آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آپ پر اس سلسلے میں کوئی حرف نہیں آئے گا''...... تین مجاہدین کے گروپ لیڈر نے کہا۔

''بہر حال میں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ یہ بات معاہدے کے خلاف ہے لیکن اگر آپ لوگ بضد ہیں اور اس بات کی ضمانت دے رہے ہیں کہ آپ اپنے ساتھیوں کو مطمئن کر لیں گے تو مجھے کیا اعتراض ہو گا۔''

''درمیانی رابطے نے جان لیا تھا کہ اس صورتِ حال میں اس کے لئے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس طرح ممکن ہے ان تینوں کو بھی اس پر کوئی شک گزرے اور یہ 'شکار' بھی ہاتھ سے نکل جائے۔ اس نے فی الوقت ان تینوں پر ہی اکتفا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مجاہدین کے دونوں گروپ ایک دوسرے سے گرمجوشی سے بغل گیر ہو کر الگ ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے معانقہ کرتے ہوئے کان میں کہہ دیا تھا ''خیال سے حفاظت سے۔''

دونوں الگ ہو گئے جب کہ باقی تینوں اس کے ساتھ ہی سفر کرنے لگے۔ الگ ہونے والوں میں سے ایک جس نے پہلے یہ فیصلہ کیا تھا انہیں جاتے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''میرے خیال سے اپنے اطمینان کے لئے ہمیں ان کا تعاقب کرنا چاہئے اگر یہ کوئی چال ہے تو ہمیں کم از کم صحیح صورتِ حال کا علم تو ہو جائے گا۔ ہم کوشش تو کر سکیں گے کہ اپنے ساتھیوں کو اس جال سے نکال سکیں۔''

''جیسے تمہاری مرضی میں تو صرف تمہارے اطمینان کے لئے اور تنظیمی فیصلے کے تحت تمہارے ساتھ موجود ہوں۔'' دوسرے ساتھی نے کہا۔

''اللہ تمہیں جزائے خیر دے اور خدا کرے میرے خدشات غلط ثابت ہوں۔'' پہلے نے جواب دیا۔

دونوں اس علاقے سے تو زیادہ واقف نہیں تھے کیونکہ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔

لیکن......!

کشمیر نژاد ہونے کے ناطے یہاں کی فضا اور راستے ان کے لئے اتنے اجنبی بھی نہیں تھے اور وہ صحیح راستہ نہ جاننے کے باوجود فضا میں موجود خطرے کی بو سونگھنے کی صلاحیت ضرور رکھتے تھے۔

دونوں نے دبے قدموں اس طرح اپنے ساتھیوں کا تعاقب شروع کیا تھا کہ انہیں اس تعاقب کا احساس ہی نہ ہو سکے۔

تعاقب کا یہ سلسلہ قریباً آدھ گھنٹہ جاری رہا۔ جب ایک پہاڑی کا موڑ مڑتے ہوئے اچانک ہی اس نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

''میرا دل مطمئن نہیں اگر خدانخواستہ یہ کوئی چال ہی ہے تو ہم سب اس میں کیوں پھنسیں۔''

اس نے اپنے ساتھی کی استفہامیہ نظروں کا جواب دیا۔

دونوں وہیں ایک محفوظ آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

کسی انجانے خوف سے اس کے دل کی دھڑکنیں خود بخود تیز ہوگئیں تھیں۔ انہیں وہاں بیٹھے ابھی بمشکل چند منٹ ہی گزرے تھے۔ جب فضا اچانک گولیوں کی تڑتڑ کی آواز سے گونجنے لگی۔

دونوں کے دل زور زور سے دھڑکے۔

''یا اللہ رحم فرما......'' ان کے منہ سے نکلا۔

''خدا نہ کرے میرا اندیشہ کہیں صحیح ثابت تو نہیں ہوا۔'' ایک نے کہا۔

''ہاں......میرا دل بھی یہی کہتا ہے......'' دوسرے نے جواب دیا۔

''اوہ میرے خدایا۔ کاش ہمارے ساتھی اس سازش کو سمجھ جاتے''۔

گولیوں کی آواز بند ہوگئی تھی۔ گھات میں لگے بھارتی درندے خون کی ہولی کھیل چکے تھے۔

''میرے خیال میں ہمیں واپس لوٹ جانا چاہئے۔'' ایک نے کہا۔

''ابھی نہیں' ہمیں یہاں اپنے ''شکار'' کا انتظار کرنا ہے۔ اگر یہ سازش تھی تو وہ غدار یا جو کوئی بھی تھا واپس لوٹے گا......'' دوسرے نے کہا۔

دونوں اپنے سانس روکے بیٹھے تھے۔

ان کے دل اپنے ساتھیوں کی اس طرح بے بسی اور دھوکے سے موت پر خون کے آنسو رو رہے تھے جب انہوں نے رات کے اندھیرے میں ایک سایہ اس طرف بڑھتے دیکھا۔

دونوں سمجھ گئے کہ یہ وہی غدار ہے جس نے یقیناً طے شدہ پلان کے مطابق کسی موڑ پر تینوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہوگی اور اب واپس آ رہا ہے۔

جیسے ہی ''را'' کے اس افسر نے جسے امریش پوری نے یہ مہم سونپی تھی۔ وہ پہاڑی موڑ مڑنا چاہا جہاں شکاری چھپے بیٹھے تھے۔ اچانک ہی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

ایک مجاہد نے اسے جکڑ لیا تھا۔ دوسرے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی چیخ اس کے حلق میں دبا دی تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم زندہ اپنے ساتھیوں تک نہیں پہنچ سکو گے لیکن تمہاری لاش انہیں یہ کہانی ضرور سنا دے گی کہ مومن کو دھوکہ دینا اتنا آسان بھی نہیں جتنا تم لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔''

ایک مجاہد نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس کی گرفت مغلوب کی گردن پر سخت ہونے لگی۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں اور وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

لیکن......!

دوسرے مجاہد نے اسے اپنی گرفت میں اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ اس کے لئے معمولی جنبش کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

جلد ہی اس کی روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔

''آؤ چلیں......'' اس مجاہد نے دوسرے سے کہا۔

"ٹھہرو......" پہلے نے کچھ سوچتے ہوئے لاش کندھے پر اٹھالی۔

دوسرے نے چپ چاپ اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ دونوں نے راستے میں ایک پہاڑی نالہ دیکھ لیا تھا۔ باری باری لاش اٹھاتے وہ یہاں تک پہنچے اور اس مردود کی لاش کو سینکڑوں فٹ بلندی سے لڑھکا دیا۔ پانی کی تیز لہریں اسے نجانے کہاں بہا کر لے جاتیں۔

صبح ہونے پر وہ دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے جہاں سے انہیں کمک میسر آ گئی۔

اس روز شام کے اخبارات میں مجاہدین کی طرف سے خبر جاری ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے پانچوں ساتھیوں کو "وصول" کر کے طے شدہ معاہدے کے مطابق دونوں غیر ملکیوں کو "درمیانی رابطے" کے حوالے کر دیا ہے۔

O

"را" نے بظاہر ناکامی کا منہ دیکھا تھا لیکن بریگیڈیئر شمیر کسی حد تک مطمئن ضرور تھا کم از کم اب دنیا کے سامنے بطور ثبوت پیش کرنے کے لئے کشمیری مجاہدین یا آئی ایس آئی کے پاس "موساد" کا کوئی ایجنٹ موجود نہیں تھا۔

امریش پوری زخم خوردہ سانپ کی طرح تلملا رہا تھا۔

اسے حیرت ہوتی تھی کہ مجاہدین کے خلاف اسے آج تک اندازوں کے مطابق کامیابی نصیب کیوں نہیں ہوئی۔ انہوں نے مجاہدین کی صفوں میں غدار داخل کر دیئے تھے۔

لیکن......!

مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے تھے۔!!

امریش پوری نے جس طرح منصوبہ ترتیب دیا تھا وہ آسانی پانچوں خطرناک دہشت گردوں کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی کہ ان میں سے دو بچ نکلے اور ان کا اپنا آدمی بھی مارا گیا۔

سویڈن کے دونوں انجینئرز جن کی رہائی کے لئے یہ سارا گھڑاگ پھیلایا گیا تھا۔ ان کی لاشیں بھی بھارتی انٹیلی جنس کو نہیں مل سکی تھیں۔

بھارتی حکومت کی طرف سے اگلے روز ساری دنیا کے پریس کے سامنے یہ بیان جاری

کر دیا گیا کہ حکومت نے دو غیر ملکیوں کی رہائی کے لئے انتہائی اقدام کیا تھا اور اپنے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر جیلوں میں بند "کشمیری دہشت گردوں" کو رہا کر دیا تھا لیکن مجاہدین کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی اور دونوں قیدیوں کو واپس نہیں کیا گیا۔

پریس کے لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کے بیان کو سچ مانیں اور کس کو جھوٹا سمجھیں۔

مجاہدین نے اپنے ساتھیوں کی وصولیابی اور "درمیانی شخص" کو دونوں غیر ملکی سونپنے کی خبر جاری کی تھی اور بھارتی حکومت کا بیان یکسر مختلف تھا۔

کافی دنوں تک اخبارات میں یہ بحث جاری رہی کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

بظاہر بڑے بڑے نقادوں اور غیر جانبدار کہلانے والے مبصرین نے بڑی چالاکی سے لفظوں کے ہیر پھیر کے ساتھ یہی بات ثابت کی تھی کہ مجاہدین نے وعدہ خلافی کی ہے۔

اور اپنے ساتھیوں کو رہا کروا لینے کے بعد بھی غیر ملکی یرغمالیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کئی خود ساختہ اور اخباری ہیومن رائٹس کی تنظیمیں جو نجانے راتوں رات کہاں سے نکل کر بین الاقوامی اخبارات کے صفحات پر اپنے گھناؤنے کھیل رچانے لگیں تھیں۔ مجاہدین سے انسانیت کے نام پر دونوں غیر ملکیوں کی رہائی کی اپیلیں کرنے لگیں۔

اسرائیلی حکومت کی طرف سے یہ بیان جاری کیا گیا تھا کہ ان کے دو شہری جو سویڈن کی ایک انجینئرنگ کمپنی میں کام کر رہے تھے۔ اس کمپنی کے ملازمین کی حیثیت سے ایک معاہدے کے تحت بھارت گئے تھے اور بھارتی اور سویڈش حکومت کے ایک مشترکہ ترقیاتی منصوبے پر کام کر رہے تھے جنہیں اغوا کر کے مار ڈالا گیا۔

مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہوئے ان کی بیوی بچوں کی تصاویر ساری دنیا کے اخبارات میں شائع کی گئی تھیں۔ جو مجاہدین سے دونوں کی لاشیں واپس کرنے کی اپیلیں کر رہے تھے......!!

اس کے ساتھ ہی اسرائیلی حکومت نے بھارت اور سویڈن سے بیک وقت احتجاج کیا تھا کہ ان کے دو بے گناہ شہریوں کی زندگی نہیں بچائی جا سکی۔

"میڈیا" پر یہودی قابض تھے۔

"را" پر "موساد" حاوی تھی۔

بھارتی حکومت پاکستان دشمنی میں اندھی ہو رہی تھی۔

ان حالات سے یہودی لابی نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا......

بھارتی حکومت کو اس سودے میں معمولی سا نقصان اٹھا کر بے تحاشہ فائدہ حاصل ہوا تھا......!!

دنیا بھر کے مہذب ممالک کی رائے عامہ کو وہ کم از کم کسی حد تک سہی گمراہ کرنے میں کامیاب ضرور ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے ساری دنیا کشمیریوں کو بے گناہ معتوب اور بھارتی حکومت کو غاصب سمجھ رہی تھی۔

لیکن......!

اب بڑے بڑے غیر جانبدار اور انسانیت دوست دانشور بھی اس مسئلے پر کچھ کہنے یا لکھنے سے گریز کر رہے تھے۔

☆☆☆

ٹارگٹ بغداد

حماد کی شہادت نے ابو احمد کو توڑ کر رکھ دیا تھا!

یوں تو اس جنگ میں جو نجانے ابھی اور کتنی دیر تک انہوں نے لڑنی تھی اب تک سینکڑوں نوجوان اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

اسے اپنے اگلے پل کا گمان بھی کب تھا۔

نجانے کب موت کا پھندا اس کے گلے میں پڑ جائے۔ وہ جانتا تھا دنیا کے کسی بھی کونے میں فلسطین کے لئے کام کرنے والے کسی بھی شخص کی خبر اگر یہودیوں کو ہو جائے تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑتے۔

خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

لیکن......!

وہ مطمئن تھا کہ اس کا مشن زندہ ہے۔ اس راستے کی منزل شہادت تھی۔ اس بات میں شک ہی کب رہا تھا۔ ان لوگوں نے ذلت کی اس زندگی کی خواہش بھی کبھی نہیں کی تھی۔ وہ تو زندہ تھے کہ اپنی زندگیوں میں کس طرح اپنا آزاد وطن دیکھ لیں!

ابو احمد نے اپنی رہائش گاہ بدل لی تھی۔

وہ سکاٹ لینڈ کے شہر ڈنڈی میں آ گیا تھا۔ اتفاق سے اسے یہاں اچھی نوکری مل گئی تھی۔ اس علاقے میں آئے اسے چند روز ہی ہوئے تھے جب ایک روز فیصل کا فون آ گیا۔

"کل ویک اینڈ ہے......تم ایڈنبرا کا قلعہ دیکھنا پسند نہیں کرو گے؟"

ابو احمد سمجھ گیا کہ ضرور کوئی اہم بات ہے۔

"ہاں! ہاں کیوں نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اگر تم صبح 8 بجے نکلو تو دس گیارہ بجے تک باآسانی وہاں پہنچ جاؤ گے۔ میں قلعے کے مرکزی دروازے پر تمہارے منتظر رہوں گا......"

"خدا حافظ! کل انشاء اللہ وہیں ملاقات ہوگی۔"

"خدا حافظ۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فیصل عراق کا رہنے والا ان کا مجاہد ساتھی تھا......!

ابو احمد کو ساری دنیا میں اپنے ہم خیال ساتھیوں کی تلاش اور ضرورت رہتی تھی۔ ستم ظریفی حالات نے انہیں بالآخر ایک دوسرے سے لندن کے ایک زیر زمین ریلوے اسٹیشن کی انتظار گاہ میں ملا دیا تھا۔

دونوں کی پہلی ملاقات ابو احمد کی دانست میں اتفاقیہ تھی لیکن فیصل کے لئے نہیں۔

وہ ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت ابو احمد سے ٹکرایا تھا۔ عراق کی انٹیلی جنس نے بعد از خرابی بسیار اس بات کا پتہ لگایا تھا کہ ابو احمد فلسطینی جانباز ہے اور عراق کے اس منصوبے میں اہم رول ادا کر سکتا ہے جس پر عراق حکومت سرگرمی سے عمل پیرا تھی۔

جولائی 1980ء میں صدر صدام حسین نے بغداد کی ایک نیوز کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے اسرائیل کو للکار کر کہا تھا کہ یہودیوں کی غلط فہمی جلد دور ہو جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ عربوں کو ٹیکنالوجی اور سائنس کا علم نہیں اور ہم صرف اچھے صحرائی اونٹ سوار بن سکتے ہیں۔ شاید یہودیوں کے اعصاب پر یہ خبر موت بن کر گرے گی کہ اب عراق ایٹم بم تیار کرنے کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے اور ہم جب بھی چاہیں...... دنیا کو یہ کر کے دکھا سکتے ہیں۔

یہ معمولی دھمکی نہیں تھی جسے اسرائیل نظر انداز کر دیتا۔

1971ء سے اسرائیلی ملٹری انٹیلی جنس نے عراق کو "خطرناک دشمن" قرار دے رکھا تھا۔

فرانس کی مدد سے اب عراق نے جس طرح بڑی ہوشیاری سے ایٹمی صلاحیت حاصل کی تھی اس کی اسرائیلیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

جنیلین......

صدام حسین کی اس بڑ نے سارا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ کر رکھ دیا۔

"موساد" حرکت میں آئی۔

پیرس میں موجود عراقی سائنسدان جو اس مشن پر کام کر رہا تھا جلد ہی "موساد" کے پھیلائے ہوئے "دامِ زن" میں پھنس گیا اور اسرائیلیوں نے جان لیا کہ عراق صرف دھمکی نہیں دے رہا بلکہ صدام حسین نے واقعی ایٹمی دھماکہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے۔

کسی بھی مسلمان ملک کے پاس ایٹمی صلاحیت کی موجودگی اسرائیل کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

ایک طرف پاکستان کے "اسلامی بم" کی دہشت نے عالم کفر کو لرزہ براندام کر رکھا تھا کہ اچانک یہ عفریت یہودیوں کو نگلنے کے لئے سر اٹھانے لگی۔

اسرائیلی حکومت کے نزدیک بین الاقوامی اخلاقی اور قانونی پابندیوں کی حیثیت نہ کبھی ماضی میں رہی تھی نہ اب رہی ہے۔!!

معلومات حاصل کرتے ہی صیہونی درندے حرکت میں آ گئے اور یہ جاننے کے باوجود کہ ان کے اس حرکت کے نتیجے میں عالمی امن درہم برہم ہو سکتا ہے۔ کسی وارننگ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عراق ایٹمی پلانٹ کی تباہی پر تل گئے۔

7 جون 1981ء کو چار بجے سہ پہر اسرائیل کے خفیہ فوجی ہوائی اڈے "بیرشیبا" پر 24 امریکی ساخت ایف 15 اور ایف 16 طیارے خصوصی مشن پر روانگی کے لئے تیار کھڑے تھے۔

ان کا ٹارگٹ یہاں سے چھ سو پچاس میل کی مسافت پر بغداد کے نزدیک ٹیوائیٹھا تھا۔

عراق کا نیوکلیئر پلانٹ۔

جہاں صیہونیت کے سر پر لٹکتی خطرے کی تلوار موجود تھی۔

اسرائیل کے ایک سویلین بوئنگ طیارے کے پہلو بہ پہلو سفر کرتے یہ جنگی جہاز جنہوں نے اپنے ریڈیو جام کر رکھے تھے اور کوئی ایسا سگنل ان سے نشر نہیں ہو رہا تھا جو راستے میں پکڑا جا سکے اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔

شام کو چھ بج کر تیس منٹ پر یہ جنگی قافلہ راستے میں اس بوئنگ سے تیل حاصل کر کے کامیابی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ عراقی ریڈار سے بچنے کے لئے وہ اتنی نیچی پرواز کر رہے

تھے کہ انہیں عراق کے کھیتوں میں کام کرتے کسان بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔

ان کی اونچائی زمین سے بمشکل دو ہزار فٹ بلند تھی۔ ان لمحات میں سورج کی پوزیشن ایسی ہو چکی تھی کہ اگر ریڈار عراق کے توپچیوں کو وارننگ بھی دے دیتا تو انہیں اپنا نشانہ کبھی صحیح نظر نہ آ سکتا تھا۔

صدام حسین کا ایٹمی پلانٹ پانی میں بیٹھی بطخ کی طرح ان کا نشانہ بن گیا۔

ایک کے بعد ایک جہاز غوطے میں جاتا اور اپنا آتشی پیٹ خالی کر کے اوپر اڑتا۔ ان کی توقعات کے برعکس نہ تو کوئی ”سام سیون میزائل“ جو خاص طور پر عراق نے اس ایٹمی پلانٹ کی حفاظت کے لئے یہاں نصب کر رکھے تھے ان پر فائر ہوا اور نہ ہی کسی عراقی پائلٹ نے ان کے تعاقب کی ہمت کی۔

بین الاقوامی غنڈے اپنا مشن مکمل کر کے نہایت دیدہ دلیری سے ایک انتہائی مختصر راستے سے اردن کی فضاؤں کا منہ چڑاتے بحفاظت واپس اسرائیل پہنچ گئے۔

O

ایران کے ساتھ جنگ میں مصروف ہونے کے سبب شاید تب عراق کے لئے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ اسرائیل کو براہ راست اس حرکت کا مزا چکھا سکے۔

صدر صدام حسین کے اعلان نے کہ عراق کو ایٹمی صلاحیت حاصل ہے اور تو کوئی کارنامہ انجام نہ دیا۔

لیکن......

اسرائیل کو کم از کم اس قابل ضرور کر دیا کہ وہ تمام ممکنہ خطرات کو بالائے طاق رکھ کر یہ جارحانہ اقدام کر گزرے۔

اسرائیل کو اس بات کا علم تھا کہ یو این او میں ایک آدھ مذمتی قرارداد پاس کرنے کے علاوہ دنیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اس کی بنیادی وجہ تو وہی بین الاقوامی سچائی تھی کہ طاقت ہی دنیا کا سب سے بڑا سچ ہے۔

لیکن......؟

اس کے ساتھ ساتھ امریکہ یا دنیا کا کوئی بھی غیر اسلامی ملک کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتا

تھا کہ اسلامی ملک کے پاس ایٹم بم آ جائے اس طرح پس پردہ ان ممالک کی آشیرباد بھی اسرائیل کو حاصل ہو گئی تھی۔

وقتی ہزیمت نے صدر صدام حسین کو بددل نہیں کیا تھا نہ ہی انہوں نے اتنی آسانی سے اس حادثے کو قبول کیا تھا بلکہ ایران کے ساتھ جنگ میں مصروف ہونے کے باوجود صدر صدام بڑی خاموشی سے دوبارہ یہ صلاحیت حاصل کرنے لگے تھے۔

اس ضمن میں عراق کو کم از کم ایسا اسلحہ ضرور درکار تھا جس کے ذریعے صدر صدام حسین بغداد میں بیٹھ کر تل ابیب کو نشانہ بنا سکے اور یہ اسلحہ بین الاقوامی منڈی سے ملنا ناممکن تھا۔

اس انکشاف کے بعد کہ عراق ایٹمی اسلحہ تیار کر رہا ہے فرانس نے بھی اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

O

عراقی انٹیلی جنس ساری دنیا سے کل پرزے بغداد میں جمع کر رہی تھی جن کی مدد سے وہ بالآخر بڑے ہتھیار تیار کر سکیں!!

اس سلسلے میں عراقی ماہرین کو ایک اہم کامیابی حاصل ہوئی جب انہوں نے اتنی بڑی توپ تیار کر لی جس کا گولہ بغداد سے بآسانی تل ابیب پر پھینکا جا سکتا تھا اور اب اسے اپنی گن کے لئے ایسے آلات درکار تھے جو برطانیہ کی مختلف کمپنیاں تیار کرتی تھیں۔ ان آلات کو کسی نہ کسی طرح سمگل کر کے عراق پہنچانا ہی اب عراقی انٹیلی جنس کا مسئلہ تھا۔

فیصل یوں تو عراقی سفارت خانے میں معمولی عہدے پر کام کر رہا تھا۔

لیکن.....

دراصل وہ عراقی انٹیلی جنس میں اہم عہدے پر فائز تھا جسے برطانیہ میں یہی مشن دے کر بھیجا گیا تھا۔

اس نے بالآخر اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ فلسطین کی آزادی کے سرگرم عمل مجاہدین کی ایک جماعت کا ابو احمد خصوصی آدمی ہے۔ اسے امید تھی کہ اسرائیل کی تباہی کے کسی بھی ممکنہ منصوبے میں ابو احمد ضرور اس کی مدد کرے گا۔ جو پیشے کے لحاظ سے انجینئر اور ایسی برطانوی فرموں میں کام کرتا رہا تھا جہاں یہ آلات تیار ہوئے تھے۔

وکٹوریہ سے سنٹرل لندن کی طرف جانے والی ایک انڈر گراؤنڈ ٹرین میں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔

دونوں کا عرب اور مسلمان ہونا کافی تھا اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی فیصل کو ایسی "حادثاتی ملاقات" کو دوستی کے رشتے میں بدلنے کے فن پر مہارت حاصل تھی۔

تین چار ملاقاتوں ہی میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے۔ اس انکشاف نے فیصل کا سیروں خون بڑھا دیا تھا کہ ابواحمد باعمل مجاہد ہے۔

ایک روز اس نے ابواحمد کو اعتماد میں لے کر سب کچھ بتا ہی دیا۔

"الحمدللہ برادر۔ انشاءاللہ آپ اس سلسلے میں مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پائیں گے۔ کسی فلسطینی مجاہد کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوگی کہ وہ اسرائیل کی تباہی کے کسی بھی منصوبے میں ہاتھ بٹا سکے......!

ابواحمد جس نے حال ہی میں حماد کی شہادت کا سانحہ برداشت کیا تھا اس ملاقات کو تائید ایزدی جاننے لگا۔

"ٹھیک ہے ہم جلدی دوبارہ ملیں گے۔"

یہ کہہ کر فیصل چلا گیا۔

O

آج اس نے اچانک ہی دس پندرہ روز کے بعد فون کیا تھا۔ ابواحمد نے اس نئی کمپنی میں ملازمت اور لندن سے سکاٹ لینڈ کے اس شہر میں منتقلی کی خبر اس تک پہنچا دی تھی اور اسے اپنے ایڈریس اور ٹیلی فون سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

صبح اپنے گھر سے نکلتے ہی اس نے ڈائرکشن میپ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور بغیر کسی راہنمائی کے وہ اس نقشے کی مدد سے بآسانی تین گھنٹے میں ایڈنبرا پہنچ گیا......

شہر میں داخل ہوتے ہی اسے "ایڈنبرا فورت" کے سائن نظر آ گئے تھے اور ان نشانات کے تعاقب میں بالآخر وہ قلعے کے مرکزی دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔

دروازے کے بائیں طرف موجود پارکنگ لاٹ میں اس نے اپنی کار پارک کی اور دروازہ بند کر کے جیسے ہی گردن گھمائی فیصل کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

شاید وہ بہت پہلے سے یہاں پہنچ کر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں نے بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے معانقہ کیا۔

فیصل اس کے ساتھ باتیں کرتا قلعے کے مرکزی دروازے تک آ گیا تھا۔ دونوں سیاحوں کے روپ میں اندر داخل ہو گئے جہاں ایک گائیڈ سیاحوں کے اکٹھے ہونے کا منتظر تھا تاکہ انہیں "سکاٹش آرمی" کے اس قدیم ترین مرکز سے متعلق دلچسپ معلومات سے آگاہ کر سکے۔

دونوں سیاحوں کے اس گروپ میں شامل ہو گئے۔

گائیڈ نے حسب روایت اپنی پیشہ وارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیاحوں کے اس گروپ کو قلعے کے اسرار و رموز سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

وہ ایک ایک پتھر اور عمارت کے نزدیک رک کر اس کی تاریخی اہمیت اور اس سے وابستہ روایت کی کہانی سناتا اور آگے بڑھ جاتا۔ سیاحوں کی بھیڑ اس کے تعاقب میں ہوتی۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا جب کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے اور سیاحوں کے دوسرے کسی گروپ گائیڈ کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے۔

چند منٹ تک فیصل نے ابواحمد کے ساتھ گائیڈ کی باتوں کا لطف اٹھایا پھر دونوں اس گروپ سے الگ ہو گئے۔

فیصل اسے لے کر قلعے کی اس دیوار کی طرف جا رہا تھا جہاں کبھی بیرونی حملہ آوروں کو روکنے کے لئے توپیں نصب کی گئی تھیں۔

یہ گوشہ خالی تھا۔

دونوں پتھر کی ایک دیوار پر ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھ گئے۔ فیصل نے اپنے گلے میں لٹکتا کیمرہ ہاتھ میں اس انداز سے پکڑ لیا تھا جیسے وہ تصویر کشی کرنے جا رہا ہو۔

لیکن......

کیمرے کا کور اتارتے ہوئے اس میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکال کر اس نے ابواحمد کو تھما دیا تھا۔

O

اس کاغذ پر بڑی مہارت سے ایک توپ کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ جس میں موجود کچھ پارٹس

کی تفصیلات ایک کونے میں انہیں تیار کرنے والی فیکٹریوں کی تفصیل کے ساتھ لکھی تھیں۔

''ہمیں فوری طور پر ان تین چیزوں کی ضرورت ہے۔'' فیصل نے نقشے پر تین جگہ باری باری انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ تو.....''

''مجھے علم ہے۔'' فیصل نے ابواحمد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''کہ ان کا حصول بہت مشکل ہے' لیکن ناگزیر ہے.....تم جانتے ہو ان کے بغیر ہمارا منصوبہ ادھورا رہ جائے گا اور دشمن.....''

''میں جانتا ہوں برادر عزیز..... میں جانتا ہوں ان کا حصول ناگزیر ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ حاصل کر کے رہوں گا۔ فی الوقت ہمیں پہلی چیز مل سکتی ہے کیونکہ یہ میری فیکٹری میں تیار ہوتی ہے اور میں اس کے لئے کچھ بھی کر گزروں گا کچھ بھی.....''

ابواحمد نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

فیصل نے اسے سارا نقشہ زبانی ازبر کرنے کی تلقین کی اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے سگریٹ سلگانے کے بہانے لائٹر سے وہ کاغذ جلا کر راکھ کر دیا پھر اسے پاؤں تلے مسل دیا تھا۔

یہ حرکت اس ماحول میں بڑی عجیب لگتی لیکن اس نے اطمینان کر لیا تھا کہ کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں' یوں بھی وہ خاصے غیر آباد حصے میں موجود تھے۔

دونوں نے ممکنہ طریقے جن سے یہ سامان حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک دوسرے کو بتانا شروع کئے اور دو تین گھنٹے تک تبادلہ خیال کے بعد ان کے ذہنوں میں ایک منصوبے کا خاکہ تیار ہو چکا تھا' جس میں اہم کردار بہرحال ابواحمد نے ادا کرنا تھا۔

دوپہر کا کھانا انہوں نے نزدیکی ہوٹل میں اکٹھے کھایا اور وہیں سے ایک دوسرے سے الگ ہو کر کار پارکنگ کی طرف چل دیئے۔

فیصل نے وہاں کار پارک نہیں کی تھی۔ اس بات کا اندازہ ابواحمد کو اس طرح ہوا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ابواحمد ڈنڈی کی طرف عازم سفر تھا۔

اسے یہ کام کسی مدد کے بغیر کرنا تھا۔ صرف اپنے زور بازو پر اور بہر صورت کرنا تھا۔

O

فیصل نے لندن میں اپنے سفارت خانے سے نکلتے وقت خاصی ہوشیاری دکھائی تھی لیکن وہ برطانوی انٹیلی جنس ایم فائیو سے زیادہ ہوشیار نہیں تھا۔

برطانوی انٹیلی جنس کو بھی اس کی اصلیت کا علم شاید کبھی نہ ہو پاتا۔

لیکن.....

ان کی مشکل ''موساد'' نے آسان کر دی۔

ساری دنیا میں اسرائیل کے تلاش اور اس کا خاتمہ ''موساد'' کا مشن ہے کوشش کی جاتی ہے کہ کسی ایسے شخص کو جو کبھی مستقبل بعید میں بھی صیہونیت کے لئے چیلنج بنے گا ختم کر دیا جائے۔

معمولی شک گزرنے پر دنیا میں ہزاروں انسان ''موساد'' کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔

بغداد کی پولیس انٹیلی جنس میں موجود ''موساد'' کے زرخرید ایجنٹوں کو بھاری معاوضے صرف اسی خدمت کے لئے دیئے جاتے تھے کہ وہ عراق کے اندر اور باہر موجود اسرائیلی دشمنوں کا پتہ دے سکیں۔

جس روز عراق کی وزارت خارجہ میں موجود اس خوبصورت سیکرٹری خاتون نے جو نسلاً عیسائی اور ''موساد'' کے ایک ایجنٹ کی داشتہ بننے کے بعد اب اسرائیل کے لئے خدمات انجام دے رہی تھی فیصل کے متعلق اطلاع پہنچائی کہ وہ ایک خاص مشن کے لئے لندن کی عراقی ایمبیسی میں جا رہا ہے تو ''موساد'' حرکت میں آ گئی۔

اپنے محفوظ اور مؤثر طریق کے مطابق ''موساد'' کے ایجنٹوں نے فیصل کے گرد اپنا جال بچھانا شروع کر دیا تھا۔

جس روز فیصل لندن پہنچا اور ایمبیسی میں رپورٹ کرنے کے بعد لندن کو سمجھنے کے لئے باہر نکلا تو سب سے پہلے ایمبیسی کے دروازے پر جس عراقی طالبہ فہیمہ سے اس کا ٹکراؤ ہوا وہ ''موساد'' کی تربیت یافتہ اور آزمائی ہوئی ایجنٹ تھی۔

فہیمہ کا تعلق بغداد کی ایک معزز عیسائی فیملی سے تھا اور اس کا باپ عراق کی وزارت داخلہ میں اہم عہدے پر فائز تھا۔ اس کے دونوں بھائی عراقی پولیس میں آفیسر تھے اور ایسی کسی بھی

خاتون کی اہمیت ''موساد'' کے نزدیک بہت زیادہ تھی۔

O

فہیمہ میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن آئی تھی......!!

اس کی لندن آمد کے چند روز بعد ہی جب وہ بڑی پریشانی کے عالم میں اپنے ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل رہی تھی کیونکہ ابھی تک اسے ہوسٹل میں کمرہ نہیں مل سکا تھا۔ جس نوجوان سے اس کا ٹکراؤ ہوا وہ ''موساد'' کا تربیت یافتہ ایجنٹ تھا۔

کمرے سے سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے وہ خوبصورت عربی نژاد نوجوان جس انداز میں اس سے ٹکرایا تھا۔ فہیمہ کو علم ہی نہ ہو سکا کہ دراصل وہ اس کی پلاننگ کا حصہ تھا۔

لیکن......

جس مہارت کا مظاہرہ اس نے کیا تھا اس سے تو فہیمہ کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا۔

اچانک ہی وہ سیڑھیوں کے ایک کونے سے نمودار ہوا اور اپنے خیالات کی رو میں بہتی فہیمہ اس سے ٹکرا گئی۔

''سوری۔'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا کیونکہ نوجوان اس سے ٹکرایا...... وہ اس طرح گرا تھا کہ اس کا چشمہ ٹوٹ گیا تھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے اپنا چشمہ سنبھال کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''معاف کیجئے میری وجہ سے......'' فہیمہ کو واقعی دکھ سا ہو رہا تھا۔ گرنے والے نے اپنی شکل ایسی معصوم اور بھولی بھالی بنا رکھی تھی کہ عالم حالت میں بھی اگر وہ اسے دیکھتی تو اس پر ضرور ترس کھاتی۔

''دیکھئے! آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں یہ تو معمولی سا حادثہ ہے۔ ایسا کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ حادثہ مجھے سڑک پر پیش نہیں آیا ورنہ شاید کوئی کار مجھ پر سے گزر جاتی اور میں آپ جیسی کسی محترم خاتون کا ''ایکسکیوز'' بھی نہ سن پاتا۔''

اس نے یہ بات اتنی اچانک اور ایسے انداز سے کی...... کہ بے اختیار فہیمہ کی ہنسی نکل گئی۔

''آپ شاید عربی النسل خاتون ہیں۔ ایک بات تو میں تاریخ کا طالب علم ہونے کے

ناطے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے والد ضرور عربی ہوں گے۔''

اس نے بھرپور نفسیاتی حملے شروع کر دیئے تھے......!!

''آپ کا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ میرا تعلق عراق سے ہے اور یہاں طالب علم ہوں۔''

فہیمہ کے اعصاب نارمل ہونے لگے تھے اور پشیمانی کا احساس بھی ختم ہو رہا تھا۔

''اس سے پہلے کہ آپ مجھے اپنا نام بتائیں میرا نام حارث ہے اور ہم میں قدرے مشترک یہ ہے کہ ہم دونوں ہی طالب علم ہیں۔'' نوجوان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''فہیمہ۔'' اس نے اپنا نام بتاتے ہوئے گرمجوشی سے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''چلئے یہ تو شکر ہے کہ آپ نارمل ہوئیں۔ ویسے آپ کو رازداری کی بات بتاؤں۔ میں گزشتہ کئی روز سے خواہش کر رہا تھا کہ یہ عینک ٹوٹ ہی جائے تو اچھا ہے۔''

اس نے بڑے اعتماد سے فہیمہ کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''ارے وہ کیوں......؟ فہیمہ کی دلچسپی اس نوجوان میں بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ یوں بھی حارث میں کسی خاتون کو متاثر کرنے والی بہت سی باتیں موجود تھیں۔

''میری ماں کہا کرتی تھی کہ نظر کی عینک ٹوٹنے سے آنکھیں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ شاید عینک سے نجات مل جاتی۔'' حارث نے جواب دیا۔ ''ارے یہ کیا بھئی ہم کیا بیوقوفوں کی طرح یہاں کھڑے ہو کر باتیں کر رہے ہیں۔ آیئے نیچے چلتے ہیں ایک کپ کافی کا تو میں ضرور آپ کے ساتھ شیئر کروں گا چاہے آپ کا وقت کتنا ہی قیمتی ہو۔ آخر آپ نے میرا نقصان یا شاید میری ماں کے مطابق فائدہ بھی تو کیا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے بڑی بے تکلفی سے فہیمہ کا ہاتھ تھام لیا اور اس طرح اسے سیڑھیوں سے نیچے لانے لگا۔

فہیمہ کے لئے انکار کی گنجائش باقی ہی نہیں رہی تھی۔

O

دونوں ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

کونے کی ایک خالی میز پر دونوں بیٹھ گئے۔ حارث نے مودب ویٹرس کو کافی لانے کا

حکم دیا تھا۔

"آپ کا تعلق......"

"مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ اس سوال کا مکمل جواب کیا ہے۔" حارث نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میری ماں اسرائیلی نژاد تھی اور باپ عراق کا رہنے والا تھا۔ بزرگوں نے بتایا تھا کہ ان کی ملاقات کسی ہسپتال میں ہوئی تھی جہاں میری ماں نرس تھی اور دونوں نے شادی کر لی۔ جب میری عمر دو سال تھی تو ماں مرگئی اور جب پندرہ سال ہوئی تو باپ مرگیا...... بچپن ہی میں میرے والد مجھے یہاں لندن میں لے آئے تھے۔ یہاں معمولی بزنس ہے اور میں نے حال ہی میں تاریخ میں ماسٹر ڈگری لی ہے اب آگے پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مجھے میرے باپ نے بغداد کی بہت کہانیاں سنائی ہیں۔ جس محلے میں وہ پیدا ہوا جہاں پلا بڑھا۔ میرا بہت جی چاہتا ہے بغداد جانے کو...... لیکن افسوس جا نہیں سکتا کیونکہ میں اسرائیل میں پیدا ہوا تھا اور برٹش پاسپورٹ رکھنے کے باوجود شاید عراقی مجھے ویزہ دینا پسند نہ کریں۔" آخری بات کہتے ہوئے اس کا لہجہ بڑا غمگین تھا۔

اس نے بغداد کے گلی کوچوں کا ذکر اس انداز میں فہیمہ سے کیا کہ اس کے لئے سمجھنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ نوجوان صرف معلومات کی بنیاد پر ایسا کہہ رہا ہے یا واقعی اس نے بغداد دیکھا ہے۔

وجہ کچھ بھی رہی ہو اس بات کا اندازہ فہیمہ کو بخوبی ہو چلا تھا کہ حارث کو بغداد سے بہت محبت ہے اور وہ عراق کو پسند کرتا ہے۔

پہلی ہی ملاقات میں فہیمہ نے بھی مکمل تعارف کروا دیا تھا۔

O

جب اس نے ہوسٹل میں داخلے کی مشکل سے آگاہ کیا تو اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا کہ یہ اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں اور وہ آج ہی اس کا یہ مسئلہ حل کر دے گا۔

"تمہارے کالج سے صرف پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر ایک اپارٹمنٹ میں جگہ مل سکتی ہے۔"

"لیکن میں اکیلی شاید اتنا کرایہ ادا نہ کرسکوں۔"

"بھئی اکیلی کیوں؟ یہاں تین چار لڑکیاں یا لڑکے مل کر ایسے اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیتے ہیں۔ تین بیڈروم کا اپارٹمنٹ ہے۔ دو لڑکیاں وہاں پہلے سے رہتی ہیں۔ دونوں بیروت کی رہنے والی ہیں ایک شاید پڑھتی ہیں اور دوسری جاب کرتی ہے۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان میں سے ایک یعنی ملیحہ جو جاب کرتی ہے میرے ایک کزن کی دوست ہے۔ دونوں شاید جلدی شادی کرلیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو ان سے مل لو۔ میرے خیال سے اس سے بہتر جگہ شاید سارے لندن میں نہ مل سکے۔"

O

حارث کی چرب زبانی کے پیچھے "موساد" کی تربیت موجود تھی۔

اجنبی سے بے تکلف ہونا۔

ایسے سنکی اور نرگسیت پسند لوگوں کو جو آدم بیزار ہوں اپنا دوست بنانا۔ ان کی ٹریننگ کا بنیادی حصہ تھا۔

انہیں یہی بتایا اور سکھایا جاتا تھا کہ انسان میں وہ کون کون سے کمزوریاں ہیں جنہیں ایکسپلائٹ کر کے ان سے دوستی کی جا سکتی ہے۔ انہیں اپنے قریب لایا جا سکتا ہے اور اتنا قریب کہ پھر اگر وہ دور ہونا بھی چاہیں تو نہ ہو سکیں۔

فہیمہ تو ماڈرن خیالات کی آزاد منش لڑکی تھی اگر اس کی جگہ عربی کی کوئی روایت پسند خاتون بھی ہوتی تو اس کے ساتھ اتنی بے تکلف ہو جاتی۔ کافی پینے کے بعد فہیمہ اس کی کار میں سوار لندن کے اس نواحی علاقے کی طرف جا رہی تھی جہاں اس کے مسائل کا حل موجود تھا۔

اس نے کار میں رکھی دوسری عینک لگالی تھی اور سارے راستے فہیمہ کے ساتھ اس طرح بے تکلفی اور اپنائیت سے باتیں کرتا رہا تھا کہ جب وہ ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد منزل مقصود پر پہنچے تو دونوں کی دوستی محبت میں تبدیل ہو چکی تھی۔

جس اپارٹمنٹ میں حارث اسے لایا تھا یہ لندن میں موجود "موساد" کے بہت سے "سیف ہاؤس" (ٹھکانہ) میں سے ایک "سیف ہاؤس" تھا۔ فہیمہ کو اس بات کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ اس سے ٹکرانے سے پہلے "موساد" کے مستعد ایجنٹوں نے اس کے متعلق تقریباً تمام معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔ ان معلومات میں اس کی پیدائش سے آج تک کے واقعات اس کا

تعلیمی ریکارڈ، عادتیں، دوستیاں، محبتیں، نفرتیں سب ہی کچھ شامل تھا۔

لندن میں اس کی مطلوبہ ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے "موساد" نے مکمل پلان تیار کیا تھا۔

باقاعدہ ایک منصوبہ تیار کیا گیا تھا جس میں حارث نے مرکزی کردار ادا کرنا تھا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک اپارٹمنٹ میں "موساد" کی دو ایجنٹ لڑکیوں کو رکھا گیا تھا۔ ایسے اپارٹمنٹ دنیا کے بیشتر ممالک میں "موساد" کے پاس ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ جنہیں ضرورت پڑنے پر مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

O

منصوبے کے مطابق "ویک اینڈ" ہونے کی وجہ سے ملیحہ گھر پر ہی موجود تھی۔ جب کہ اس کی ساتھی کسی دوست کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھی۔

اس نے بڑی گرمجوشی سے فہیمہ کو "ویل کم" کہا تھا اور اپارٹمنٹ کے کرایے میں اس کا حصہ اتنا کم بتایا تھا کہ فہیمہ نے فوراً ہاں کر دی۔ "موساد" کو اس کی ہسٹری شیٹ سے علم ہوا تھا کہ یہ خواب دیکھنے والی لڑکی ہے۔

دولت اس کی کمزوری ہے۔

بغداد میں بھی بڑے بڑے دولت مند گھرانوں کے لڑکے اس کے گرد منڈلایا کرتے تھے۔

شراب اور دوسری خباثتیں اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی گو کہ وہ عادتاً شراب نہیں پیتی تھی لیکن بغداد کی ماڈرن فیملی کی لڑکی ہونے کے سبب اسے معیوب بھی خیال نہیں کرتی تھی۔

"موساد" کے لئے تو فہیمہ کی شکل میں بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا۔ انہیں اس چڑیا کو پھانسنے کے لئے کچھ زیادہ زور نہیں لگانا پڑا تھا۔

شام تک حارث اس کے ساتھ رہا۔

ہوٹل سے وہ حارث کے ساتھ ہی جا کر اپنا سامان لے آئی تھی۔ اس نے اس درمیان سینکڑوں مرتبہ حارث کا شکریہ ادا کر دیا تھا۔

"ڈنر" حارث نے ان تینوں کو اپنی طرف سے دیا تھا۔

"اپنی پیاری دوست فہیمہ کے مسائل حل ہونے کی خوشی میں۔"

اس نے فائیو سٹار ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھانے سے پہلے "وائن" کے پیگ تینوں کے ساتھ ٹکراتے ہوئے کہا۔

فہیمہ نے "وائن" لینے میں ذرا ہچکچاہٹ بھی نہیں دکھائی تھی۔

اس بات کا اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ یہ لوگ بھی اس کی طرح عادی شراب نوش نہیں بس کبھی کبھی اچھے مواقع پر ایک آدھ پیگ لگانے والے ہی ہیں۔

اب تک دونوں لڑکیاں فہیمہ کو اس بات کا احساس دلا چکی تھیں کہ وہ بلادِ عرب کی سب سے زیادہ خوش قسمت لڑکی ہے جس نے حارث جیسے رئیس زادے کو پہلی ہی نظر میں گھائل کر دیا ہے اور حارث سے زیادہ نفیس اور امیر نوجوان اسے سارے یورپ اور عرب میں نہیں ملے گا۔

جس بے تکلفی سے ڈنر پر حارث نے "پاؤنڈ" لٹائے تھے اس کے بعد تو فہیمہ خود کو ثریا اور اسے عدنان خشوگی سمجھنے لگی تھی۔ واقعی وہ بڑی خوش قسمت تھی۔

اگر حارث کا مستقل ساتھ میسر آ جاتا تو شاید وہ کبھی عراق واپس نہ جانے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔

ڈنر رات دیر گئے ختم ہوا تھا۔

پہلی ملاقات میں یہی بہت تھا۔

حارث شکار پر کچے ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

دونوں لڑکیاں اپنی گاڑی میں گئی تھیں جب کہ حارث اسے اپنی گاڑی میں اپارٹمنٹ چھوڑنے آیا تھا۔

ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوئے دونوں نے گرمجوشی سے معانقہ کیا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ فہیمہ کبھی "موساد" کے چنگل سے نہیں نکل سکتی۔ حارث نے اسے اپنے فون نمبر دیتے ہوئے "مستقل دوستی" کی بنیاد رکھ دی۔

اس نے ٹرانسپورٹ کا مسئلہ یہ کہتے ہوئے حل کر دیا تھا کہ جاتے ہوئے اسے ملیحہ یونیورسٹی ڈراپ کر دیا کرے گی کیونکہ اس کے دفتر کا بھی وہی راستہ ہے واپسی پر وہ یونیورسٹی کی بس پر آ جایا کرے گی......!

حارث نے اسے بتایا تھا کہ یہ تکلیف بھی چند دنوں کی ہے پھر وہ کوشش کر کے اسے ڈرائیونگ لائسنس دلا دے گا جس کے بعد فہیمہ اپنی کار رکھ سکے گی۔

بے چاری فہیمہ سوچ رہی تھی کہ ''حارث'' کی شکل میں اسے الٰہ دین کا چراغ ہاتھ لگا ہے اور اب اس کی تمام مشکلات ختم ہو چکی ہیں۔

O

حارث کی اگلی ملاقات بڑی بھرپور تھی۔

پورا ایک ہفتہ غائب رہا تھا۔ جس درمیان ملیحہ اس کی بہترین دوست بن چکی تھی۔ اس نے نہ صرف فہیمہ کو چھوڑنا بلکہ واپس لے جانا بھی شروع کر دیا تھا اور اپنے اوقات کار ایسے بنا لئے تھے جن سے وہ اپنی دوست کی مدد کر سکے۔

ان کی تیسری ساتھی بھی خاصی ''کوآپریٹو'' تھی۔

اس درمیان فہیمہ نے خود کو ماحول سے ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ یونیورسٹی اور گھر کا راستہ اسے ازبر ہو گیا تھا اور وہ آسانی سے اب ہر جگہ آ جا سکتی تھی۔

حارث قریباً روزانہ فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرتا تھا۔ اس کا کزن بھی فہیمہ سے مل چکا تھا وہ بھی حارث کی طرح دلچسپ آدمی تھا۔

لیکن......

اس کی دلچسپیوں کا مرکز ان کی تیسری ساتھی لڑکی تھی۔

ہفتے کی شام کو حسب وعدہ حارث وہاں پہنچ گیا۔ فہیمہ نے اس درمیان خود کو مکمل تیار کر لیا تھا۔ اس کی ساتھی لڑکیوں نے حارث کی امارت کی جو جو کہانیاں اسے سنائی تھیں اور جس کا ایک معمولی مظاہرہ اس نے ڈنر پر دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد اگر وہ کچھ نہ بھی کہتیں تو بھی اس کے لئے بہت کچھ تھا......!

دونوں بڑی بے تکلفی سے بھرپور انداز میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اس کی ساتھی لڑکیاں جا چکی تھیں۔ ملیحہ ہی زیادہ اس کے ساتھ رہتی تھی۔ تیسری لڑکی رافعہ بیروت کی رہنے والی اور متکبر تھی۔ شاید حارث کے کزن کی دوستی نے اس کا دماغ خراب کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ فہیمہ سے دب کر رہتی تھی۔

آج فہیمہ نے اپنے بناؤ سنگھار میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

وہ اپنی دانست میں حارث کو اپنے دام محبت میں گرفتار کرنے جا رہی تھی۔ بے چاری......!!

اس مرتبہ حارث نے اس کے ساتھ مقامی ڈسکو کا رخ کیا تھا۔ دونوں خاصی دیر تک وہیں ناچتے رہے۔ فہیمہ کے لئے یہ سب کچھ نیا نہیں تھا۔

اس نے بغداد میں بہت کچھ دیکھا تھا۔ گو کہ عراق کی اعلیٰ سوسائٹی کے لوگوں میں عراقی انٹیلی جنس کا خوف ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔

لیکن......

عراقی حکومت نے کبھی اس نوعیت کی سرگرمیوں کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ زیادہ گھٹن بھی محسوس نہیں کرتے تھے۔

''ڈسکو'' سے رات دیر گئے دونوں باہر نکلے تھے۔

حارث نے تو ایک آدھ پیگ لگایا تھا لیکن فہیمہ خود کو زیادہ ماڈرن پوز کرنے کے چکر میں دو تین پیگ چڑھا گئی تھی اور اب ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہی تھی۔

ڈنر سے فارغ ہو کر دونوں جب باہر نکلے تو حارث نے لوہا گرم دیکھ کر آخری ضرب بھی لگا دی۔

''آج رات آپ میرے ساتھ گزارنا پسند فرمائیں گی۔''

اس نے آپے سے باہر ہوتی فہیمہ کو دعوت دی۔

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ ضرور۔ ضرور۔''

یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کی دعوت کی ہی منتظر رہی ہو۔

حارث کا بنگلہ کسی لارڈ کی رہائش گاہ سے کیا کم رہا ہو گا۔

عیاشی اور امارت کا ہر سامان یہاں موجود تھا۔ ایسے بنگلے لندن میں شاذ و نادر ہی نظر آیا کرتے تھے جن کو ایسے نوادرات سے سجایا گیا ہو۔ ہاتھی دانت سے قیمتی پتھر تک کی بنی کئی چیزوں سے ڈرائنگ روم سجایا گیا تھا۔

شاید یہ بنگلہ ''سنٹرلی ہیٹڈ'' تھا۔ کیونکہ فہیمہ کو اندر داخل ہوتے ہی سردی کا احساس دم

تو ژتا محسوس ہو رہا تھا۔

اسے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اپنے گھر روانہ ہونے سے پہلے حارث نے ''ڈسکو'' کے باہر موجود بوتھ سے ٹیلی فون کر کے کسی کو اپنے گھر جانے کی اطلاع دی تھی۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ ''چڑیا'' اب تیزی سے پنجرے کی طرف سفر کر رہی ہے اور اس پر جال پھینکنے کی تیاری کی جائے۔

کچھ تو ڈسکو کی شراب کا نشہ تھا اور کچھ محبت کا خمار۔

دونوں نے مل کر فہیمہ کے دل و دماغ میں شہوت کی آگ بھڑکا دی تھی۔ اس رات جس عمل سے وہ گزری گو وہ اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ کالج کی زندگی میں اس نے ایسی کئی راتیں بسر کر لی تھیں۔

لیکن......

یہ اپنی نوعیت میں ایک یادگار رات تھی۔

اس رات فہیمہ کی خود سپردگی کا عالم دیدنی تھا۔ اس نے حارث پر ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں آنے والی آخری عورت ہے۔ اس کے بعد شاید اسے کوئی دوستی کی تمنا ہی نہ رہے۔

''موساد'' کا یہی کمال تھا کہ وہ اپنے شکار کو اس طرح پھانستے تھے کہ وہ بڑی خوشی سے ان کے دام میں پھنستا چلا جاتا۔

جب شراب کے نشے میں بدمست فہیمہ دنیا و مافیہا سے بے خبر جنسیت کے طوفان میں بہہ رہی تھی۔ حارث کے حواس قائم تھے اور اس کا ساتھی جو ان کی آمد سے پہلے ہی یہاں چھپا ہوا تھا اس گھناؤنے عمل کو اس مخصوص کیمرے کی مدد سے سلولائیڈ کے فیتے اور فلم پر منتقل کر رہا تھا جس کو اندھیرے میں فلمبندی پر کمال حاصل تھا۔

فلیش لائٹ کے بغیر کسی بھی منظر کو اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت کے حامل یہ کیمرے ''موساد'' کے ہتھیار تھے جن کی مدد سے انہوں نے کئی معرکے سر کئے تھے۔

الیکٹرانکس میں مختلف تبدیلیاں کر کے انہیں اپنے خصوصی مقاصد کے لئے استعمال کرنے پر جو مہارت اور عبور ''موساد'' کو حاصل ہے وہ شاید ہی دنیا کی کسی اور انٹیلی جنس کو حاصل رہا

ہو۔

O

یہ ابتدا تھی۔

اس کے بعد تو جیسے فہیمہ کی عادت بن گئی۔

حارث نے اسے مہنگی شاپنگ کی عادت ڈال دی تھی۔ لندن کے مہنگے سٹورز کے دروازے ایک ایک کر کے اس پر کھلنے لگے تھے۔

فہیمہ خود کو اب حارث کے بغیر ادھورا سمجھنے لگی تھی۔ اس کا آنا جانا اپنی ایمبسی میں لگا رہتا تھا۔

اس کے باپ اور بھائیوں کی وجہ سے ایمبسی کے لوگ اس کو جانتے تھے اور اپنے جسمانی خدوخال اور آزاد خیالی کے سبب وہ بیشتر کے دلوں میں بھی بس چکی تھی۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں بدلے۔

اپارٹمنٹ میں اس کا قیام برائے نام ہی تھا اس کی زیادہ راتیں حارث کے گھر پر اس کے پہلو ہی میں گزرتی تھیں۔

اس روز بھی وہ خود کار چلاتی حارث کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ حارث کی کوششوں سے اسے ڈرائیونگ لائسنس بھی مل گیا تھا حالانکہ یہاں ڈرائیونگ کا امتحان پاس کرنے جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

آج وہ حارث کے ہاں پہنچی تو خلاف توقع حارث کو پریشان پایا۔

''خیریت۔'' اس نے دونوں بانہیں حارث کے گلے میں حمائل کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''نہیں...... فہیمہ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم بھی شاید مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔'' حارث کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

''تمہاری وجہ سے مجھے جہنم بھی جانا پڑے تو سودا مہنگا نہیں۔'' اس نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''فہیمہ معاملہ بڑا سیریس ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہیں کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں۔''

اس نے آہستگی سے خود کو فہیمہ سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''اب کہہ بھی ڈالو کیا سسپنس پھیلا رکھا ہے۔ سارے موڈ کا بیڑہ غرق کر دیا۔''

''تین چار روز سے مجھے کوئی شخص ملاقات کے لئے کہہ رہا تھا'' اس نے بالآخر کہنا شروع کیا'' لیکن میں کسی اجنبی سے کیسے مل سکتا ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ جب تک وہ اپنا تعارف نہیں کروائے گا تب تک میں اس کے ساتھ ملاقات نہیں کر سکتا۔ جب کہ وہ ملنے کے بعد ہی تعارف کروانے پر بضد تھا...... خیر...... میں نے انکار کر دیا۔ پرسوں جب میں گھر واپس لوٹا ہوں تو ایک لفافہ میرے نام کا یہاں موجود تھا۔ جب میں نے کھولا تو تم میری حالت کا شاید اندازہ نہ کر سکو۔''

''کیا تھا اس میں؟'' فہیمہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''لو تم خود ہی دیکھ لو۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے قریب ہی الماری میں رکھا ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

فہیمہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس میں موجود تصاویر دیکھنا شروع کیں۔ جیسے جیسے وہ تصاویر دیکھ رہی تھی اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔ خوف کے مارے اس کو اپنے بدن سے جان نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔

دونوں حال ہی میں ایک ہفتے کی چھٹیاں اکٹھے ساحل سمندر پر گزار کر آئے تھے۔ ساحل سمندر سے ان کے ہوٹل کے کمرے میں گزاری تمام راتوں کی کہانیاں ان تصاویر میں موجود تھیں۔ اس غضب کی تصویر کشی تھی کہ دنیا کا کوئی ایکسپرٹ بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ تصاویر چوری چھپے اتاری گئی ہیں۔

یوں لگتا تھا جیسے انہیں دونوں نے اپنی مرضی سے تیار کروائی ہوں۔

O

''اف میرے خدایا! یہ کیا مصیبت آ گئی۔''

فہیمہ کا رنگ زرد پڑنے لگا تھا۔

تصاویر اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی تھیں۔

''حوصلہ کرو فہیمہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔ مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں لیکن خدانخواستہ اگر تمہاری حکومت کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی کہ تمہارے تعلقات کسی اسرائیلی نوجوان سے ہیں تو تم جانتی ہو کہ تمہارے سارے خاندان کو کس عذاب سے گزرنا پڑے گا...... اور خود تم...... اوہ میرے خدایا! جانے یہ کس حرام خور کی حرکت ہے اور وہ کیا چاہتا ہے۔ فہیمہ میں عراق کی انٹیلی جنس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ لوگ درندے ہیں درندے۔ تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔''

وہ بڑی مکاری سے فہیمہ کو آنے والے کام کے لئے شعوری طور پر آمادہ کر رہا تھا۔

چند منٹ ہی میں فہیمہ کو سمجھ آ گئی تھی کہ جس شخص نے بھی یہ کام کیا ہے وہ نہ صرف اس کی بلکہ اس کے سارے خاندان کی زندگیاں برباد کر سکتا ہے۔

عراقی انٹیلی جنس کا اس سے زیادہ علم اور کسے ہو سکتا تھا؟ وہ جانتی تھی کہ کسی اسرائیلی نوجوان کے ساتھ کسی عراقی لڑکی کے جنسی مراسم کی سزا کتنی اذیت ناک ہو سکتی ہے۔

شاید اس کے تصور سے بھی زیادہ بھیانک!!

O

''کیا چاہتا ہے وہ؟''

بالآخر اس نے حوصلہ کر کے حارث سے پوچھا۔

''یہی بتانے کے لئے وہ ہم سے ملنا چاہتا ہے۔''

حارث نے ڈرامہ کے اگلے ایکٹ کی تیاری کا سٹارٹ لیا۔ وہ لوگ فہیمہ کے لئے کسی کمزوری کی گنجائش نہیں چھوڑ رہے تھے۔

ان کی اداکاری اور پلاننگ قابل داد تھی۔

''اس نے مجھے ایک فون نمبر دیا ہے اور کہا ہے کہ آج چھ اور ساڑھے چھ بجے کے درمیان اسے فون کر کے رابطہ کر لوں۔''

''حارث میرا تو دل گھبرا رہا ہے کوئی مصیبت آنے والی ہے۔''

''تم بے فکر رہو! میرے جیتے جی تم پر کوئی مصیبت نہیں آ سکتی۔ میں نے پتہ کروایا ہے یہ شخص بڑا چالاک معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ٹیلی فون بوتھ کا نمبر ہے اور یہ شخص یہاں ہمارا پیغام ملنے پر

چلا آئے گا۔ پہلے میں نے اس کے لئے کسی پرائیوٹ سراغرساں کی خدمات حاصل کرنے کے متعلق سوچا تھا لیکن اب میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ فہیمہ میں نہیں چاہتا کہ اس بات کا کسی دوسرے شخص کو علم ہو۔ تم نہیں جانتی کہ اگر یہ اطلاع عراقی سفارت خانے کو پہنچ گئی تو وہ...... اف میرے خدایا! فہیمہ ہمیں اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے...... کچھ بھی......!!

فہیمہ کو اب حارث کی فکر ہونے لگی تھی۔

وہ اس کی پریشانی شاید برداشت نہیں کر سکا تھا اور آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

''میں بلاتا ہوں اسے' آخر بات کر لینے میں کیا حرج ہے ذرا میں بھی تو اس ذات شریف کو دیکھوں۔''

بالآخر حارث نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' فہیمہ کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

حارث اس کی ڈھارس بندھانے کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کر رہا تھا۔ جب کہ فہیمہ کو خود سے زیادہ اس کی فکر دامن گیر تھی۔

دونوں نے اپنے حواس قائم رکھنے کے لئے شراب کا سہارا لیا تھا اور اب انہیں بے چینی سے چھ بجے کا انتظار تھا۔

چھ بجے حارث نے فون کیا اور پندرہ بیس منٹ بعد اطلاعی گھنٹی بجی۔

اس درمیان فہیمہ نے حارث کو پستول اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھتے دیکھ لیا تھا۔

''یہ کیا کرنے لگے ہو؟''

وہ گھبرا گئی!

''میں اس حرامی کا خاتمہ کر دوں گا فہیمہ۔ مجھے اپنی پرواہ نہیں مجھے مرجانا قبول ہے لیکن میں تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا۔''

اس نے روہانسی آواز میں کہا تو فہیمہ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

''نہیں حارث خدا کے لئے یہ غلطی نہ کرنا کہیں ہم ایک مصیبت سے بچتے دوسرے مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''

اس نے زبردستی حارث کے ہاتھ سے پستول لے کر دوبارہ اس جگہ دراز میں رکھ دیا

تھا۔

O

حارث کے دروازہ کھولنے پر انہیں ایک دراز قد شکل دکھائی دی......!

آنے والا شکل سے خاصا معزز دکھائی دیتا تھا۔

''میرا نام ڈیوڈ ہے۔'' اس نے بے تکلفی سے حارث کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ صحیح نام نہیں ہے' بہر کیف آپ مجھے اس نام سے مخاطب کر سکتے ہیں......!''

حارث نے اس سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کیا تھا۔

''میں آپ کی ذہنی حالت کا اندازہ کر سکتا ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ ناگوار فریضہ انجام دے رہا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ خود ہی ایک آرام دہ صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

''معزز خاتون کیا آپ کے ہاں مہمانوں سے یہی سلوک کیا جاتا ہے۔'' اس مرتبہ اس نے فہیمہ کو مخاطب کیا تھا۔

''شٹ اپ! اگر تم نے میری دوست سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔''

حارث اتنی شاندار اداکاری کر رہا تھا کہ خود اسے بھی حیرانی ہو رہی ہو گی کہ وہ کبھی اتنا کامیاب اداکار بھی رہا ہے۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔ میری تو خواہش صرف اتنی تھی کہ جو بھی بات ہو وہ آپ دونوں کی موجودگی میں ہو۔'' ڈیوڈ نے لاپرواہی سے کہا۔

''دیکھو زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں جتنی رقم درکار ہے لو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے حارث نے اس کے سامنے چیک بک پھینک دی۔ ''تم اس پر رقم لکھو میں دستخط کر دیتا ہوں۔''

''آپ بہت جذباتی ہو رہے ہیں۔ میرے خیال سے مجھے ابھی چلے جانا چاہئے۔ پھر کبھی بات ہو جائے گی۔''

یہ کہہ کر ڈیوڈ نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا۔

لیکن......

حارث نے پھرتی سے دراز کھول کر پستول ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ "میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔" اس نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"بسر و چشم۔"

ڈیوڈ نے مسخرے کی طرح جھکتے ہوئے اپنی گردن جھکا دی پھر کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر حارث یا تو آپ بے وقوف ہیں یا پھر آپ کا ذہن ماؤف ہو چلا ہے۔ میں نے آپ کو تصاویر بھیجی ہیں۔ ان کے نیگیٹو نہیں...... اور ہاں میرا تعلق کسی لچے لفنگے گروپ سے نہیں۔ ایک انٹیلی جنس ایجنسی سے ہے اور میں یہاں جھک مارنے نہیں آیا۔"

گو کہ اس نے اپنی ایجنسی یا ملک کا نام نہیں بتایا تھا لیکن فہیمہ کو اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ وہ کون ہے؟

O

اس نے محسوس کیا کہ حارث بھی کچھ گھبرا گیا ہے۔

"دیکھو مسٹر حارث تم دونوں سمجھدار ہو اور تمہیں ہمارے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ اگر تم اپنی محبوبہ کی سلامتی چاہتے ہو تو چپ چاپ ہمارا کہنا مانتے جاؤ۔ میں صرف ایک شریفانہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ آپ کی دوست ہم سے کبھی اس کی استعداد سے زیادہ کام نہیں لیں گے۔ اس سے زیادہ کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

ڈیوڈ کا لہجہ خاصا گھمبیر ہو گیا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کریں گے۔" حارث نے چڑ کر کہا۔

"میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کہہ رہا۔ تمہاری دوست کا تعلق عراق سے ہے۔ اس کا آنا جانا ایمبیسی میں لگا رہتا ہے۔ بس ہمیں کبھی کبھی کوئی معلومات درکار ہوتی ہیں وہ لا دیا کرے تو ہم دوست ہیں...... اور ہاں جہاں تک پیسوں کے معاملات ہیں اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر تمہاری دوست کا تعاون جاری رہا تو ہم نہ صرف تمہاری ضروریات کے ذمہ دار ہوں گے بلکہ دنیا کے ہر اس ملک کے دروازے جس کے ساتھ اسرائیل کے سفارتی تعلقات ہیں تمہارے لئے کھل

جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے! اب تم جاؤ اور آئندہ تم صرف مجھ سے رابطہ کرو گے۔ میری دوست سے نہیں۔" حارث نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جیسے تمہاری مرضی ہمیں تو آم کھانے سے غرض ہے گٹھلیاں گننے سے نہیں۔"

ڈیوڈ نے کہا اور چلا گیا۔

اس کی روانگی کے بعد دونوں ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے رہے۔ حارث اس مصیبت کے لئے خود کو ذمہ دار اور فہیمہ اپنے آپ کو قصوروار گردان رہی تھی۔

"موساد" کے ایجنٹ حارث نے بڑی کامیابی سے اس کھیل کو انجام تک پہنچا دیا تھا۔

O

اگلے ہی روز ڈیوڈ نے انہیں پہلا "ٹاسک" دے دیا۔

عراق کی ایمبیسی میں موجود ایک تھرڈ سیکرٹری کے کوائف کا پتہ لگانا تھا۔ فہیمہ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے اپنے اثر و رسوخ سے جلد ہی اس کے متعلق تقریباً تمام معلومات حارث تک پہنچا دیں جس سے یہ معلومات پھر ڈیوڈ کو منتقل ہو گئیں۔

اس کے بعد تو یہ سلسلہ چل نکلا۔

فہیمہ جانتی تھی کہ دونوں بری طرح پھنس چکے ہیں۔

اس درمیان حارث نے بڑی کامیابی سے نہ صرف اسے شراب نوشی کا عادی بنا دیا تھا بلکہ جوا کھیلنے کی عادت بھی ڈال دی تھی۔

اس کام کے لئے فہیمہ کو جو رقم درکار ہوتی وہ حارث اسے یہ کہہ کر دے دیتا کہ یہ ان لوگوں نے اس کے لئے دی ہے۔

فہیمہ کو اب اس کام کی عادت سی ہو گئی تھی۔

دو تین ماہ بعد وہ ضمیر کے بوجھ سے بھی آزاد ہو گئی تھی۔

شاید اس نے لاشعوری طور پر اس "سزا" کو قبول کر لیا تھا۔ اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ "موساد" سے زیادہ سے زیادہ پیسے وصول کر سکے۔

جیسے جیسے وہ کمزور ہورہی تھی۔

''موساد'' کے تقاضے بڑھتے جارہے تھے۔

ڈیوڈ کے علاوہ اب ایک اور شخص نے بھی اس سے ملنا شروع کر دیا تھا۔اس درمیان حارث بری طرح اس کے حواس پر چھا چکا تھا۔

فہیمہ جانتی تھی کہ حارث صرف اس وجہ سے اس مصیبت میں گرفتار ہے ورنہ وہ ان باتوں کی پروا کبھی نہ کرتا کیونکہ وہ برٹش شہری تھا اور اسرائیلی انٹیلی جنس کے لوگ اسے ڈرا دھمکا کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

فہیمہ یہ بھی محسوس کرتی تھی کہ جب سے وہ اس جنگل میں پھنسے ہیں۔حارث پہلے سے بہت زیادہ اس کا خیال رکھنے لگا ہے۔

وہ اس کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری کرنے لگا تھا۔

ایک روز جب فہیمہ نے اس کے سامنے شادی کی تجویز رکھی تو بھی حارث نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ہاں کر دی۔

لیکن......!

اس کے ساتھ ہی اس نے خواہش ظاہر کر دی کہ ان کی شادی تل ابیب میں انجام پائے۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟''

فہیمہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

''تمہارے دوست آخر کس دن کام آئیں گے۔اب تو تمہارے تعلقات بھی ان لوگوں سے بہت اچھے ہیں۔''

اس کا اشارہ ''موساد'' کی طرف تھا۔

''فرض کیا وہ ہاں بھی کر دیں تو بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔آخر میں عراق کی شہری ہوں۔''

''میرے ساتھ شادی کرنے کے بعد تم برٹش شہری بن جاؤ گی۔فی الوقت اگر تمہارے پاس عراقی پاسپورٹ بھی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔میرے خیال سے اگر ہم لوگ انہیں کہیں تو وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے کیونکہ متعدد مرتبہ انہوں نے خواہش ظاہر کی ہے کہ ہم ان کو کوئی

خدمت بتائیں۔''

حارث آخری اور بھرپور حملہ کرنے جارہا تھا۔

ایک مرتبہ اگر یہ لڑکی اسرائیل کا دورہ کر آئی تو ''موساد'' اسے اس بری طرح اپنی گرفت میں لے سکتی تھی کہ پھر شاید وہ اپنی مرضی کے مطابق مر بھی نہ سکتی۔

''اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو......''

فہیمہ نے سر جھکا لیا......!!

حارث دیوانہ وار اس سے لپٹ گیا۔

O

اگلے روز انہوں نے ڈیوڈ کو ملاقات کے لئے بلایا تھا۔

ڈیوڈ کے سامنے حارث نے اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اسے فہیمہ کی تشویش سے آگاہ کیا۔

''یہ معاملہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔عراقی ایمبسی میں کسی کے متوجہ ہونے کے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔آپ صرف ایک ہفتہ لندن سے باہر چھٹیاں باہر گزارنے کا تاثر دیں۔ہم آپ دونوں کو اس طرح لے جائیں گے اور واپس لائیں گے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی......آپ کی دوست کے پاسپورٹ پر کوئی مہر نہیں لگے گی۔آپ مطمئن رہیں۔''

اس نے دونوں کو مکمل اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

تین روز بعد ایک دن ان دونوں کو اسرائیلی ایئر لائن کی ایک پرواز کے ذریعے لندن سے تل ابیب پہنچا دیا گیا۔

ان لوگوں نے فہیمہ کے لئے بطور خاص اسرائیلی پاسپورٹ کا اہتمام کیا تھا اور وہ اسرائیل کے ایک شہری کی حیثیت سے ہی سفر کر رہی تھی۔اس کے پاسپورٹ پر برطانیہ کا کثیر المقاصد ویزہ لگا تھا فہیمہ کو اس بات کا کبھی علم نہ ہوسکا کہ یہ سارا کام کس طرح انجام پایا وہ بالکل محفوظ و مامون سفر کر رہی تھی۔

تل ابیب کے ہوائی اڈے پر حارث کے جعلی رشتہ دار جو دراصل ''موساد'' کے لوگ

تھے ان کے استقبال کو موجود تھے۔

ان میں نوجوان لڑکیاں، عورتیں، بچے اور بزرگ سب ہی موجود تھے۔ سب نے فہیمہ کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور روایتی انداز میں اس کے ساتھ تصاویر بنائیں۔ پھر انہیں تل ابیب کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں پہنچا دیا گیا۔

ان کی شادی یہاں آمد کے تیسرے روز ہی انجام پا گئی۔

فہیمہ کو احساس ہی نہ ہو سکا کہ اس کی اسرائیل میں موجودگی کا ایک ایک پل کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کر لیا ہے اور سینکڑوں تصاویر اور وڈیو فلم مسلسل بن رہی تھیں۔

دونوں اب شادی کے بندھن میں بندھ چکے تھے۔

ان کی شادی عیسائی رسوم و رواج کے مطابق ایک گرجے میں انجام پائی۔ فہیمہ نے یہاں آٹھ کے بجائے دس دن لگا دیئے تھے۔

اب بھی اس کا واپس جانے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن حارث اسے بار بار حالت کی سنگینی کا احساس دلا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اتنے لمبے عرصے اس کی پراسرار گمشدگی سے عراقی سفارتخانے میں کسی کو شک گزر سکتا ہے۔

جب دونوں اسرائیلی ائیر لائن کی پرواز سے واپس آ رہے تھے تو ہوائی اڈے پر انہیں تصاویر کے دو البم اور ایک وڈیو فلم پیش کی گئی۔ بظاہر تو یہ اس دورے کی یادگار تھی۔

لیکن......!

دراصل ''موساد'' کی طرف سے فہیمہ کو باور کروایا گیا تھا کہ اس کی اسرائیل میں موجودگی اور شادی کے مکمل تصاویری ثبوت بھی موجود ہیں۔

فہیمہ کوئی ایسی محب وطن یا مذہبی لڑکی نہیں تھی۔

پہلے پہل تو اس نے مجبوری میں یہ کام کیا ہوگا لیکن اب وہ بڑھ چڑھ کر یہ سب کچھ کر رہی تھی۔ شاید اس نے حارث کو ہی اپنا سب کچھ جان لیا تھا اور اسرائیل اور لندن میں ہی باقی زندگی بسر کرنے پر تیار ہو رہی تھی۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب اس نے ایک روز ''موساد'' کے حکم پر عراقی سفارتخانے سے کچھ کاغذات اڑا لئے۔

فہیمہ ہی کے ذریعے ''موساد'' کے لوگ سفارت خانے کے اندر آزادی سے گھوم پھر رہے تھے وہ ''موساد'' کے مختلف ایجنٹوں کو اپنے ''دوست'' بنا کر ساتھ لے جاتی پھر عراقی سفارت کاروں سے باتوں باتوں میں کام کی باتیں جان لیتے۔

عراقی سفارت خانے کے ایک سیکرٹری کو ''موساد'' نے اس کے ذریعے اپنے جال میں پھنسایا تھا۔ دو سال کے عرصے میں فہیمہ ان کی ''قابل اعتماد ایجنٹ'' بن چکی تھی اور ''موساد'' کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ مستقبل میں کبھی ''موساد'' سے غداری کا سوچ بھی نہیں سکتی اور اس کے ذریعے ''موساد'' کے لوگ ہر ممکنہ کام کروا سکتے ہیں۔

O

کل رات ہی اسے حارث نے فیصل نامی کسی شخص سے جو حال ہی میں عراقی سفارتخانے میں آیا تھا دوستی کرنے اور اس کی آمد کا مقصد جاننے کے لئے کہا تھا۔

فہیمہ نے جان لیا تھا کہ حارث بھی اب ان لوگوں کے اشاروں پر بندر کی طرح ناچنے لگا ہے۔ شاید اس نے اسرائیل سے مکمل تعاون کا ارادہ کر لیا تھا۔

حارث نے اسے ایسی ''خباثتوں'' کا عادی کر دیا تھا کہ اب فہیمہ کے لئے زندگی میں کوئی دوسرا راستہ باقی ہی نہیں بچا تھا۔

اس روز صبح ہی فیصل سے اس کے آفس میں ٹکرا گئی۔

اس کا تعارف فیصل کے ساتھ یہاں پہلے سے موجود سفارت کار نے ایک آنکھ دبا کر کروایا تھا۔ بغداد کی کسی ماڈرن لڑکی سے جو میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہو دوستی کا تصور ہی فیصل کے لئے خوش آئند تھا۔

اس نے اسی روز شام کو فہیمہ کو ایک ہوٹل میں ڈنر پر بلا لیا جہاں دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف ہوتے چلے گئے۔

''موساد'' کی طرف سے سمجھائے گئے منصوبے کے مطابق اس نے دو تین ملاقاتوں ہی میں فیصل کو اپنے صیہونیت دشمن ہونے کا یقین دلا دیا تھا۔

O

بے چارہ انٹیلی جنس کا آفیسر یہی سمجھنے لگا تھا کہ اس کا رابطہ ایک زبردست قوم پرست،

محب وطن عراقی لڑکی سے پڑا ہے جس کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسرائیل کو تباہ کر دے۔

''موساد'' بڑے صبر سے پھل کھانے پر یقین رکھتی تھی۔

ان لوگوں نے فہیمہ کو بھی ایک حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ڈیڑھ دو ماہ کی مستقل اور بھرپور ملاقاتوں کے بعد فیصل کو احساس ہونے لگا تھا کہ وہ فہیمہ کو اعتماد میں لے کر اپنے ملک کے لئے کام کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔

آخر وہ دختر عراق تھی جو اپنے ملک و ملت کے لئے جان تک دینے کو تیار رہتی تھی۔

بہت سوچ بچار کے بعد بالآخر اس نے ایک روز فہیمہ کو اعتماد میں لے ہی لیا۔ ''تمہیں علم ہے ان یہودیوں نے ہمارا ایٹمی پلانٹ تباہ کر دیا تھا...... لیکن صدر صدام کا یہ عزم ہے کہ وہ اسرائیل کو نیست و نابود کر کے ہی دم لیں گے۔ بین الاقوامی حالات تمہارے سامنے ہیں۔ یہودیوں نے ساری دنیا کو خصوصاً مغربی دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ کسی کی جرأت نہیں کہ ان کی زیادتیوں کے خلاف زبان بھی کھول سکے۔ ہمارے عرب ساتھیوں کو تم جانتی ہو یہ لوگ عیش و عشرت میں ڈوبے اپنے عوام کا خون نچوڑ کر مغرب کو پلا رہے ہیں۔ بے غیرت اور قوم فروش لوگ ہیں یہ ان سے ہمیں نہ ماضی میں کبھی خیر کی توقع تھی نہ مستقبل میں ان پر تکیہ کیا جا سکتا ہے۔ بہت سوچ بچار کے بعد صدر صدام حسین نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم پہلے چوری چھپے اپنی طاقت کو مضبوط کریں۔ جدید ترین تباہ کن ایٹمی اور کیمیائی ہتھیار تیار کریں اور جب اس قابل ہو جائیں کہ اسرائیل سے بدلہ لے سکیں تو تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر اسرائیل پر حملہ کر دیا جائے...... صدر کو امید ہے کہ اسرائیل کے خلاف عراقی حملے میں سارا عالم اسلام ان کے ساتھ دے گا۔ سوائے بے غیرت حکمرانوں کے۔ دنیا کا کون سادہ مسلمان ہے جو اسرائیل کی تباہی کا خواہاں نہ رہا ہو۔ یہی سوچ کر ہم نے یہ منصوبہ تیار کیا ہے اور میری لندن آمد بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ ہم ایک خصوصی توپ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس کے لئے اہم پرزہ جات یہاں سے حاصل کرنے کے لئے لندن آیا ہوں اور انشاءاللہ حاصل کر کے ہی واپس جاؤں گا۔''

''آپ مجھے ہر قدم پر اپنے ساتھ پائیں گے۔ اپنے عظیم صدر کے حکم پر جان دینا میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں۔ میری جان بھی اس عظیم مقصد میں چلی جائے تو کچھ پروا نہیں۔ آپ حکم

دیجئے مجھے کبھی پیچھے نہیں پائیں گے۔''

فہیمہ نے مکاری سے کہا۔

''وقت آنے پر ضرور تمہیں مادر وطن کی خدمت کے لئے پکارا جائے گا۔ فی الحال تم خاموشی سے صورت حال کا جائزہ لیتی رہو...... تمہارا آنا جانا چونکہ لندن کی اونچی سوسائٹی میں ہے ممکن ہے تمہیں کوئی کام کا آدمی مل جائے۔ ہمیں ہر قیمت پر یہ سامان چاہئے۔''

فیصل نے اسے سرگوشی میں سمجھایا۔

''آپ مجھے سامان کی فہرست دیجئے اور بتائیے کہ اس کا حصول کہاں سے ممکن ہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں حاصل کر کے رہوں گی۔''

ٹھیک ہے فی الحال تم یہ تین چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں ایک فہرست دیتا ہوں جس میں ان کے تیار کنندگان کے نام اور ایڈریس لکھے ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی میز کی دراز سے ایک کاغذ کا پرزہ نکال کر اسے تھما دیا۔ ''اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھنا' کوشش کرو تمہیں یہ سب کچھ زبانی یاد ہو جائے اور اس کاغذ کو جلا دو۔''

اس نے فہیمہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مطمئن رہیے ایسا ہی ہو گا۔'' فہیمہ نے اسے اطمینان دلایا۔

اسی روز یہ اطلاعات فہیمہ کے ذریعے ''موساد'' کو منتقل ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

ایجنٹ کا جواب

فہیمہ کی یہ اطلاع ''موساد'' کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی تھی۔

اسرائیل کو پاکستان کے بعد جس اسلامی ملک سے سب سے زیادہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا وہ عراق تھا.....!

عراق کی طرف سے اسرائیل کی تباہی کے خفیہ منصوبے کا علم ''موساد'' کو ہو چکا تھا اور اب یہودی لابی بین الاقوامی پریس میں اپنی معصومیت اور عراق کی بہیمیت کا رونا رونے جا رہی تھی۔

لیکن.....

اس کے لئے انہیں کوئی ڈرامہ ضرور کرنا تھا۔ حالات نے اس گھناؤنے کھیل کے لئے راہ ہموار کر دی تھی۔ اب ''موساد'' کو لندن میں عراق کی کوئی ''خطرناک سازش'' پکڑنی تھی تا کہ دنیا کو باور کرایا جا سکے کہ اگر عراق نے مطلوبہ اسلحہ تیار کر لیا تو وہ ساری دنیا کو اسرائیل سمیت نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔

عراق انٹیلی جنس کے ہونہار آفیسر فیصل کے گرد ''موساد'' نے اپنا جال بننا شروع کر دیا تھا۔ ''موساد'' کی ہمیشہ سے یہی حکمت عملی رہی ہے کہ کبھی دشمن پر کچا ہاتھ نہ ڈالا جائے!

وہ اپنے شکار کے گرد پہلے بڑی محنت سے لیکن بہت مضبوط جال بنتے تھے جس میں سے شکار کے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے اس کے بعد خود ساختہ ثبوت اکٹھے کئے جاتے تھے اور آخر میں بھرپور حملہ.....!!

عموماً یہ حملہ اسی ملک کی پولیس کے ذریعے کروایا جاتا جہاں ''موساد'' کا شکار سرگرم عمل ہوتا تھا۔ ''موساد'' ایک مقامی پولیس کی مدد کرتی تھی اس کے لئے ثبوت اکٹھے کر کے اسے ملزم کا پتہ بتا دیتی تھی جس کے بعد پھر ساری دنیا کو تماشہ دکھایا جاتا تھا۔

فیصل کے خلاف بھی یہی کچھ ہونا تھا.....!!

فہیمہ سے ملاقات کے فوراً بعد ہی فیصل نے بغداد میں اس کے خاندان اور ان لوگوں سے متعلق تمام تفصیلات طلب کی تھیں۔

اسے علم ہوا تھا کہ یہ لوگ آزاد خیال اور جنس زدہ ضرور ہیں لیکن بعث پارٹی کے جانثار اور صدر صدام حسین کے وفادار ہیں اور پارٹی کے لئے اس خاندان کی خدمات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

یہ اطلاعات اس کے اطمینان کے لئے کافی تھیں۔ اس کے بعد ہی اس نے فہیمہ کو اعتماد میں لیا تھا۔

لیکن.....

اس روز جب وہ فہیمہ سے انتہائی اہم اور رازدارانہ گفتگو کر کے واپس لوٹا تو اس کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا تھا کہ جیسے اس نے کوئی غلط کام کر لیا ہو۔ فیصل کو اپنی چھٹی حس پر بہت اعتماد تھا۔

اس نے زندگی میں متعدد مرتبہ انتہائی نازک مواقع پر بھی اپنی خداداد صلاحیت کے بل بوتے پر خود کو آنے والے خطرات سے بچایا تھا۔ فہیمہ کی طرف سے گو کہ ایسا کوئی سگنل نہیں ملا تھا جس کی وجہ سے اس پر شک کیا جا سکتا.....

بغداد میں اس گھرانہ اچھی شہرت کا مالک تھا۔

لیکن.....

نجانے کیوں اسے ایک بے چینی سی لگی ہوئی تھی۔ رات دیر گئے تک وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ بالآخر ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو کر سو گیا۔

اس نے اپنے طور پر فہیمہ کی نگرانی کا فیصلہ کر لیا تھا.....!!

دوسرے روز فیصل نے اپنی تفتیش کا آغاز عراقی سفارت خانے ہی سے کیا۔ اس نے فہیمہ کے دوستوں پر نظر رکھنا شروع کر دی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ہر ہفتے ایک نیا چہرہ سفارت خانے میں آ رہا تھا۔

یہ لوگ کون تھے.....

کہاں سے آتے تھے......

کہاں کے رہنے والے تھے......

جب ان تینوں سوالوں کے جوابات ایک ایک کر کے فیصل کو ملے تو اس کا ماتھا ٹھنکا وہ گھبرا گیا۔

فیصل کے لئے یہ اطلاع چونکا دینے والی تھی کہ فہیمہ نے شادی کر لی ہے اور حارث نامی کسی نوجوان کے ساتھ رہتی ہے۔

ابو احمد نے لندن میں موجود اپنے دوستوں کے ذریعے یہ اطلاع بھی حاصل کر لی تھی کہ حارث کا آنا جانا اسرائیلی قونصلیٹ میں بہت زیادہ ہے...... پھر یہ بات ان کے علم میں آ گئی کہ حارث اسرائیل کا باشندہ ہے اور برٹش پاسپورٹ کے ساتھ برطانیہ میں مقیم ہے۔

کسی شخص کے متعلق صرف اس بات کا علم ہو جانا کہ وہ اسرائیل کا شہری ہے اور اس کے خصوصی مراسم عرب ممالک کی کسی لڑکی کے ساتھ ہیں اس بات کا ثبوت تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے......!

فیصل کو ان اطلاعات نے چکرا کر رکھ دیا۔

''پی ایل او'' میں اس کے دوست سائے کی طرح حارث اور فہیمہ سے چپک گئے تھے۔ ان کی طرف سے ہر روز کوئی نہ کوئی پریشان کن خبر فیصل کو مل جاتی تھی۔ خصوصاً فہیمہ کا جن لوگوں سے میل جول تھا ان میں زیادہ تر یہودی تھے۔

''دھوکہ......'' بالآخر اس کے ذہن نے فیصلہ دے دیا۔

فہیمہ نے اپنے ملک سے غداری کی تھی۔

لیکن......!

وہ کہاں تک ملکی سالمیت کے لئے خطرہ بن چکی ہے۔ یہ جاننے کے لئے فی الوقت اسے دھوکے میں رکھنا ضروری تھا۔

فیصل نے سب سے پہلے فہیمہ کے ساتھ اکثر آنے والے مہمانوں پر نظر رکھنی شروع کر دی۔ اس کام کے لئے برطانیہ میں کئی پرائیویٹ سراغرساں ادارے موجود تھے جو معاوضے پر ایسے کام کر دیا کرتے تھے۔

صرف تین آدمیوں کی مسلسل نگرانی نے ہی ان کی آنکھیں کھول کر رکھ دیں۔ تینوں کسی نہ کسی طرح ''موساد'' سے وابستہ تھے۔

اب انہیں حارث کی اصلیت کا پتہ لگانا تھا۔ جس کے بعد ہی وہ کسی فیصلے پر پہنچ سکتے تھے۔ ابو احمد نے اپنے خصوصی ذرائع سے اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ دونوں کی شادی کم از کم برطانیہ میں نہیں ہوئی۔

یہ خبر تو فیصل کے اوسان پر بم بن کر پھٹی کہ فہیمہ نے خفیہ طور پر اسرائیل کا دورہ بھی کر لیا تھا اور حارث کا تعلق ''موساد'' سے ہے۔

O

دونوں اطلاعات اسے برطانیہ کے اس خصوصی پرائیویٹ سراغرساں ادارے نے بہم پہنچائی تھیں۔ جو خطیر معاوضے پر غیر ملکی سفارت خانے کے لئے کام کرتا تھا۔

اب کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں بچی تھی۔

فیصل نے یہ سارا کام انتہائی صبر اور مستقل مزاجی کے ساتھ کیا تھا کیونکہ اس کے رویے میں آنے والی معمولی تبدیلی کا بھی ''موساد'' کے ایجنٹ بہت سختی سے نوٹس لیتے۔

اس دوران عراق میں فہیمہ کے خاندان کے گرد انٹیلی جنس کا گھیرا بہت تنگ ہو گیا تھا لیکن اس طرف سے کوئی بھی مشتبہ بات یا حرکت عراقی انٹیلی جنس کو نہیں دکھائی دی تھی۔

اپنے مخصوص طریق تفتیش کے مطابق عراقی انٹیلی جنس نے اپنے ہی لوگوں کو ''موساد'' کے بھیس میں فہیمہ کے باپ اور بھائیوں سے ٹکرایا تھا تا کہ انہیں وطن سے غداری پر راضی کر سکیں۔

لیکن......

تینوں نے انہیں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔

یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ اس کے بعد عراقی انٹیلی جنس نے اپنے طور پر اس بات کے ثبوت بھی حاصل کر لئے تھے کہ اس کے خاندان کے کسی فرد کو تو فہیمہ کی شادی کا علم ہے نہ ہی انہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ ان کی بیٹی غدار ہو گئی ہے۔

وہ صرف یہ جانتے تھے کہ فہیمہ میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے لندن گئی ہے اور تین سال سے وہیں قیام پذیر ہے۔

عراقی حکومت کی طرف سے فیصل کو گرین سگنل مل گیا تھا کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے اس کے خلاف کارروائی کر سکتا ہے۔

O

اس روز جب فہیمہ کو ٹیلی فون پر اپنی والدہ کے قریب المرگ ہونے کی اچانک خبر ملی تو وہ حیران رہ گئی۔

پریشانی سے زیادہ حیرانگی کا غلبہ اس پر طاری تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اچانک اس کی والدہ کو دل کا دورہ پڑ گیا ہے حالانکہ وہ شاندار صحت کی مالک تھی۔

یہ فون اسے اپارٹمنٹ پر آیا تھا۔

اس نے سفارتخانے اور اپنے لواحقین کو بھی اپنا یہی فون نمبر اور ایڈریس دیا ہوا تھا اور ہفتے میں دو تین روز وہاں ضرور گزارتی تھی۔

اس روز بھی وہ اپنے اپارٹمنٹ پر ہی موجود تھی جب اچانک بغداد سے آپریٹر نے اس کے لئے کال کی خبر تھی۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے پر فون ملیحہ نے اٹھایا تھا اور فہیمہ کو پریشان دیکھ کر سب سے پہلے اس نے فہیمہ کی پریشانی کا سبب دریافت کیا تھا۔ ملیحہ لندن میں ''موساد'' کی سب سے مضبوط ایجنٹ تھی۔

اس فون کال کو سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا...... اس نے دوسرے ہی لمحے اپارٹمنٹ بلڈنگ میں موجود بوتھ سے اپنے مقامی ''کیڈسا'' حارث کو اس فون کی اطلاع دے دی تھی۔

حارث نے فی الوقت اسے خاموشی اختیار کرنے اور بالکل نارمل رہنے کے لئے کہا تھا۔

شام کو وہ معمول کے مطابق فہیمہ سے ملنے آیا۔

''خیریت۔''

اس نے فہیمہ کے پریشان چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

فہیمہ نے بڑی پریشانی کے عالم میں اپنی والدہ کی بیماری کی اطلاع دی اور بتایا تھا کہ

سفارت خانے کی طرف سے بھی اسے اسی نوعیت کا فون آیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے کہا گیا ہے کہ وہ اپنا پروگرام بتائے جس کے مطابق اس کے لئے جہاز میں سیٹ کا بندوبست کر لیا جائے۔

''تو یہ بات ہے......''

حارث نے معاملات کو قدرے سمجھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا کیا مشورہ ہے۔'' فہیمہ نے اس سے پوچھا۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

اس سوال کا جواب حارث نے سوال کی شکل میں دیا تھا۔

''میں چند دنوں کے لئے بغداد ہو آؤں۔'' فہیمہ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

''میرا مشورہ یہ ہے کہ ابھی تم کوئی فیصلہ نہ کرو......''

''میرا مطلب تو اب تمہاری سمجھ میں آ جانا چاہئے۔'' حارث نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ تو یہ بات ہے۔'' فہیمہ نے اس طرح اثبات میں سر ہلایا جیسے اسے حارث کی بات کا مطلب واقعی سمجھ آ گیا ہو۔

''ہمیں اس بات کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ کہیں ان لوگوں کو تم پر شک تو نہیں ہو گیا اور وہ تمہیں بہانے سے عراق بلا کر گرفتار تو نہیں کرنا چاہتے۔''

حارث نے کہا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟''

''جن لوگوں کے لئے تم کام کر رہی ہو ان کے لئے اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے''...... حارث نے بڑے اعتماد سے کہا۔

دونوں باتیں کرتے اپنے گھر تک پہنچ گئے تھے۔

O

حارث نے اس درمیان اندازہ لگا لیا تھا کہ دو کاریں صبح سے اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ اس احساس کے بعد کہ فہیمہ پر عراقیوں کو شک ہو سکتا ہے وہ چوکنا ہو گیا تھا۔ اس نے بطور خاص اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

یوں تو ''موساد'' کے لئے فہیمہ کو ''خطرناک'' سمجھنے کو اتنا ہی ثبوت کافی تھا کہ اس کی

نگرانی کی جارہی ہے۔

لیکن......

اسی شام انہوں نے بغداد میں اپنے ایجنٹوں سے اس بات کا پتہ بھی چلا لیا تھا کہ فہیمہ کی ماں کی بیماری کا ڈرامہ رچایا گیا ہے اور وہ بالکل رو بصحت ہے۔

اگلے روز شام تک صورت حال واضح ہو چکی تھی۔

''موساد'' نے جان لیا تھا کہ ان کی ایجنٹ کو عراقیوں نے پہچان لیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں عراقی سفارت خانے کے لوگ کسی نہ کسی جال میں پھنسا کر اگر اسے واپس لے گئے تو ''موساد'' کے کئی خفیہ چہرے بے نقاب ہو سکتے تھے۔

دوسری صورت میں عراقی اسے مار دیتے۔

لیکن......

عراقی ہی کیوں یہ کام کریں۔ یہ خوشگوار فریضہ ''موساد'' ہی کیوں نہ انجام دے۔ آخر وہ ایک عرصے سے ان کی خدمت کر رہی تھی۔

اور......

اس خدمت کا بہترین معاوضہ ''موت'' سے بڑھ کر کیا ہو سکتا تھا۔

''اس سے پہلے کہ برطانوی انٹیلی جنس یا پرائیویٹ ایجنسی کو حقائق کا علم ہو اسے مار ڈالو۔''

''موساد'' کے ایجنٹ حارث نے جو فہیمہ کا جعلی شوہر بنا ہوا تھا۔ اپنی بیوی کے حق میں خود ہی فیصلہ سنا دیا۔

''یہ کام تم کرو گے۔''

اس نے میٹنگ میں موجود ڈیوڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''او۔ کے'' ڈیوڈ نے اس طرح سر ہلایا جیسے یہ اس کے لئے معمولی بات رہی ہو۔

''موساد'' فوراً فیصلہ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی قائل تھی۔

فہیمہ نے حارث کے سامنے ضد لگا رکھی تھی کہ وہ ایک مرتبہ سفارت خانے جا کر اپنے طور پر حالات جاننے کی کوشش کرے گی۔

عین ممکن تھا کہ وہ ایسا کر گزرتی۔ شاید اتنی حرام کاری کے باوجود اس کے سیاہ دل کے کسی کونے میں ابھی اپنی ماں کی محبت زندہ تھی۔

''میں اسے ''ایلڈنگ'' والے سیف ہاؤس میں لے کر آتا ہوں تم بندوبست کر لو۔'' اس نے اٹھتے ہوئے ڈیوڈ سے کہا۔

O

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے عالی شان بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔

فہیمہ کو اس نے یہاں سے کچھ فاصلے پر موجود ایک بہت بڑے ڈیپارٹمنٹل سٹور میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی اور اس بات کی تلقین کی تھی کہ وہ اپنے تعاقب میں آنے والوں کو ''ڈاج'' دے کر وہاں تک پہنچے۔

اپنے تعاقب میں آنے والوں کو ''ڈاج'' دینے کی اہلیت اس میں تھی۔

''موساد'' اپنے کسی بھی ایجنٹ کو اس فن میں طاق کر دیتی ہے۔

بنگلے کے دروازے سے باہر نکل کر اس نے تازہ ہوا میں سانس لینے کے انداز میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور آہستہ آہستہ نزدیکی بس سٹاپ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

فہیمہ اس دوران اپنے تعاقب میں آنے والے اس لمبے تڑنگے انگریز کو بخوبی پہچان چکی تھی۔ اسے علم تھا کہ اس بس سٹاپ پر بس کے پہنچنے کا وقت کیا ہے۔ متعدد مرتبہ وہ شام کو اس وقت اسی بس کے ذریعے سی اینڈ ڈبلیو سٹور تک جا چکی تھی۔

دو چار گلیوں کے چکر دے کر جب اسے یقین ہو گیا یہ شخص اس کا تعاقب کر رہا ہے تو وہ آہستہ آہستہ اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی ہوئی نزدیکی بس سٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔ لمبا آدمی اس کے اور اپنے درمیان خاصا فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کر رہا تھا اور وہ بڑی ہوشیاری سے بس سٹاپ سے چند قدم دور ہی رک گئی تھی۔

اسے رکتے دیکھ کر تعاقب میں آنے والا بھی رک گیا اور منہ پھیر کر دوسری طرف ٹریفک کا جائزہ لینے لگا۔

جیسے ہی قطار میں لگی آخری عورت بھی بس میں سوار ہوئی اچانک بھاگ کر فہیمہ بس پر چڑھ گئی۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی بس کا دروازہ بند ہو گیا اور بس چل دی۔

بس کی کھڑکی سے اس نے بڑی پریشانی کے عالم میں اس لمبے آدمی کو اسی طرف بھاگتے دیکھا۔شاید وہ بھی بس میں سوار ہونا چاہتا تھا...... اچانک ہی وہ اپنا رخ بدل کر اس طرف بھاگا جہاں سڑک کے کنارے کاریں پارک کی گئی تھیں۔

موڑ مڑتی بس سے فہیمہ نے آخری نظارہ یہی کیا کہ لمبا آدمی کسی کار والے کو اشارے سے بس کا تعاقب کرنے کو کہہ رہا تھا۔اس درمیان بس موڑ کاٹ چکی تھی۔جیسے ہی اگلا سٹاپ آیا گو اس نے ٹکٹ کسی اور جگہ کا خریدا تھا وہ بس سے نیچے اتر کر تیزی سے سڑک عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی۔

بس کی روانگی کے فوراً بعد ہی اس نے ایک تیز رفتار نیلی کار کو اس طرف آتے دیکھا تھا۔جس کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ وہی لمبا انگریز بیٹھا تھا۔

فہیمہ نے اطمینان کا لمبا سانس لیا......!

نزدیکی سٹینڈ سے ٹیکسی لے کر وہ سی اینڈ ڈبلیو سٹور پر پہنچ گئی جہاں حارث نے اس سے ملنا تھا۔

O

حارث اپنے گھر میں اس طرح داخل ہوا تھا کہ نگرانی پر موجود ہر شخص کو اچھی طرح نظر آ سکے۔اندر داخل ہونے پر اس نے کمرے کی لائٹ بھی جلا دی تھی جس کی ایک کھڑکی سے روشنی چھن کر باہر جا رہی تھی اور اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ گھر میں کوئی موجود ہے۔

اندر داخل ہو کر اس نے اطمینان سے اپنے کپڑے تبدیل کئے اور اوپر کے دانتوں کے درمیان ایک مخصوص سپرنگ پھنسانے کے بعد اب وہ مکمل بدلا ہوا آدمی نظر آ رہا تھا۔

اپنے بنگلے کے پچھواڑے کی طرف جاتے ہوئے اسے اطمینان تھا کہ اس طرف کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''موساد'' نے یہ بنگلہ خاص طور سے اسی مقصد کے لئے خریدا تھا کہ اگر کبھی ایمرجنسی میں اس سے نکلنا پڑا تو نکلا جا سکے۔

بنگلے کے پچھواڑے بنے باغ میں چلتا وہ لکڑی کی اس باڑ تک آ گیا جسے عبور کر کے وہ ایک تنگ سی گلی میں پہنچ سکتا تھا۔یہ برساتی نالے کا راستہ تھا۔جس طرف کوئی شاذ و نادر ہی آتا تھا۔

اطمینان سے چلتا وہ نالے کے ساتھ ساتھ سفر کرتا بنگلے سے کافی دور نکل آیا۔یہاں

ایک ٹیلی فون بوتھ پر فون کر کے اس نے ٹیکسی منگوائی اور تھوڑی دیر بعد وہ سی اینڈ ڈبلیو سٹور میں موجود تھا۔

حارث کو اپنی طرف آتے دیکھ کر فہیمہ بے قراری سے اس کی طرف بڑھی اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک اور کار میں جو پہلے سے ان کے لئے یہاں پارک کی گئی تھی لندن کے مضافاتی علاقے ''ایلنگ'' کی طرف جا رہے تھے۔

O

''میں نے تمہارے دوستوں سے درخواست کی تھی کہ بغداد میں تمہارے گھر کے حالات معلوم کریں اب ہم ان کی طرف جا رہے ہیں تاکہ واقعات کی اصلیت کا پتہ لگایا جا سکے۔'' اس نے فہیمہ کے استفسار پر بتایا۔

فہیمہ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آ سکتا تھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔وہ حارث کو واقعی اپنا خاوند سمجھنے لگی تھی اور سنجیدگی سے دوسری غیر اخلاقی عادات جو اس کے ضمیر میں داخل ہو چکی تھیں چھوڑنے کا سوچ رہی تھی۔

''ایلنگ'' کے جس نواحی علاقے میں وہ لوگ پہنچے یہ قدرے ویران تھا۔یہاں آبادی تو تھی مگر مکانات ایک دوسرے سے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں بنائے گئے تھے۔

شاید یہ امیر ترین علاقہ تھا کیونکہ ایسے مکانات جو ایک دوسرے سے فاصلے پر تعمیر کئے جائیں امراء اور روساء ہی کے ہوتے تھے۔

گاڑی حارث نے جہاں پارک کی تھی وہاں سے متعلقہ مکانوں کا فاصلہ دو فرلانگ سے کم نہیں تھا۔فہیمہ نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ حفاظتی اقدامات کے پیش نظر اس نے گاڑی دوسرے بلاک میں پارک کی ہے کیونکہ عراقی سفارت خانہ کو اس پر شک ہو گیا تھا اور اس کی نگرانی کی جا رہی تھی اس لئے عین ممکن تھا کہ ان کا تعاقب کیا گیا ہو۔اسی خدشے کو پیش نظر رکھتے ہوئے حارث نے گاڑی یہاں پارک کی تھی تاکہ اندازہ کیا جا سکے کہ کوئی ان کے پیچھے تو نہیں آ رہا......!!

جس دروازے پر انہوں نے گھنٹی بجا کر دستک دی تھی اس کے اوپر ایک خفیہ کیمرہ نصب تھا جو یہاں آنے والوں کی تصویر اندر موجود ٹیلی ویژن کی سکرین پر منتقل کر رہا تھا۔اس کے

بعد ہی دروازہ کھولا جاتا۔ "موساد" کا یہ عارضی بندوبست تھا جو وہ ہنگامی حالات میں کرتے تھے۔ دروازہ ڈیوڈ نے کھولا۔

اس نے دونوں کا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا تھا۔

تینوں جس کمرے میں پہنچے وہاں دو اور درندے پہلے سے موجود تھے۔ دونوں فہیمہ کے لئے اجنبی تھے۔

لیکن......

ان کی آنکھوں میں ناچتی وحشت اور چہروں سے ٹپکتی خونخواری پہلی ہی نظر میں ان کی درندگی پر دلالت کرتی دکھائی دیتی تھی۔

ڈیوڈ نے سب کو کافی پیش کی تھی......!

"اب ہمیں کام کی بات بھی کر لینی چاہئے"...... حارث نے کافی کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" ڈیوڈ بولا۔

"میں سمجھی نہیں......" فہیمہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"جلدی سمجھ جاؤ گی میری جان۔ ہم تمہیں سمجھانے کے لئے ہی تو یہاں لائے ہیں۔"

ڈیوڈ نے اس کی طرف دیکھ کر بیہودہ سا اشارہ کیا۔

"فہیمہ! ان لوگوں نے مکمل تحفظات کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ تمہارے لئے اب عراق جانا خودکشی کے مترادف ہوگا۔" حارث نے بات شروع کی۔

"تمہارے والدین جو بعث پارٹی کے سرگرم رکن ہیں وہیں تمہیں مار ڈالیں گے اگر انہوں نے نہ مارا تو عراقی انٹیلی جنس تمہارے خوبصورت جسم کی ایک ایک بوٹی الگ کر دے گی۔ پہلے وہ تم سے ہمارے متعلق معلومات حاصل کریں گے اس کے بعد تمہیں کتیا کی موت مار ڈالیں گے۔"

فہیمہ کو اس کی آواز کنویں کی گہرائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں منجمد کر دینے والی ایک سرد سی لہر دوڑ رہی تھی اور اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"ہم نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں اب یہاں سے اسرائیل منتقل ہو جاؤ کیونکہ عراقیوں نے فلسطینی گوریلوں کو تمہارے تعاقب میں لگا دیا ہے اگر تم نے لندن میں سیاسی پناہ لینے کی کوشش بھی کی تو یہ لوگ ہر قیمت پر تمہیں مار ڈالیں گے۔ تم جانتے ہو اس سے پہلے بھی ایسے دو تین واقعات یہاں گزر چکے ہیں۔ یہ لوگ اپنے غداروں کو کبھی معاف نہیں کرتے۔"

اس مرتبہ دونوں درندوں میں سے ایک نے اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس دلایا تھا۔ فہیمہ یہ تو جانتی تھی کہ یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں۔ واقعی اس نے جس طرح اپنے وطن سے غداری کر کے اور "موساد" کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر مادر وطن کی عزت کو داؤ پر لگایا تھا اس کے بعد عراقی انٹیلی جنس اسے ضرور مار دیتی۔

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اس کے والدین کبھی عراق سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اگر نہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ اس نے اسرائیل کے کسی یہودی کے ساتھ شادی کر لی ہے تو وہ خود اسے مار ڈالیں گے۔

"مجھے پھر کیا کرنا چاہئے۔" اس نے خوفزدہ آنکھیں حارث کے چہرے پر جماتے ہوئے پوچھا۔

"ان کی بات مان لو۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ اسرائیل منتقل ہو جاتا ہوں۔" حارث نے اطمینان سے مشورہ دیا۔

"ہم نے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ فہیمہ کو ایک خط لکھنا ہوگا جس سے یہ ثابت ہوگا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے کیونکہ اس پر وطن سے غداری کا شک کیا جا رہا تھا اور یہ الزام اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔" ڈیوڈ نے کہا۔

"اس طرح تمہارے والدین کی عزت بھی محفوظ رہے گی کم از کم ان کو بغداد میں تو کوئی طعنہ زنی نہیں کرے گا اور ہم یہاں سے اچانک غائب ہو جائیں گے تو عراقی مطمئن بھی ہو جائیں گے۔ پہلے "موساد" کے لوگ تمہیں اسرائیل پہنچا دیں گے اور تین ماہ کے بعد میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس درمیان عراقیوں کو اطمینان ہو جائے گا کہ تم نے واقعی خودکشی کر لی ہے۔ تین مہینے بعد وہ میرا پیچھا بھی چھوڑ دیں گے۔ فہیمہ زیادہ سوچو نہیں۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ

نہیں...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی ممکن ہوا تمہارے والدین تک تمہاری خیریت کی اطلاع ضرور پہنچا دوں گا اور اگر واقعی تمہیں ملنا چاہیں گے تو ملاقات بھی ضرور ہو جائے گی فی الوقت یہ ضروری ہے......" باقی بات حارث نے مکمل کر دی۔

پندرہ بیس منٹ بعد حواس باختہ فہیمہ نے ان کی خواہش کے مطابق کسی جبر کے بغیر اپنی مرضی سے ایک خط اپنے والدین کے نام لکھ دیا۔ جس میں اس نے خود کو بے گناہ بتاتے ہوئے خودکشی کی اطلاع دی تھی اور اسے اپنا آخری خط قرار دیتے ہوئے خود کو اپنی موت کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔

اس کے حواس قائم رکھنے کے لئے حارث نے اسے وہسکی کے دو پیگ اپنے ہاتھو پلائے تھے اور "موساد" کے مکار بھیڑیوں نے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ دنیا کا کوئی بھی ماہر اس بات کا شک نہیں کر سکتا کہ یہ خط جبراً لکھوایا گیا ہے۔

O

خط اب حارث نے ڈیوڈ کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

"ویل ڈن......" اس نے حارث کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔" فہیمہ کی آواز کچھ بوجھل سی ہو رہی تھی۔ شاید اسے نشہ ہونے لگا تھا۔

"چلی جانا میری جان۔ ذرا صبر کرو...... اتنی جلدی بھی کیا ہے......" ڈیوڈ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب......" فہیمہ کا نشہ ہرن ہونے لگا۔

"حیرت ہے تین سال سے تم ہمارے ساتھ موجود ہو اور ابھی تک تمہیں اس بات کا مطلب بھی سمجھ نہیں آیا...... دیکھو عزیزہ! خط تو تم نے لکھ دیا لیکن میں سوچتا ہوں اگر تمہاری لاش انہیں نہ ملی تو ڈرامے میں حقیقت کا رنگ کیسے آئے گا۔ میرے خیال سے تم مر ہی جاؤ...... خس کم جہاں پاک۔ یوں بھی اب تمہیں مر جانا چاہئے کیونکہ تم ہمارے دشمنوں کی نظر میں آ چکی ہو۔ جس کی کم از کم سزا یہی ہو سکتی ہے۔"

ڈیوڈ کا ایک ایک لفظ ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پر ضرب لگا رہا تھا۔

"ہاں! فہیمہ ڈیئر! یہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں تم مر جاؤ۔"

حارث کے منہ سے نکلا یہ فقرہ بھالے کی طرح اس کے دل میں اتر گیا۔

زندگی کے آخری لمحات میں اسے سمجھ آ گئی کہ حارث جو اس کا خاوند تھا...... جو اس کا محبوب تھا۔

جس کے عشق میں اندھے ہو کر اس نے ملک و ملت کا سودا کر لیا تھا۔ اپنی نسوانیت کو اس کی محبت کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔

وہی حارث دراصل "موساد" کا مقامی "ایجنٹ" تھا جس نے آج تک اس کی معصومیت کو اپنی درندگی کی بھینٹ چڑھائے رکھا۔

"حارث تم بھی......" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔

ہاں جی! اب چونکہ تم مرنے جا رہی ہو تو میں تمہیں بتا ہی دوں کہ دراصل میں بھی......"

اس نے فہیمہ کا منہ چڑاتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

اس قہقہے میں تمام درندے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

فہیمہ کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ ابھی پاگل ہو کر دیواروں سے سر ٹکرانے لگے گی۔

"یہ ناممکن ہے میں نے تمہارے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور تم مجھے مار ڈالو گے"...... اس نے خوف اور غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈارلنگ ہم تمہیں نہیں ماریں گے۔ تم خود مرو گی' خودکشی کرو گی۔ تم لکھ چکی ہو......" ڈیوڈ نے وحشی درندوں کی طرح اس کا خط اس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے ناچنا شروع کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے ان لوگوں کے ہاتھ کوئی کھلونا لگ گیا ہو......!

وہ سب اذیت پسند وحشی بن گئے تھے۔

اسی عالم وحشت میں دو درندوں نے اسے ایک رسی سے اس طرح باندھ دیا تھا کہ اس کے لئے حرکت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

موت کے خوف نے مرنے سے پہلے ہی اس کی جان نکال لی تھی اور اس کے اندر سے اٹھنے والی تمام چیخیں اندر ہی اندر دم توڑ گئی تھیں۔

''تم بہت خوش قسمت ہو ڈارلنگ اپنے محبوب شوہر کے ہاتھوں موت کے منہ میں جا رہی ہو۔''

یہ کہتے ہوئے حارث نے اپنے ہاتھوں میں دستانے پہن کر وہاں موجود الماری سے ایک شیشی نکال لی تھی۔

''اس میں پوٹاشیم سائینائڈ ہے...... آج تک کوئی اس کا ذائقہ نہیں بتا سکا۔ تم تو یونہی گھبرا رہی ہو حالانکہ بڑی آسانی سے مر جاؤ گی...... ڈارلنگ تمہیں شاید علم نہیں کہ یہ لوگ تمہیں مکان کے اندر زندہ جلا کر مار ڈالنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ لیکن میری درخواست پر تمہیں اتنی آسان موت مل رہی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے قہقہہ بلند کیا......!

تمام درندے اس قہقہے میں شامل تھے۔

موت کے فرشتے حارث نے اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

بدقسمت فہیمہ نے گردن ہلانی چاہی لیکن دو مضبوط ہاتھوں نے اس کے منہ کو اس طرح کھول دیا تھا کہ اب وہ منہ بند کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہی تھی۔

اس کے کھلے منہ میں زہر کے چند قطرے ٹپکا دیئے گئے......!

پانچ سیکنڈ کے اندر زہر نے اپنا کام کر دکھایا......!

درندوں نے اسے کھول کر بستر پر لٹا دیا۔ زہر کی شیشی اس کے مردہ ہاتھ میں تھما کر اس کی انگلیوں کے نشانات لے لئے گئے۔

انہوں نے مکمل اہتمام کر دیا تھا کہ یہ موت خودکشی کا روپ دھار سکے۔ یہ مکان چند روز پہلے ہی ملیحہ نے فہیمہ کے نام پر کرائے پر حاصل کیا تھا۔

یہاں کے مکینوں کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ ان مکانات میں آنے جانے والوں پر نظر رکھ سکیں۔ خط اس کے سرہانے رکھی چھوٹی سی میز پر رکھ کر انہوں نے اس ''جواں مرگ'' پر ایک دوسرے سے تعزیت کی اور اپنی موجودگی کے تمام نشانات مٹا کر اپنی راہ لی۔

واپسی کے لئے انہوں نے الگ الگ راستے اختیار کئے تھے۔

O

فیصل کو اس قتل کے آدھ گھنٹے بعد ہی ابواحمد نے اطلاع دے دی تھی کہ فہیمہ کو ان لوگوں نے شاید مار ڈالا ہے۔

''موساد'' نے اپنی طرف سے بڑی ہوشیاری دکھائی تھی۔

لیکن......!

ابواحمد کے مقامی ساتھیوں نے حارث کا کامیاب تعاقب کیا تھا۔ انہوں نے حارث کے مکان کے پچھلے دروازے پر نظر رکھی ہوئی تھی اور دوسری طرف فہیمہ بظاہر یہی سمجھی تھی کہ اس کے تعاقب میں آنے والے کو اس نے ''ڈاج'' دے دیا ہے۔

لیکن......!

وہ اندازہ نہ کر سکی کہ بس سٹاپ کے ایک کونے میں موجود گہری اور خوبصورت آنکھوں والی آئرش لڑکی اس کے ساتھ ہی بس میں سوار ہوئی تھی اور متعلقہ بس سٹاپ پر اس کے ساتھ ہی اتری تھی۔

اس نے آخری لمحات تک دونوں پر نظر رکھی تھی......!

ابواحمد نے ساتھیوں نے اس طرح کامیابی سے ان کا ''بلڈنگ'' تک گاڑیاں بدل بدل کر تعاقب کیا تھا جس کا اندازہ ''موساد'' کو نہ ہو سکا۔

ان لوگوں نے ابواحمد کے احکامات کے تحت مکان سے واپس جانے والوں کو بڑی ہوشیاری سے ان کے ٹھکانوں تک پہنچایا تھا۔

''بے شک وہ ایسی ہی موت کی مستحق تھی اور یہ بھی اچھا ہوا کہ اسے انہی لوگوں کے ہاتھوں موت نصیب ہوئی جن کے لئے اس نے ملت فروشی کا گھناؤنا جرم کیا تھا۔ لیکن عراقی قوانین کی رو سے اسے مارنے والے بھی موت کے مستحق تھے...... ابواحمد! میرے بھائی! میرے دوست انہیں مار ڈالو۔ کسی مرحلے پر تو ''موساد'' کو یہ احساس دلانا ہو گا کہ اس کا مقابلہ ''Sitting ducks'' (بیٹھی ہوئی بطخیں) سے نہیں...... بلکہ غیور اور زندہ مسلمانوں سے ہے۔

کوئی تو انہیں ان کی اپنی زبان میں جواب دے......''

فیصل نے ابواحمد سے کہا تھا......!

O

دونوں اسی روز شام کو ایک مخصوص مقام پر اکٹھے ہوئے تھے جہاں وہ عموماً ملا کرتے تھے۔ یہ ملاقات اتنی نیچرل تھی کہ اگر کوئی ایجنسی فیصل پر نظر رکھے ہوئے بھی تھی تو بھی اسے کبھی علم نہ ہو پاتا کہ ملنے والا اس کا ساتھی ہے۔

''ہاں میرے دوست!...... مطمئن رہو ابھی ہم نے بھی پرانا قرض چکانا ہے۔ میں نے ابھی تک اپنے نوجوان بھائی حماد کی شہادت کا غم نہیں بھلایا۔ ان ہزاروں شہیدوں کا دکھ نہیں بھلایا جنہیں صیہونی درندوں نے محض اس لئے مار ڈالا تھا کہ وہ ایک غیرت مند زندگی جینا چاہتے تھے...... میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب کا انتقام لوں گا۔ اس وقت تک جنگ جاری رکھوں گا جب تک کہ ان کے راستے پر چلتے ہوئے خود بھی شہادت کا جام نہ پی لوں۔ ہم آج ہی سے اس مشن کا آغاز کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ اگلی ملاقات یا تو اس وقت ہوگی جب ہم اب تک ''موساد'' کے نظر میں آ جانے والے چاروں درندوں کو موت کی گہری نیند نہ سلا دیں یا پھر خدا کے دربار میں ملیں گے...... خدا حافظ......

وہ چلا گیا......!!

فیصل کو کوئی انہونی طاقت یقین دلا رہی تھی کہ فلسطین کے اس فرزند نے جو کہا ہے وہ ضرور کر دکھائے گا۔

اس کا تعلق بھی عربوں کی اسی نوجوان نسل سے تھا جو بہر صورت یہودیوں کی بربادی کی خواہاں تھی۔

لیکن......

بزدل حکمرانوں اور بے غیرت بادشاہوں کے چنگل میں پھنسی امت مسلمہ کے یہ بے بس نوجوان سوائے خون کے گھونٹ پینے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ نفرت کا ایک الاؤ ان کے اندر دہک رہا تھا اور صیہونی درندے بھی جانتے تھے کہ جس روز یہ آتش فشاں پھٹا تو ان سب کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا...... انہیں اس طرح جلا کر راکھ کر دے گا کہ جیسے ان کا وجود کبھی تھا ہی نہیں۔

ابو احمد کو اس بات کی خوشی ضرور ہوئی تھی کہ ملت اسلامیہ کے کسی ملک کے حکمران طبقے میں کوئی ایک ایسا فرد تو موجود ہے جس نے تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر اس سے کہا تھا کہ وہ

''موساد'' کے ان درندوں کو چن چن کر مار ڈالے۔

اور......

سب سے بڑھ کر یہ بات کہ وہ اس سلسلے میں ان کی صرف زبانی اور اخلاقی ہی نہیں بلکہ مادی مدد بھی کر رہا تھا۔

یہ الگ بات کہ ابو احمد نہیں چاہتا تھا کہ عراقی حکومت کے ایک سفارت کار کی حیثیت سے کبھی فیصل کا نام برطانوی انٹیلی جنس کی اس لسٹ میں شامل ہو جس میں آنے کے بعد کسی بھی مرحلے پر اسے ''ناپسندیدہ شخصیت'' قرار دے کر ملک سے نکال دیا جائے کیونکہ ایسے کسی دوست کی موجودگی یہاں ضروری تھی۔

O

واپسی کا سفر حارث اور اس کے ساتھیوں نے دو ٹولیوں میں کیا......!!

حارث تو اپنی کار میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا تھا جب کہ اس کے تینوں ساتھی ایک دوسری کار میں جو اس سے پہلے ہی ایک اور بلاک میں کھڑی کی گئی تھی اپنے ٹھکانوں کی طرف جا رہے تھے۔

حارث کو علم تھا کہ عراقی انٹیلی جنس نے اسے پہچان لیا تھا۔

لیکن......

وہ اس خدشے کو کبھی خاطر میں نہ لایا۔ اس کا تعلق ایک متکبر اور بزعم خویش خود کو دنیا کی ارفع ترین قوم سمجھنے والے ملک سے تھا۔

وہ یہاں ایک اسرائیلی تجارتی فرم کے سربراہ کی حیثیت سے قیام پذیر تھا اور جو ''سٹیٹس'' اسے حاصل تھا اس کے بعد برطانوی حکومت بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے متعدد مرتبہ سوچتی۔

اپنے کسی بھی جرم کا نشان چھوڑنے کے یہ لوگ قائل نہیں تھے......!!

جس کسی سے ایسا ''جرم'' سرزد ہوتا اس کو فوراً غائب کر دیا جاتا تھا۔ یہودی لابی نے دنیا کے ہر ملک خصوصاً مغربی ممالک کے پریس کو اپنے قابو میں رکھا تھا۔

اپنی مظلومیت کا ڈھول پیٹ پیٹ کر انہوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ وہ جانتے

تھے کہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے کے دلوں میں موجود قدرتی نفرت کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کے عملی مظاہر انہوں نے کئے تھے۔ ہر مسلمان کو جو یہودیوں کی اصلیت بے نقاب کرنے پر تل جائے۔ ''دہشت گرد'' قرار دے دیا...... پھر اس خود ساختہ دہشت گرد کا مسلسل پراپیگنڈہ اور مغربی پریس جس پر یوں بھی ان کا کنٹرول تھا' سے اس پراپیگنڈے کی مسلسل تشہیر کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو اس قابل چھوڑا ہی نہیں تھا کہ ان کی کسی بات پر دنیا کو یقین آئے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ غفلت کی نہ جاگنے والی نیند سو رہے تھے۔

مسلمان سفارت کار یہودی فاحشاؤں کے بچھائے جال میں بڑی خوشی سے پھنسے ہوئے تھے اور اس کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور بے خبری کے جہنم میں غرق ہوتے جا رہے تھے۔

حارث جانتا تھا کہ عراقی سفارت خانے کی طرف سے ایسی کسی بھی شکایت پر کہ حارث کا تعلق ''موساد'' سے ہے اور اس نے کسی عراقی طالبہ کو قتل کیا ہے۔ برطانوی حکومت کبھی کان نہ دھرتی کیونکہ ایسی کسی بھی شکایت پر کاروائی کرنے سے پہلے وہ لوگ اسرائیلی وزارت خارجہ سے رجوع کرتے جہاں سے معمول کا جواب نہیں مل جاتا کہ عربوں کے نزدیک ہر یہودی خصوصاً جس کا تعلق اسرائیل سے ہے۔ ''موساد'' کا ایجنٹ اور دہشت گرد ہے اور عرب دراصل یہ پراپیگنڈہ ان کے خلاف اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے کرتے ہیں۔

مغربی ممالک کی ہر حکومت کے علم میں یہ بات بھی تھی کہ کسی اسرائیلی شہری کے خلاف کاروائی پر اسرائیلی حکومت ان کے لئے کس نوعیت کی مشکلات کھڑی کر سکتی ہے۔

''موساد کا کیڑا'' اطمینان سے اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اس نے ٹی۔ وی کا سوئچ آن کرنے کے بعد اپنے لئے ایک بڑا پیگ تیار کیا اور ٹیلی فون پر ایک نمبر گھمانے لگا۔

رات ڈھلنے تک ملیحہ اس کے پاس موجود تھی......!

دونوں نے مل کر ''موساد'' کی فتح اور فہیمہ کی موت یعنی عراقی انٹیلی جنس کی ناکامی کا جشن منایا اور جنسیت کے طوفان میں بہتے چلے گئے۔

صبح ملیحہ کی آنکھ دودھ دینے والے کی گھنٹی کی آواز پر کھلی تھی۔

اس نے اپنے پہلو میں لیٹے حارث کو جگا کر اطلاعی گھنٹی سے مطلع کیا۔ ''دودھ والا ہے...... میں خالی بوتلیں رکھنی بھول گیا تھا۔ ذرا کچن سے خالی بوتلوں کا کریٹ باہر رکھ دو اور بھری ہوئی بوتلیں لے آؤ۔''

اس نے نیند سے بوجھل آواز میں ملیحہ سے کہا اور کروٹ بدل کر سو گیا۔ ملیحہ نے اپنے ننگے جسم پر گاؤن ڈالا اور نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ دروازے کی طرف چل دی۔

دروازے کی جھری سے اس نے دیکھا واقعی ایک نوجوان جس نے دودھ سپلائی کرنے والی کمپنی کا لباس پہنا ہوا تھا۔ وہاں موجود تھا۔

ملیحہ جس پر ابھی تک شراب اور شہوانیت کا غلبہ تھا بڑی ہمت سے کچن سے خالی بوتلوں کا کریٹ اٹھا کر لائی تھی۔

اس نے جیسے تیسے وہی کریٹ دروازے سے باہر رکھ دیا۔

ابھی بمشکل وہ سیدھی ہوئی تھی جب ان نوجوان نے پہلو سے اندر داخل ہو کر اس کے منہ پر ہاتھ جما کر اسے اندر کھینچ لیا۔ ملیحہ کو جب تک ہوش آتا پستول کی ٹھنڈی نالی اس کی کنپٹی سے چپک گئی۔

''خبردار آواز نہ نکالنا......'' اس کے کان میں زہریلی آواز آئی۔

ملیحہ کا ڈر کے مارے نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا۔ اس درمیان دوسرے نوجوان نے خالی بوتلوں کا کریٹ باہر رکھا اور بھرا ہوا اندر لے آیا۔ اب اگر دودھ والا آ بھی جاتا تو معمول کے مطابق خالی بوتلیں اٹھا کر بھری ہوئی رکھ کر چلا جاتا۔

انہوں نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا۔

''چلو اس کتے کے پاس......'' اس نوجوان نے پھنکارتے ہوئے ملیحہ سے کہا۔

ملیحہ کے منہ سے ہاتھ اٹھا کر انہوں نے اسے دھکا دے کر آگے کر دیا تھا...... موت کی آمد سے بے خبر حارث کی آنکھ ملیحہ کے اس پر گرنے سے کھلی تھی۔ اندر داخل ہونے والے نوجوانوں نے اسے دھکا دے کر حارث پر پھینکا تھا۔

بجلی کی سی پھرتی سے وہ اٹھ کر بیٹھا تھا......!!

سہمی ہوئی ملیحہ ایک کونے میں سمٹ کر رہ گئی۔

"کون ہو تم...... کیا چاہتے ہو؟" حارث نے اوسان قائم کئے اس کی آواز سے گھبراہٹ ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

"میرے خیال سے دونوں سوالات کے جوابات بھی تمہیں معلوم ہیں......" ایک نوجوان نے پستول اس کی طرف لہراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے......"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہمیں غلط فہمی ہوتی ہے نہ خوش فہمی' البتہ تمہیں ہمارے متعلق ضرور غلط فہمی رہتی ہے کہ ہم شاید بے بس پرندے ہیں جنہیں تم جب چاہو شکار کرلو گے۔ تم ساری دنیا کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتے ہو۔ مسٹر حارث! یا تم جو کوئی بھی ہو۔ مرنے سے پہلے صرف ایک بات جان لو کہ ہم عراقی لڑکی کی موت کا انتقام لینے نہیں آئے۔ ہم تو اپنے ان ہزاروں بے گناہ اور مظلوم ساتھیوں کا انتقام ہیں۔ جنہیں تم نے مار ڈالا اور جن کا قتلِ عام تم گزشتہ 50 سال سے بے دریغ کر رہے ہو۔ ہم تمہارے آقاؤں کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ ابھی ہم مرے نہیں...... زندہ ہیں......"

اس نوجوان نے حارث کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تمہارا تعلق شاید فلسطین سے ہے اور تمہیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو تمہارے ساتھیوں سے میری حکومت کتنا بڑا انتقام لے گی۔" حارث نے ڈوبتے ہوئے تنکے کا سہارا لینا چاہا۔

"اچھا! بہت شکریہ تمہارا۔ پھر ہم تمہیں نہیں مارتے لیکن اس کے بعد اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تمہاری حکومت ایسا نہیں کرے گی۔"

نوجوان نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔

"تم اپنے لئے گڑھا کھود رہے ہو......" حارث نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

اس اچانک پیش آمدہ سچویشن نے اسے بے بس اور بادلا کر دیا تھا۔ یہ احساس کہ وہ بے بسی کی موت مرنے والا ہے اس کا خون کھولانے کے لئے کافی تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح سوتے ہوئے دشمن اسے نشانہ بنا لے گا۔

"ہم اپنے لئے گڑھا کھود چکے ہیں لیکن آج تم جہنم واصل ہونے جا رہے ہو اور ایک

بات اور سن لو...... ہم تمہارے ساتھ منافقت نہیں کریں گے...... ہم جانتے ہیں کہ تم نے ہمیشہ کی طرح عراقی لڑکی کی موت کو بھی "نیچرل" بنانے کی کوشش کی ہوگی' لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

"وہ لڑکی زندہ ہے"...... حارث نے پھر سنبھالا لیا۔

"یہ تو اور بھی بری بات ہے اب ہمیں تمہارے بعد اسے بھی مارنا ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے دوسرے نوجوان نے جو اس درمیان اپنے پستول پر لمبے اوور کوٹ کی جیب سے سائیلنسر نکال کر فٹ کر چکا تھا پستول فائرنگ کی پوزیشن میں اس کی طرف سیدھا کر لیا۔

اچانک ہی حارث کے پاؤں میں جیسے سپرنگ لگ گئے تھے۔

اس نے اپنی دانست میں زمین سے اڑ کر ان دونوں پر گرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حملہ آور بھی اس میدان میں نئے نہیں تھے۔

وہی نوجوان جس نے پستول پر سائیلنسر فٹ کیا تھا اپنی جگہ سے ذرا سا دائیں ہٹا اور زمین پر گرنے تک اس نے دو گولیاں حارث کے پہلو میں اتار دیں۔

اس کے پہلو سے خون کا فوارا اچھلا اور قالین میں جذب ہونے لگا......!

اس درمیان دوسرے نوجوان نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ "بہت چالاک بنتے ہو۔"

یہ کہتے ہوئے پہلے نے ایک اور گولی اس کی کھوپڑی میں ماری اور دونوں پرے ہٹ گئے۔ حارث چند لمحے ماہی بے آب کی طرح تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

ملیحہ کے لئے ایسے مناظر کوئی انہونی بات نہیں تھی لیکن خوف سے اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ وہ کپکپاتے ہوئے صوفے پر گر پڑی تھی۔

"ہم میرا تعلق بیروت سے ہے اور میں صرف جسم فروش عورت ہوں تم انکوائری کر سکتے ہو۔ مجھے علم نہیں کہ یہ کون ہے۔ میں اسے صرف اپنا گاہک سمجھتی ہوں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔"

اس نے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"تم جو کوئی بھی ہو۔ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ یہ مردانگی تو نہیں ہے اگر تم اس کو جانتی بھی تھی تو اس کے وارثوں کو بتا دینا کہ ہمارا تعلق "بلیک ستمبر" سے ہے اور دنیا کے جس کونے کو

بھی وہ چاہیں میدان جنگ کے لئے چن لیں ۔ ہم انشاءاللہ ہر جگہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں ۔ ان کی ہر گولی کا جواب گولی سے دیں گے ۔" دوسرے نوجوان نے کہا۔

دونوں نے دودھ کی ایک بوتل اسے پینے کے لئے دی۔

ملیحہ جانتی تھی کہ اسے یہ دودھ پینا ہی پڑے گا ۔ اپنی مرضی سے نہیں تو یہ لوگ زبردستی پلا دیں گے...... کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے دودھ کی بوتل تھام لی اور ایک ایک گھونٹ حلق میں اتارنے لگی۔

ابھی بمشکل پانچ چھ گھونٹ ہی پئے تھے جب اسے اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی گردن ڈھلک گئی۔

ملیحہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

دونوں نے اسے پلنگ پر لٹایا ٹیلی فون کے تار کاٹے اور جس طرح چپ چاپ آئے تھے اسی طرح واپس لوٹ گئے۔

باہر موجود دودھ کی خالی بوتلیں بھری جا چکی تھیں لیکن دودھ فروش کو علم نہ ہو سکا کہ اس گھر کے مکینوں پر کیا قیامت بیت گئی ہے۔

O

ڈیوڈ نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو اپنے ٹھکانے پر چھوڑا اور اب اپنے ٹھکانے کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے اپنی رہائش لندن کے کثیر آبادی والے علاقے "آل گیٹ" میں رکھی ہوئی تھی جہاں مکانوں کی ایک قطار کے عین درمیان اس کا گھر تھا۔

اس نے یہاں نزدیک ہی اپنا پرنٹنگ پریس لگایا ہوا تھا جہاں پبلشنگ کا چھوٹا موٹا دھندہ چل رہا تھا۔ اس دھندے کی آڑ میں وہ "موساد" کا گھناؤنا کھیل جاری رکھے ہوئے تھا۔

اپنے گھر تک وہ بڑے اطمینان سے آیا تھا۔ رات اس نے جی بھر کے شراب پی اور چین کی نیند سو گیا۔

یہ اس کی زندگی کا پہلا قتل نہیں تھا۔

ایسے درجنوں قتل اس نے اپنے ہاتھوں کئے تھے۔ ایک دور ایسا بھی گزرا جب وہ تل ابیب کے ایک عقوبت خانے کا انچارج تھا جہاں مشتبہ فلسطینی نوجوانوں کو تفتیش کے لئے لایا جاتا۔

وہ اپنے ہاتھوں سے ان کے جسموں سے ناخن علیحدہ کیا کرتا تھا۔

"موساد" نے اسے اپنے خصوصی دستے میں اس کی "قابلیت" کو دیکھ کر شامل کیا تھا۔ اسے کسی کو بھی قتل کر دینے کا نشہ تھا۔

معمول کے مطابق صبح دیر گئے اس کی آنکھ کھلی اور اب وہ اٹھ کر کچن تک آیا تھا۔ چائے کا کپ حلق میں اتار کر اسے قدرے ہوش آیا اور اب وہ باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔

اچانک ہی اطلاعی گھنٹی بجی......!

اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس وقت سوائے معمول کی ڈاک کے اور کچھ نہیں آتا تھا۔ ڈاکئے کی عادت کہ وہ ڈاک پھینکنے کے بعد گھنٹی بجایا کرتا تھا۔

لیکن......!

آج دو تین گھنٹیاں یکے بعد دیگرے بجیں تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ کوئی خطرہ؟ اس نے کچھ سوچتے ہوئے اندر موجود انٹرکام کا بٹن دبا کر باہر موجود شناخت دریافت کی۔

"گیس کمپنی"...... جواب ملا۔

اسے یاد آ گیا کہ یہ مہینے کا آخری ہفتہ ہے جس میں کمپنی کے لوگ میٹر چیک کرنے آتے ہیں جو اس کے مکان کے بیسمنٹ میں نصب تھا۔

دروازہ کھولتے ہوئے اس نے بطور احتیاط جھری سے دیکھ لیا تھا۔ باہر ایک خوبصورت لڑکی ہاتھ میں بل لئے سر پر گیس کمپنی کی ٹوپی رکھے کھڑی تھی۔ اس کے بال ٹوپی سے باہر لہرا رہے تھے۔

اتنی خوبصورت لڑکی دیکھ کر ڈیوڈ کی رال یوں ہی ٹپکنے لگی تھی...... اس نے بے فکری سے دروازہ کھول دیا۔

لڑکی نے باہر کے موسم کے پیش نظر نیلے رنگ کا رین کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے۔

"صبح بخیر" کہا۔

"صبح بخیر"...... ڈیوڈ نے بھی دانت نکال دیئے۔

لڑکی اندر داخل ہوگئی تھی جب کہ ڈیوڈ اس کی طرف پشت کئے دروازے کو ڈبل لاک لگا

رہا تھا۔اس نے صرف بنیان اور نیکر پہن رکھی تھی اور بستر سے ابھی اٹھا تھا۔

جیسے ہی وہ دروازہ بند کر کے لڑکی کو ایک ذومعنی سا فقرہ کہنے کے لئے اس کی طرف گھوما اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

لڑکی نے ہاتھ میں سائلنسر لگا پستول تھام رکھا تھا۔شاید اس نے یہ پستول اپنے لمبے رین کوٹ کی جیب سے نکالا تھا۔

''تم تو مجھے مار ڈالوگی''...... یہ کہتے ہوئے ڈیوڈ نے اپنا ایک قدم ہی بمشکل اپنی جگہ سے آگے بڑھایا تھا۔

اچانک ہی تین چار گولیاں اس کے سینے اور پیٹ میں انگاروں کی طرح دھنسنے لگیں۔

''کیوں نہیں......تم زندہ رہے تو نجانے اور کتنے بے گناہ مارے جائیں گے۔''

یہ آخری فقرہ تھا جو اس نے لڑکی کے منہ سے سنا۔

اس نے پستول سے سائلنسر کھول کر الگ کیا اور جس طرح اندر آئی تھی اسی طرح باہر نکل گئی۔

باہر جانے سے پہلے وہ دروازہ لاک کرنا نہیں بھولی تھی۔

دروازے کے باہر کچھ فاصلے پر کھڑی کار میں موجود ایک عربی نوجوان نے اس کی طرف دیکھ کر چابی گھمائی اور کار اس کے نزدیک لے آیا۔

اگلا دروازہ کھول کر وہ اطمینان سے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''ڈن......''اس نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہی نوجوان کو ہاتھ کے انگوٹھے کے مخصوص اشارے سے بتایا۔

''ویل ڈن''......نوجوان کے چہرے کا تناؤ اچانک ختم ہو گیا تھا۔

وہ بڑے اطمینان سے کار چلاتا ''موٹر وے'' تک آ گیا تھا۔جلد ہی دونوں شہر سے باہر نکل آئے۔

اس درمیان لڑکی نے اپنا کوٹ اور ٹوپی اتار کر اپنے قدموں میں دھرے بیگ میں رکھ لی تھی۔اب وہ دونوں کھلنڈرے نوجوانوں کی طرح معمول کی گفتگو کرتے موٹر وے کی اس سمت میں سفر کر رہے تھے جو انہیں مانچسٹر کی طرف لے جاتی نوجوان نے لڑکی کو وہاں ڈراپ کر کے

لندن واپس آنا تھا۔

دونوں فلسطینی اور ابو احمد کے ساتھی تھے جنہوں نے اپنا کام بخیر و خوبی انجام دیا تھا۔

راستے میں ایک ''سروس'' پر رک کر انہوں نے چائے اور سنیکس کھائے پھر نوجوان نے وہیں سے فون کر کے اپنے کسی ساتھی ''خالد'' کو مشن کی کامیابی کا مژدہ سنایا اور مبارکباد وصول کر کے واپس آ گیا تھا۔

شام ڈھلنے سے پہلے وہ اپنی ساتھی لڑکی کو مانچسٹر میں ڈراپ کر کے واپس لندن آ گیا۔

دونوں نے ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ ان کے اپنے ٹھکانوں سے غائب ہونے کا شک ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لندن میں ''ہیوسٹن'' کی نارتھ ہائیڈلین کی جس بلڈنگ کے سامنے ڈیوڈ نے ان دونوں کو اتارا تھا۔وہ اس بلاک کے آخری کونے میں واقع تھی......!!

دونوں مقامی غنڈے اور ''موساد'' کے نمک خوار تھے۔

خدا جانے ''موساد'' کو کس طرح ان کے یہودی ہونے کی اطلاع مل گئی تھی جس کے بعد سے دونوں کو قابو کر لیا تھا۔گزشتہ دس سال سے وہ ''موساد'' کے لئے خدمات انجام دے رہے تھے۔اس درمیان انہوں نے ''موساد'' کے حکم پر برطانیہ کے مختلف شہروں میں درجنوں بے گناہوں کو ''گمنامی'' کی موت مارا تھا۔دونوں مقامی جوا خانے کے مالک تھے۔حال ہی میں انہوں نے ایک ''پب'' بھی خرید لیا تھا اور اب خاصے مصروف رہتے تھے۔پہلے وہ خود غنڈے تھے لیکن اب کئی غنڈے ان کے دستر خوان پر پل رہے تھے۔

بے گناہوں کو اذیت ناک اور گمنامی کی موت مارنا وہ اپنا مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے۔

انہیں ''موساد'' نے پڑھا دیا تھا کہ یہودی ہونے کے ناطے وہ کائنات کی اعلیٰ ترین مخلوق ہیں اور وہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کسے زندہ رہنا ہے اور کسے مرنا ہے۔

صبح معمول کے مطابق دونوں اٹھے اور دوپہر کو معمول کے مطابق اپنے کام پر چلے گئے۔دونوں نے سارا دن اطمینان سے گزارا۔ایک ''پب'' پر اور دوسرا اپنے ''جوئے خانے'' پر کام کرتا رہا۔

رات کو وہ دوسرے پہر گھر واپس آیا کرتے تھے۔دونوں اکٹھے رہتے تھے اس لئے

واپس بھی ایک ہی گاڑی میں آیا کرتے تھے۔

کار چلاتے ہوئے وہ شراب نوشی نہیں کرتے تھے۔ دونوں نے اپنے کچھ اصول بنا رکھے تھے جن پر وہ سختی سے کاربند تھے۔ یہ اصول بھی انہیں "موساد" کی طرف سے پڑھائے گئے تھے اور تلقین کی گئی تھی کہ اگر انہوں نے ان میں سے کسی ایک کی بھی خلاف ورزی کی تو وہ دشمن کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ اگر دشمن نے چھوڑ دیا تو "موساد" انہیں مار ڈالے گی کیونکہ اپنے کسی بھی رات کا طشت از بام ہونا ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگا۔

یوں بھی تازہ واردات کے بعد کچھ عرصے کے لئے وہ خاصی شرافت کی زندگی بسر کرنے لگتے تھے۔ دونوں نے دن میں گزرنے والے واقعات پر تبادلہ خیال کیا اور باتیں کرتے گھر تک آ گئے۔

گھر کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے اور دروازہ دوبارہ لاک کر کے اپنے "سٹنگ روم" تک آئے۔ یہیں دونوں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد اپنے اپنے بیڈ روم میں چلے جایا کرتے تھے۔ اس شہر میں ان کی بے شمار گرل فرینڈز تھیں۔

لیکن......

ابھی انہیں کم از کم ایک ہفتہ بڑے آرام سے گزارنے کا حکم ملا تھا۔ یہ حکم اگر برطانوی پولیس کی طرف سے ہوتا تو وہ کبھی خاطر میں نہ لاتے لیکن "موساد" کے کسی حکم کی حکم عدولی کا وہ تصور بھی جیتے جی نہیں کر سکتے تھے۔

سٹنگ روم میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے باہر ہی موجود بٹن دبا کر اندر کی لائٹ جلائی اور دروازہ کھول کر ایک دوسرے کے تعاقب میں اندر آ گئے۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے ان کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ اب پوزیشن ایسی بن گئی تھی کہ دو مسلح نقاب پوش ان کے سامنے کھڑے تھے اور تیسرے نے دروازے کے ساتھ پوزیشن لے رکھی تھی۔ شاید وہ دروازے کے ساتھ ہی لگ کر کھڑا تھا اور اس بات کا منتظر ہوگا کہ جیسے ہی اندر داخل ہوں وہ دروازہ بند کرے۔

اس بات کا علم انہیں مرنے تک نہ ہو سکا کہ یہ لوگ کس راستے سے اور کب اندر آئے۔

کتنی دیر سے چھپے ان کے منتظر تھے؟

"خوش آمدید دوستو! تم نے بڑا انتظار کروایا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر کچھ اور دیر تم نہ آتے تو ہمیں تمہارے...... ٹھکانوں پر جانا پڑتا۔ بہر حال تمہارا شکریہ کہ ہمیں اس زحمت سے بچا لیا۔"

ان کی پشت سے آواز آئی۔

دونوں کے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ تینوں حملہ آوروں نے نہ صرف ماسک پہن رکھے تھے بلکہ ان کے پستولوں پر سائلنسر بھی فٹ تھے۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا؟" ان میں سے ایک نے سنبھل کر کہا۔

"ہاں۔ ہم پاگل ہو گئے ہیں اور اسی پاگل پن میں تمہیں موت کی نیند سلانے آئے ہیں تاکہ تمہارے بدمعاش مالکان کو علم ہو سکے کہ ان کا واسطہ ایسے مظلوموں سے ہے جو پاگل پن میں کچھ بھی کر گزرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

سامنے کھڑے نوجوان نے کہا۔

"بھاگ جاؤ......" دوسرے بدمعاش نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑا رہا ہو۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں ہمارے بھگانے کی اتنی ہی جلدی ہے تو تمہاری مرضی...... ہم تو چاہتے تھے کہ تم مرنے سے پہلے کم از کم شراب نوشی ہی کر لو۔ اس طرح تمہیں یہ اطمینان تو رہے گا کہ تم نے "موساد" کے حکم کی خلاف ورزی کر لی تھی۔ کہیں یہ حسرت ہی دل میں نہ لے کر مر جانا۔"

عقب سے آواز آئی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو کچھ سمجھایا۔

"ٹھیک ہے تم خاصے مہربان قاتل نظر آتے ہو۔ اگر تم لوگوں نے ہمیں مارنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے اور کچھ بتانا بھی نہیں چاہتے تو کم از کم ہمیں ایک ایک پیگ تو پی لینے دو۔ مرنے والے کی آخری خواہش تو پوری ہونی چاہئے۔"

ایک بدمعاش نے کہا۔

"او۔ کے کہاں ہے شراب؟"

"ہم خود لے آتے ہیں۔ آپ لوگ کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

''تم اس کی فکر نہ کرو ہم ڈھونڈ لیں گے۔'' نقاب پوش نے کہا۔

''دراصل ہمیں گھر میں شراب رکھنے کی عادت نہیں۔ ''پب'' تک جانا ہوگا۔''

ایک بدمعاش نے مکاری دکھائی۔

''افسوس پھر تم شراب پیئے بغیر مر جاؤ گے کیونکہ تمہیں یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں مل سکتی اور ہم اپنا کام مکمل کئے بغیر جا نہیں سکتے۔'' جواب ملا۔

''یہ تو زیادتی ہے''...... انہوں نے احتجاج کیا۔

''مجبوری ہے......'' جواب دیا گیا۔

''میرے خیال سے شاید ہمارے فریج میں کوئی بوتل موجود ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔''

ایک بدمعاش نے کہہ کر آگے بڑھنا چاہا۔

''خبردار! اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو ڈھیر کر دیں گے۔''

اس مرتبہ عقب سے بولنے والے نقاب پوش کی آواز میں قہر برس رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم ہی لا دو۔'' بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

عقب والا نقاب پوش باہر نکل گیا۔

اس نے ملحقہ کچن سے فریج میں رکھی بوتل نکالی اور جیب سے شیشی نکال کر اس میں تیز زہر انڈیل دیا۔

جب وہ اندر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں شراب اور سوڈے کے ساتھ ساتھ دو خالی گلاس بھی تھے۔

اس درمیان دونوں بدمعاش خون کے گھونٹ پیئے خاموشی سے دونوں مسلح نقاب پوشوں کو گھورتے رہے جن کی انگلیاں ٹریگر پر تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر ان پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔

''اپنے لئے پیگ خود ہی تیار کر لو کیا یاد کرو گے کن لوگوں سے پالا پڑا ہے۔ حالانکہ تم نے کبھی کسی کو اتنی مہلت بھی نہیں دی۔''

نقاب پوش نے کچھ فاصلے پر رکھی میز پر سب کچھ رکھ کر دوبارہ پوزیشن سنبھال لی۔

''ایک آدمی جام تیار کر کے دوسرے کو دے گا۔ تم جاؤ۔'' اس نے ایک بدمعاش کو

اشارہ کیا۔

بدمعاش نے بے بسی سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ دو پیگ تیار کئے ایک اپنے ساتھی کو تھمایا۔ دوسرا خود تھاما۔ دونوں نے جام ٹکرائے اور ایک ہی سانس میں غٹاغٹ پی گئے۔

اس میں زہر ملا ہے۔ میں نے باہر ملا دیا تھا۔ تم ڈیڑھ منٹ بعد مر جاؤ گے بچ سکتے ہو تو بچ جاؤ۔''

عقب سے آواز آئی۔

دونوں کو اپنی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

تینوں نقاب پوش اسی طرح کمرے سے باہر آ گئے تھے۔ ابھی انہوں نے کمرے کا دروازہ بمشکل بند ہی کیا تھا جب انہیں ایک کے دھڑام سے گرنے کی آواز آئی۔

دونوں زوردار آواز میں گالیاں بک رہے تھے۔ نقاب پوشوں کے باہر آنے تک گالیوں کی آواز بھی بند ہو گئی۔ سریع الاثر زہر اپنا کام کر گیا تھا۔ ان کے ایک ساتھی نے بوتل میں موجود شراب کموڈ میں بہا کر فلش چلا دیا۔

اب یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے خودکشی کرنے کے لئے خود ہی شراب میں زہر ملا لیا ہے۔

تینوں نے اپنے نقاب اتار کر جیبوں میں ٹھونسے اور باہر پارک کی گئی دو گاڑیوں میں علیحدہ علیحدہ منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کے ایک ساتھی نے ''ہیوسٹن'' سے باہر آ کر سڑک کے کنارے موجود فون بوتھ سے فون کر کے کسی ''خالد'' کو مشن کی کامیابی کی اطلاع دی تھی۔

جس پر دوسری طرف سے ''الحمد للہ'' کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

O

اسرائیلی قونصلیٹ کی رگوں میں کھولتا ہوا خون اس کی نسیں توڑے دے رہا تھا......

غصے اور نفرت سے اس کو اپنا وجود دھکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ آج تک ایسی ہزیمت کا منہ انہیں کبھی نہیں دیکھنا پڑا تھا۔ جس ذلت سے وہ دوچار ہوئے تھے اس کے سامنے وہ خط دھرا تھا جو آج کی خصوصی ڈاک سے موصول ہوا تھا۔ جس پر لکھا تھا۔

کی اجازت دی تھی۔

اسی اڈے میں ''موساد'' نے ایک خفیہ ''نیول راڈار سٹیشن'' قائم کر رکھا تھا۔ اس کی حفاظت کے لئے جمائیل کی فوج ''فلانگسٹ'' کے بہروپ میں یہاں موجود رہتے تھے۔

''موساد'' کو اپنے اس خفیہ مشن کے قیام کے لئے اپنی تمام ترجیحات کو ایک طرف رکھ کر جمائیل کی ہر بات ماننی پڑی تھی۔

نارتھ بیروت کے اس خفیہ مقام پر جو بشیر جمائیل کا ہیڈکوارٹر تھا۔ ''موساد'' اور فلانگسٹ عیسائیوں کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا' کہ نہ صرف اسرائیل فلانگسٹوں کو اس سٹیشن کے قیام کے لئے 20 تا 30 ہزار امریکی ڈالر ماہانہ ادا کرے گا بلکہ اسرائیل نے ''حیفہ'' کے فوجی بیس پر جمائیل کے فوجیوں کو اسرائیل میں تیار کردہ خصوصی گن بوٹس ''ڈابر'' (Dabur) بھی قیمتاً دی تھیں جن کے حصول کے بعد عیسائی فوج کی طاقت میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

بیروت میں ''موساد'' کا خفیہ اڈہ عیسائیوں کے زیر قبضہ مشرقی بیروت اور مسلمانوں کے زیر قبضہ مغربی بیروت کے عین درمیان میں ایک سرکاری عمارت کے تہہ خانے میں قائم کیا گیا تھا۔ جسے ''موساد'' کی خفیہ زبان میں ''آبدوز'' (Submarine) کہا جاتا تھا۔

اس اڈے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں ہمہ وقت ''موساد'' کے دس بہترین دماغ جن میں کم از کم سات یا آٹھ ''کیٹسا'' شامل تھے سرگرم عمل رہتے تھے۔ جن میں سے کم از کم 2 کا تعلق اسرائیلی فوج کے بہترین اور تباہ کن یونٹ 4 '5 سے ہوتا تھا۔

1980ء تک حالت یہ تھی کہ وہ نہ صرف جمائیل بلکہ بیری' جمبلات اور پی ایل او کے بھی بعرض کیمپوں میں ''موساد'' کے خفیہ اڈے قائم ہو چکے تھے اور عملاً موساد کو ایسی حیثیت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ لوگ جب چاہیں بیروت میں اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکتے تھے۔

سی آئی اے' شاہی انٹیلی جنس اور دیگر مغربی انٹیلی جنس ایجنسیاں خود کو بے بس محسوس کرتی تھیں' بعد میں ہونے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ بیشتر امریکی شہریوں کے اغواء میں بھی ''موساد'' کا ہاتھ تھا۔

امریکی اس بات کی خبر رکھنے کے باوجود کہ ''موساد'' ان کو بھی ہاتھ دکھا جاتی ہے اس کے محتاج رہتے تھے اور مصلحتاً خاموشی اختیار کئے رکھتے تھے جس کی بہترین مثال 23 اکتوبر 83ء کو

بیروت ایئر پورٹ پر ''مرسیڈیز ٹرک بم'' کا دھماکہ ہے جس میں (241) امریکن میرین فوجی مارے گئے تھے۔

امریکہ کی فوجی تاریخ میں 13 جنوری 1968ء کے بعد ایک ہی روز میں مارے جانے والے امریکی فوجیوں کی سب سے بڑی تعداد تھی (یاد رہے کہ اس روز ویت نام میں ایک ہی دن میں 1246 امریکی فوجی مارے گئے تھے)

اس سے پہلے یا بعد کبھی ایک ہی دن میں اتنی زیادہ تعداد میں امریکن فوجی نہیں مارے گئے۔

''موساد'' کو اپنے خصوصی ذرائع سے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ بڑے مرسڈیز ٹرک میں گولہ بارود کے ذخیرے کے ساتھ ایک خودکشی مشن ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں امریکی فوجیوں کی ہلاکت کا سامان موجود ہے۔ ''موساد'' اور سی آئی اے کے درمیان باہمی تعاون کے معاہدے کے تحت ''موساد'' اس بات کی پابند تھی کہ اس کی پیشگی اطلاع سی آئی اے کو دے۔

لیکن......!

انہوں نے مجرمانہ خاموشی اختیار کئے رکھی۔

یہ بھی ''موساد'' کی خفیہ پلاننگ کا حصہ تھا۔ اس طرح اسرائیلی حکام شام اور امریکہ کے درمیان پہلے سے موجود خلیج کو اتنا زیادہ وسیع کر دینا چاہتے تھے کہ پھر وہ جب بھی چاہیں اپنی مرضی کے نتائج اس تناظر میں حاصل کر لیں۔

O

''گولڈ فش'' کا سربراہ اور ''موساد'' کا کیٹسا'' اس میٹنگ میں خصوصی شرکت کے لئے بیروت سے آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی بریگیڈیئر شمیر اور کیٹسا ایک علیحدہ خفیہ میٹنگ کر رہے تھے اور شام گئے جب مختلف رپورٹوں کا معائنہ' ان پر تفصیلی بحث اور بیروت میں فلسطینیوں کی طاقت کا جائزہ لینے کے بعد وہ ایک ''اہم فیصلے'' پر پہنچ گئے تو بریگیڈیئر شمیر نے اس کے ساتھ ہی اسرائیلی وزیراعظم کے ساتھ فوراً ''ہاٹ لائن'' پر رابطہ قائم کیا۔

''سر! ہمیں اس فیصلے پر عملدرآمد کے لئے آپ کی منظوری درکار ہے۔ عین ممکن ہے

کہ اس کے بعد بین الاقوامی سطح پر آپ کو دباؤ کا سامنا کرنا پڑے۔"

اس نے منصوبے کی تفصیلات سے اسرائیلی وزیراعظم کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"کون سا بین الاقوامی دباؤ...... امریکی ہمارے محتاج ہیں اور فلسطینی "سٹنگ ڈکس" عربوں میں ابھی اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی"...... وزیراعظم نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"......شمیر! اگلے 48 گھنٹوں میں جو دل چاہے کر گزرو۔ نتائج کی پروا کیے بغیر......"بلیک ستمبر" کو بھرپور جواب ملنا چاہیے۔ کسی بھی قیمت پر۔"

"ٹھیک ہے جناب ایسا ہی ہوگا۔"

سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"کل صبح ہماری طرف سے کام کا آغاز ہو جائے گا۔" شمیر نے بیروت سے آئے کیڈسا سے کہا۔

اسی رات "موساد" کا یہ "کیڈسا" ایک خصوصی پلان لے کر سرحد عبور کر گیا۔

رات کے پہلے پہر اس کے ساتھیوں نے بیروت کے تمام غنڈہ گروہوں کو اپنے خفیہ مرکز پر جمع کر رکھا تھا۔

"آبدوز" پر موجود ان غنڈوں کو منصوبے کی تفصیلات سمجھانے کے بعد اس حکم کے ساتھ شکارگاہوں کی طرف بھیج دیا گیا کہ کسی کے کام میں کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔

علی الصبح اسرائیلی فوج نے "موساد" کے "آپریشن سی فیکس" کا آغاز کر دیا۔ امریکی اسلحہ خانوں میں تیار طیاروں نے مغربی بیروت میں واقع ایک بڑے فلسطینی مہاجر کیمپ پر آتش و آہن کی بارش برسانی شروع کر دی۔

"آپریشن سی فیکس" میں اسرائیلی ایئرفورس کے دو سکواڈرن حصہ لے رہے تھے۔ پہلے بمباروں نے نہتے اور بے گناہ فلسطینیوں پر ستم کے پہاڑ توڑے۔ اس کے بعد فائٹر طیارے حرکت میں آئے اور اس کیمپ میں موجود ہر قابل ذکر فلسطین جانباز پوسٹ کو تباہ کر دیا۔

بے بس اور بے کس فلسطینی کمانڈوز اپنی بندوقیں اور عام سے اسلحہ کے ساتھ ان آسمانی آفات کا کیا مقابلہ کرتے وہ دیوانہ وار ان پر گولیاں برسا رہے تھے۔

لیکن......!

یہ سعی لاحاصل تھی......

ان کی برسائی ہوئی گولیاں سوائے آسمان پر مخصوص گونج پیدا کرنے کے اور کچھ نہ کر سکیں یا پھر خالی گولیوں کے خول تھے جو وہاں گرتے رہے۔

دو گھنٹے تک یہ مشق ستم جاری رہی......!

دو گھنٹے بعد جب اسرائیلی درندوں کو یقین ہو گیا کہ اب مزاحمت کرنے والا کوئی بھی جانباز زندہ نہیں رہا تو وہ اپنے ٹھکانوں پر واپس لوٹ آئے۔

لیکن......

ابھی "موساد" کے خون کی پیاس نہیں بجھی تھی۔

اصل آپریشن تو اب شروع ہونے والا تھا۔ ابھی تو انہوں نے "آپریشن سی فیکس" کے لئے صرف فضا ہموار کی تھی۔

عین ان لمحات میں جب مجبور و مقہور فلسطینی مائیں، بیٹیاں اور بیوائیں اپنے بچوں اور بڑوں کی لاشوں پر بین کر رہی تھیں......!

بچے کھچے اور زخمی فلسطینی اپنے شہیدوں کے جسد خاکی اکٹھے کر رہے تھے عین ان لمحات میں بیروت کی مختلف غنڈہ فورسوں کے سینکڑوں کی تعداد میں مسلح درندے جنھیں "موساد" کی آشیرباد حاصل تھی دھاڑتے ہوئے ان کیمپوں میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے یہاں موجود ہر فلسطینی جوان، بوڑھے اور بچے کے خون سے ہولی کھیلنی شروع کر دی۔

اب "آپریشن سی فیکس" کے تیسرے حصے پر عمل شروع ہوا اور بے بس، مقہور مسلمان فلسطینی عورتوں کی اجتماعی آبروریزی شروع ہو گئی۔ جس کسی خاتون نے درندوں کے سامنے مزاحمت کی اس کو انہوں نے مار ڈالا۔

درندگی کا یہ ہولناک تماشہ شام گئے تک جاری رہا......!

اس سے پہلے کہ دوسرے کیمپ سے بچے کھچے فلسطینی مجاہد ان بدنصیبوں کی مدد کو پہنچیں۔ "موساد" کے تربیت یافتہ غنڈے جن ٹرکوں میں بیٹھ کر آئے تھے۔ ان ہی میں بیٹھ کر ہوا میں گولیاں چلاتے اپنی فتح کا جشن مناتے فرار ہو گئے۔

اگلے روز اسرائیلی حکومت کی طرف سے ایک مختصر سا بیان معمول کے مطابق جاری کر

دیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ لندن میں مارے جانے والے "بے گناہ یہودیوں" کے قاتلوں کے تعاقب میں اسرائیلی ایئر فورس کے جہازوں نے ان کیمپوں پر بمباری کی ہے اور آئندہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں اگر فلسطینیوں نے کسی یہودی کو قتل کیا تو اس کا انتقام بھی اسی طرح لیا جائے گا۔

سوائے ہیومن رائٹس کی چند نام نہاد تنظیموں اور چند مسلمان حکمرانوں کی طرف سے مذمتی بیانات کے اور کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا تھا۔

جب ایک مسلمان ملک کی کوشش سے اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ زیر بحث لانے کی تحریک پیش کی گئی تو "امریکہ بہادر" نے اسے ویٹو کر دیا۔

O

ایئر پورٹ پر عراقی ایئر لائن کی یہ معمول کی پرواز تھی جسے آج دو بجے روانہ ہونا تھا۔

ٹرمینل نمبر 2 پر مسافر اپنا سامان ایئر لائن کاؤنٹر پر "چیک ان" کر رہے تھے اور ایئر لائن کا عملہ معمول کے مطابق مسافروں کو نشستیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا سامان جہاز میں بھیج رہا تھا۔

ایئر پورٹ سیکورٹی کے عملے نے گو کہ یہاں حفاظت کے خصوصی انتظامات کر رکھے تھے۔

لیکن......!

دنیا کی بیشتر فضائی کمپنیوں نے اپنا الگ سے سیکورٹی سٹاف بھی بھرتی کیا ہوا تھا جو ان کی پروازوں کو لندن سے بحفاظت اڑانے کا ذمہ دار تھا۔

ان سیکورٹی کمپنیوں کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ کسی متعلقہ ایئر لائن کے جہاز میں رکھے گئے سامان پر خصوصاً نظر رکھیں۔ جہاز کے مسافروں کی حرکات و سکنات نوٹ کریں اور کوئی بھی مشتبہ مسافر یا سامان نظر آئے تو متعلقہ پرواز کے ذمہ داروں کو اس سے فوراً آگاہ کریں...... حتمی فیصلہ بہرحال متعلقہ جہاز کی مالک کمپنی کو ہی کرنا ہوتا تھا۔

آج بھی معمول کے مطابق لندن سے بغداد جانے والی پرواز پر مسافروں کا سامان "چیک ان" ہو رہا تھا جب اچانک برطانوی انٹیلی جنس کے اہل کاروں نے جو علی الصبح یہاں پہنچ گئے جہاز کے مسافروں کی قطار میں لگے ایک مسافر سے اپنا پاسپورٹ دکھانے کی درخوست کی

تھی۔

"لیکن...... میں پاسپورٹ دکھا چکا ہوں۔ دو مرتبہ پہلے بھی امیگریشن والوں نے چیک کیا ہے اب آپ آ گئے ہیں۔ آخر آپ مجھے کیوں تنگ کر رہے ہیں۔"

مسافر جو شاید پہلے سے اس صورت حال پر رنجیدہ تھا سراپا احتجاج ہو گیا۔

"ہمیں افسوس ہے لیکن براہِ کرم آپ ہمارے فرائض کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے اس بات کا برا مت مانیے۔" انٹیلی جنس کے اس آفیسر نے دوبارہ درخواست کی۔

"میں کہتا ہوں کہ اگر آپ لوگ دو مرتبہ میرا پاسپورٹ دیکھ کر مطمئن نہیں ہوئے تو پھر کب ہوں گے...... امیگریشن سے یہاں تک آنے میں میرا پاسپورٹ بدل تو نہیں گیا۔ میرا حلیہ البتہ آپ نے ضرور بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔"

مسافر کو اب طیش آنے لگا تھا۔

اس نے اچھی خاصی تقریر شروع کر دی تھی۔ اس دوران جہاز کے مسافروں نے لائن توڑ کر اس کے گرد جمگھٹا لگانا شروع کر دیا...... خاصی دلچسپ اور پریشان کن صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔

"صورت حال کچھ بھی رہی ہو آپ کو پاسپورٹ دکھانا پڑے گا"...... برطانوی افسر نے اسے وارننگ دی۔

"یہ لو اور اس میں سے جو نکالنا ہے نکال لو"...... مسافر نے جھٹکے سے اپنا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

عین ان لمحات میں جب سیکورٹی کے تمام افراد اور یہاں موجود دیگر مسافر یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ایک نوجوان جس کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ اور بریف کیس موجود تھا کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

کاؤنٹر پر موجود عراقی ایئر لائن کے ملازم کو اس نے مسکرا کر مخصوص انداز سے سلام علیکم کہا اور اپنا پاسپورٹ اور ٹکٹ اس کے سامنے رکھ دیے۔

"ٹھیک ہے۔" کاؤنٹر سے جواب ملا۔

کاؤنٹر پر موجود ذمہ دار نے اس کا بیگ چیک ان کرنے میں بہت پھرتی کا مظاہرہ کیا

تھا۔

باقی سب کچھ تو معمول کے مطابق تھا۔

لیکن......!

غیر معمولی بات صرف یہ تھی کہ کاؤنٹر سے نہ تو اس مسافر کو "بورڈنگ کارڈ" جاری ہوا تھا نہ ہی سامان کی کلیرنس کا سٹکر۔ یہ سامان اس سے پہلے والے مسافر کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا اور سٹکر کاؤنٹر کلرک نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

یہ پراسرار مسافر ابو احمد تھا۔

اس بیگ میں عراقی حکومت کا انتہائی اہم سامان موجود تھا۔

یہ سامان کسی مسافر کے بغیر سفر کر رہا تھا۔

عین ان لمحات میں جب ابو احمد کے نام سے سفر کرنے والے ایک اور خود ساختہ "عراقی مسافر" کو برطانوی انٹیلی جنس نے اپنے گھیرے میں لے کر اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر رکھی تھی۔

ابو احمد چپ چاپ ٹرمینل سے باہر آ گیا۔

وہ یہاں صرف سامان پہنچانے آیا تھا اور اسی نام کے ایک اور عراقی انٹیلی جنس کے پاسپورٹ ہولڈر نے اس ڈرامے میں خصوصی پارٹ ادا کیا تھا۔

اصلی ابو احمد کی روانگی کے چند منٹ بعد برطانوی انٹیلی جنس نے "نقلی ابو احمد" کو بھی کلیئر کر دیا جس نے یہ ثبوت فراہم کر دیا تھا کہ جس ابو احمد کی تلاش برطانوی انٹیلی جنس کو ہے یہ وہ شخص نہیں ہے۔

"میرے خیال سے مجھے یہ آخری چیکنگ سمجھنی چاہئے۔" مسافر نے طنزیہ لہجے میں اپنا پاسپورٹ برطانوی آفیسر کے ہاتھ سے تھامتے ہوئے کہا۔

"شکریہ آپ کو جو تکلیف پہنچی اس پر ہم معذرت خواہ ہیں۔"

برطانوی آفیسر نے روایتی انگریزوں کی روایات کو برقرار رکھا تھا۔

O

سکاٹ لینڈ یارڈ اور ایم آئی سکس کے درمیان باقاعدہ محاذ آرائی کا آغاز ہو گیا تھا۔

سکاٹ لینڈ یارڈ بضد تھی کہ ایڈنبرا، گلاسکو اور مانچسٹر کی تین الگ الگ الیکٹریکل پارٹس

تیار کرنے والی فرموں سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ایسے آلات کی خریداری کی گئی ہے جو ایٹمی اسلحے کی تیاری میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا!

عراقی ایئر لائن کی جس پرواز پر یہ سامان لے جانے کا عندیہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس میں کوئی بھی سامان "چیک ان" ہونے سے پہلے جس سائفر مشین سے گزارا جاتا تھا۔ اس پر برطانوی سیکورٹی کا کنٹرول تھا۔

سوائے ان مسافروں کے جو اپنے عزیز و اقرباء کو چھوڑنے آئے تھے اور جن کے ہاتھوں میں معمولی قسم کے ہینڈ بیگ تھے۔ ان کا سامان اس لئے چیک نہیں ہوا تھا کہ انہیں صرف لاؤنج میں جانا تھا۔ جہاز میں سوار نہیں ہونا تھا۔

کہیں ان رخصت کرنے والوں میں سے کوئی شخص وہ سامان اندر تو نہیں لے گیا......

کیپٹن فلپ، جس کے ذمے یہ آپریشن تھا، نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

"اگر ایسا ہوا بھی ہے تو کچھ نہیں کر سکتے۔ برطانوی قوانین کی رو سے ہم کسی کی پرائیویسی کو ڈسٹرب نہیں کر سکتے۔ یہاں آنے والے ہر شخص کو اگر تلاشی دینے کا حکم دیا جاتا تو اب تک حکومت پر کروڑوں پاؤنڈ ہرجانہ ادا کرنے کے کیس بن چکے ہوتے"

"جناب والا! ہم صرف اس پرواز کے مسافروں کو چیک کر سکتے تھے اور وہ بھی ہم نے خلاف معمول کیا اپنی مشین سے الگ سے ان کا جائزہ لیا...... کوئی سامان سائفر مشین سے گزرے بغیر جہاز میں چیک ان نہیں ہوا"...... اس کے ماتحت نے جواب دیا۔

"بہر حال یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا"...... سکاٹ لینڈ یارڈ کے نمائندے نے طنز کی...... "کہ کون غلط تھا اور کون صحیح۔ ہم سوائے آپس کی بحث کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

یہ لوگ ایک خصوصی سیکورٹی میٹنگ میں موجود تھے جس کا اہتمام برطانوی وزارت دفاع نے کیا تھا۔

آٹھ دس روز تک یہ بحث جاری رہی۔

جو دعویٰ سکاٹ لینڈ یارڈ کا تھا وہ برطانوی ملٹری انٹیلی جنس کے لئے قابل قبول نہیں تھا۔ معاصرانہ چپقلش یوں تو پیشہ ور اداروں کے درمیان موجود رہتی ہے لیکن برطانوی حکومتی

ادارے اس سے قدرے محفوظ تھے۔ اس کی وجہ ان کا ڈسپلن سے متعلق مخصوص رویہ تھا۔

یہ شاید پہلا سنگین نوعیت کا واقعہ تھا۔

پندرہ روز بعد اس قصے کو سی آئی اے نے نمٹا دیا۔

سی آئی اے کی طرف سے باقاعدہ برطانوی حکومت کو مطلع کر دیا گیا کہ عراق نے لندن سے سمگل شدہ سامان کی مدد سے انتہائی خطرناک توپ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس توپ کے ذریعے عراقی حکومت اپنے ہمسایوں خصوصاً اسرائیل کے لئے مستقل خطرہ بن گئی ہے۔

یہ انتہائی اہم خبر سی آئی اے کے اس سیٹلائیٹ نے حاصل کی تھی جو عراق کے سر پر مسلط تھا اور جس کی یہ خصوصی ڈیوٹی تھی کہ وہ مسلمان ممالک کی دفاعی تنصیبات پر مستقل نظر رکھے۔

برطانوی حکومت کے لئے یہ بات باعث ندامت تھی کہ اطلاع موصول ہونے کے باوجود وہ لوگ اس سمگلنگ کو نہ روک سکے۔

''موساد'' اور ''سی آئی اے'' کی مشترکہ مساعی نے یہ بات بھی بعد میں ثابت کر دی کہ جس پرواز کو خصوصاً انٹیلی جنس نے چیک کیا تھا اسی کے ذریعے یہ سامان بغداد پہنچایا گیا۔

اس واقعے کے بعد سے برطانوی حکومت نے عراقی ایئر لائن کو مستقل ''ریڈ لائن'' کر دیا...... اب عراقی ایئر لائن سے دشمن ائیر لائن کا برتاؤ ہونے لگا تھا اور برطانوی حکومت اپنے تمام اصول اور آدرش بالائے طاق رکھ کر عراقی ائیر لائن کو ہراساں کرنے کے لئے لئے ہر ممکن قدم اٹھا رہی تھی۔

انہوں نے عراقی ائیر لائن کو مجبور کر دیا کہ وہ لندن کی طرف اپنی معمول کی پروازوں کی تعداد معمول سے آدھی کر دے۔

ابو احمد ان کے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن گیا تھا۔

ایک اسرار......

ایک مستقل درد سر......

کیونکہ برطانوی جانتے تھے کہ اب ''موساد'' ان کی جان کو آ جائے گی اور ''ابو احمد'' کے چکر میں اپنے کئی مذموم مقاصد پورے کر لے گی جب کہ برطانوی حکومت سی آئی اے کے ساتھ ایک معاہدے کے مطابق اسرائیل سے تعاون کی پابند تھی۔

آہنی ہاتھوں کی گرفت

پاکستانی رینجرز کی اس پوسٹ پر آج تک کوئی ایسا قابل ذکر حادثہ نہیں گزرا تھا کہ جس پر یہاں کبھی ایمرجنسی کی سی صورت حال پیدا ہو گئی ہو۔

لیکن......

آج انسپکٹر ملک کے لئے بڑی حیران کن صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ اسے کمپنی ہیڈ کوارٹر سے دوپہر کے بعد خصوصی پیغام ملا تھا۔

''دو پیکٹ اس طرف پارسل ہو رہے ہیں۔ خصوصی نگرانی بچ کر نہ جانے پائے۔''

یہ تھا وہ پیغام جس نے ساری پوسٹ کو بھونچکا کر رکھ دیا تھا۔

انسپکٹر ملک نے اس پیغام کو اپنے لئے چیلنج سمجھا تھا۔ اس نے معمول کی گشت کو بڑھا کر دوگنا کر دیا تھا۔ رات کو ڈیوٹی کے بعد آرام کرنے والوں کو دوبارہ سٹینڈ بائی ہونا پڑا تھا اور فوراً وردیاں پہن کر گشت کے لئے تیاری کی ہدایات مل گئی تھیں۔

''گشت مسلسل جاری رہے' دن کو بھی۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ آج سے تمہارے لئے دن اور رات میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ دشمن اس صحرائی علاقے میں دن کی روشنی میں بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے...... اور میں کسی شرمندگی سے دوچار نہیں ہونا چاہتا۔''

کمپنی کمانڈر نے بریفنگ دیتے ہوئے کہا۔

پیغام کے آدھ گھنٹے بعد کمپنی کمانڈر پندرہ جوانوں کی خصوصی کمک لے کر پوسٹ پر آئے تھے۔ اب پوسٹ کی نفری معمول سے دوگنی ہو گئی تھی۔

''ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے......'' انسپکٹر ملک نے سوچا۔

اس نے احتیاطاً اپنے حوالدار کو اس پیغام کے ساتھ نزدیکی دیہات کی طرف روانہ کیا

تھا کہ جس کسی بھی مشتبہ یا اجنبی شخص کی موجودگی کی اطلاع فوراً پوسٹ پر پہنچائی جائے۔

نزدیک دور کے دیہاتوں میں فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ پہلے ہی سے چوکس کر دیئے گئے تھے اور یہاں سے شہر کی طرف جانے والے راستوں پر کڑی نگرانی رکھی جا رہی تھی۔ بس سٹینڈ' ریلوے سٹیشن' تانگہ سٹینڈ اور سرحد سے شہر کی طرف جانے والے پکے راستوں پر انٹیلی جنس کے سفید پوشوں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔

اتنی تیزی سے اس نوعیت کا اقدامات ملک نے پہلی مرتبہ دیکھے تھے۔ اس بات کا علم تو اسے بہت بعد میں ہوا کہ بھارتی انٹیلی جنس ''را'' میں موجود پاکستانی ایجنٹ نے یہ اہم اطلاع پہنچائی تھی کہ دشمن کے پانچ انتہائی چالاک اور خطرناک ایجنٹ ایک گھناؤنے اور تباہ کن منصوبے کے ساتھ پاکستانی سرحد میں داخل ہوں گے اور اس بات کے امکانات بہت زیادہ تھے کہ سرحد' راجستھان کے اس بارڈر سے پار کی جائے گی جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔

O

سرِشام ہی بادل منڈلانے لگے تھے۔ جانے کب سے اس علاقے کے مکینوں کی آنکھیں بادلوں کی شکل دیکھنے کو ترس گئی تھیں اور ان کی مراد اس وقت بر آئی تھی۔ جب ملک کے لئے امتحان کی گھڑی تھی۔

اس نے اپنی پوسٹ کے جوانوں سے کہا تھا کہ یہ ''مثالی پوسٹ'' ہے جس کی تاریخ بڑی شاندار ہے۔ آج تک سمگلنگ کا مال بھی اس طرف سے نہیں گزر سکا اور سمگلر بھی ادھر کا رخ کرتے گھبراتے تھے۔ پوسٹ کا یہ اعزاز برقرار رہنا چاہئے۔

انسپکٹر ملک کو رینجرز نے یقین دلایا تھا کہ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی دشمن کی چال کو ناکام بنا دیں گے۔

تھوڑی دیر بعد مینہ برسنے لگا۔

صحرا کی رات آہستہ آہستہ راجستھان کی سرحد پر اپنے پر پھیلانے لگی تھی۔ رینجرز کے جوانوں نے معمول کے کینوس کے جوتے پہن رکھے تھے اور برساتیاں اوڑھ کر وہ گیلی ریت میں گشت کر رہے تھے۔

مسلسل بارش سے ان کے قدم ریت میں دھنس رہے تھے۔

لیکن......

ان کا مورال آج بھی آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا کہ ان کا کمپنی کمانڈر' پوسٹ کمانڈر انسپکٹر ملک گشت میں ان کے ساتھ تھا۔

صحرا کی بھیگی رات کا اسرار گہرا ہو رہا تھا۔

بادلوں کی یلغار شمال سے جنوب کی سمت ہو رہی تھی۔ جب اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں۔

بارش اب معمول کی بجائے ساون بھادوں کی بارش کا روپ دھارنے لگی تھی۔ پانی کی بوچھاڑ تھی جو آہنی عزام رکھنے والے رینجرز کے منہ پر زناٹے کی طرح لگتی۔ ریتلے میدانوں میں پہرہ دینے والے جانباز موسمی عذاب ناکیوں سے بے خطر کھلی آنکھوں کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

رات ایک پہر آگے بڑھتی تھی جب ایک درخت کے تنے سے لگے انسپکٹر ملک کے ''واکی ٹاکی'' سیٹ نے مخصوص سگنل دیا۔

''یس......'' اس نے سیٹ منہ کے نزدیک لا کر سرگوشی کی۔

''سر! میری طرف غیر معمولی نقل و حرکت ہوئی ہے۔ سپاہی کرم داد نے تازہ قدموں کے نشانات دیکھے ہیں''......حوالدار مہربان خان اس سے مخاطب تھا۔

''شاباش قدموں کا تعاقب کرو۔ ہوشیاری سے' میں عقب سے آتا ہوں۔ اب سیٹ پر صرف سگنل دینا ہے۔ بات نہیں کرنی۔''

انسپکٹر ملک نے ہدایات دے کر سیٹ آف کر دیا۔

O

پوسٹ پر موجود کمپنی کمانڈر کو اس نے ایک مخصوص علاقے کی نشاندہی کرتے ہوئے اس طرف سے ملنے والا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ خود اس طرف جا رہا ہے۔

''ویل ڈن......ہوشیاری سے''......کمپنی کمانڈر نے ہدایت دی۔

''او کے سر......''

ملک نے اپنے تینوں جوانوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اپنے حوالدار کے

بتائے ہوئے مقام کی طرف ایک لمبا چکر کاٹ کر اس طرح جا رہا تھا کہ اس طرف سے آنے والوں کو عقب سے گھیرے میں لے سکے۔

ان لوگوں نے بطور احتیاط اونٹوں کے بجائے پیدل سفر کرنے کو ترجیح دی تھی۔

بارش میں وہ قریباً بھیگ رہے تھے۔

ان کا ایک ایک قدم مَن مَن کا بوجھل ہو رہا تھا۔

لیکن......!

ایک جنون تھا کہ ان کو جانب منزل گامزن کئے ہوئے تھا۔

یہ احساس کہ دشمن کے کچھ ایجنٹوں کے ناپاک قدم ان کی مقدس سرزمین پر پڑنے والے ہیں ان کے لئے کسی تازیانے سے کم نہیں تھا۔

"شاباش! سنبھل کر ہوشیاری سے"......انسپکٹر ملک رک کر ان کا حوصلہ بڑھاتا۔

کمپنی کمانڈر نے اس سمت موجود دوسری دفاعی لائن کو چوکس کر دیا تھا اور وہ لوگ بھی بے چینی سے اپنے مہمانوں کے منتظر تھے۔

آدھ گھنٹہ انہیں ہو گیا تھا۔

ان کے سانس پھولنے لگے تھے۔

لیکن......

قدموں کی مضبوطی تازہ دم تھی۔ اپنے انسپکٹر کے تعاقب میں وہ سائے کی طرح آواز نکالے بغیر آگے بڑھ رہے تھے۔

اب قدرے پختہ زمین آنے کے سبب ان کے قدموں کو کچھ سکون ملنے لگا تھا۔ اچانک ہی انہیں زمین پر اپنے راہبر کی تقلید میں پاؤں کے بل بیٹھ جانا پڑا۔

اندھیرے میں انہوں نے اپنے انسپکٹر کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے مخصوص پوزیشن کا اشارہ کرتے دیکھا۔ تینوں جانباز ایک دوسرے سے چند گز کے فاصلے پر دائرے کی صورت میں بیٹھ گئے۔

روانگی پر ہی انہوں نے اپنی بندوقیں فائرنگ پوزیشن میں کر لی تھیں۔ بارش کا زور رینجرز کے آہنی ارادوں کے سامنے دم توڑنے لگا تھا۔

اب تیز بارش ختم ہو گئی تھی اور کبھی کبھی اکا دکا بوندیں ہی برس رہی تھیں۔ ان کے سروں پر رکھی پلاسٹک میں لپٹی ٹوپیوں سے سرکتا پانی ان کے سامنے اور آنکھوں میں بار بار آ رہا تھا۔ جسے اپنی لمبی قمیضوں کی آستینوں سے صاف کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا......!

اچانک ان تینوں کے جسموں میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ انہوں نے اپنی ساری سروس اپنی سرحدوں پر پہرہ دیتے گزاری تھی۔

رات کا اندھیرا ان کے لئے کبھی صبح کے اجالے سے مختلف نہیں رہا تھا۔ زمین ہی کیا وہ فضا میں بھی رات کو ہونے والی معمولی تبدیلی کو سونگھ لیا کرتے تھے۔

زمین پر فاصلے سے آنے والے قدموں کی دھمک ان کے حساس کانوں نے سن لی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس طرف کوئی غیر معمولی نقل و حرکت ہو رہی ہے۔

ان کے راہبر انسپکٹر ملک نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے انہیں دشمن کے سر پر آ جانے کی اطلاع دی اور خود زمین پر لیٹے لیٹے ایک طرف سرکنے لگا۔

چند سیکنڈ کے اندر اندر انہوں نے آنے والوں کو گھیرے میں لینے کے لئے مخصوص پوزیشن لے لی تھی۔

بنگالیوں کا یہ قافلہ جو چھ افراد پر مشتمل تھا بڑے اطمینان سے اس طرف آ رہا تھا۔ جب اچانک "ہالٹ" کی آواز پر ان کے قدم جم گئے۔

اچانک ہی چار ٹارچیں روشن ہوئیں اور انہوں نے خود کو گھیرے میں دیکھ لیا تھا۔

"خبردار! اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرنا ورنہ گولی مار دی جائے گی"......انسپکٹر ملک کی گونج دار آواز سنائی دی۔

حوالدار مہربان خان اور اس کے تینوں ساتھی بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔

چھ نو گرفتاروں کو اس نے مہربان کی حفاظت میں پوسٹ کی طرف روانہ کر دیا اور خود پہرے پر ڈٹ گیا۔

انسپکٹر ملک نے تب یہی سمجھا تھا کہ یہ بے چارے ستم زدہ بنگالی مسلمان ہیں جو آئے روز بنگلہ دیش سے بھاگ کر آتے اور اس طرف بھارتی سمگلروں کو زندگی بھر کی پونجی سونپ کر سرحد عبور کرتے ہیں۔ اس کا یہی خیال تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اتنا بڑا اہتمام کیا گیا ہے۔

چھ مظلوم بنگلہ دیش والوں کا یہ قافلہ کڑی نگرانی میں پوسٹ پر پہنچا دیا گیا۔ کمپنی کمانڈر نے ایک نظر ان سب کا جائزہ لیا پھر اس قافلے کے سربراہ کو علیحدہ لے گیا۔

"آپ کا نام؟" اس نے بوڑھے بزرگ سے پوچھا۔

"شمس الدین۔" بزرگ نے سہم کر جواب دیا۔

پندرہ بیس منٹ تک کمپنی کمانڈر اس سے مختلف سوالات کرتا رہا۔ اس درمیان اس نے بوڑھے شمس الدین کو چائے بھی پلائی اور پندرہ منٹ بعد بالآخر اسے اپنے کام کی بات مل گئی۔

بوڑھے شمس الدین نے بتایا کہ وہ پانچ آدمی ہیں۔ ان کے بیوی بچے ایک ماہ پہلے سرحد عبور کر چکے ہیں اور یہ چھٹا آدمی ان کے ساتھ بھارت سے شامل ہوا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ اجمیر شریف کی درگاہ پر وہ لوگ پناہ لئے ہوئے تھے جب ایک روز یہ شخص جس نے اپنا نام مومن خان بتایا ان کے پاس آیا۔ اس نے ان لوگوں سے کہا کہ بہت عرصہ پہلے اس نے بنگلہ دیش کی سرحد عبور کی تھی اور روزی کمانے کے لئے بھارت آیا تھا۔ اس دوران اسے اطلاع ملی کہ اس کا بیٹا اور بیٹی بھی کسی طرح پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اب وہ بھارت میں ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتا اور اپنے بیٹے بیٹی سے ملنے جا رہا ہے جو کراچی میں کہیں قیام پذیر ہیں۔

"ہم نے سرحد بھی اس شخص کی مدد سے عبور کی ہے۔ وہی جانے کہاں سے ایک آدمی کو لے آیا تھا جو ہم جیسے بدقسمتوں کو سرحد عبور کرواتے ہیں۔ مومن خان کی سفارش پر اس آدمی نے ہم سے فی کس صرف پانچ سو روپیہ لیا تھا ورنہ تو وہ ایک ایک آدمی کے دو دو ہزار روپے لیتے ہیں۔"

بوڑھے شمس الدین نے بالآخر اپنی بپتا مکمل کی۔

کمپنی کمانڈر کچھ دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ اسے دال میں کالا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس قافلے میں کم از کم ایک شخص ایسا موجود ہے جو ان کے مطلوبہ لوگوں کی فہرست میں شامل ہے اور یہ شخص مومن خان ہے۔

O

"مومن خان کو لے آؤ"...... اس نے اچانک ہی کچھ سوچ کر اپنے جوانوں کو حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد بنگالی نقش و نگار رکھنے والے سانولے رنگ اور مضبوط جسم کا نوجوان اس کے سامنے

موجود تھا۔

"تمہارا نام مومن خان ہے......" کمپنی کمانڈر نے اس کی طرف دیکھ کر طنزاً کہا۔

"مومن میاں سرکار"...... جواب ملا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"دیناج گنج کے۔"

"ظاہر ہے وہاں تمہارے بہت سے رشتہ دار بھی ہوں گے۔"

"سرکار اگر کوئی ہمارا ہوتا تو اس طرح در بدر دھکے نہ کھاتے' ہم تو خدا کے بعد پاکستان کو اپنا ملک جان کر یہاں آ گئے ہیں۔ سرکار ہم تو دل و جان سے پاکستانی ہیں۔"

اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس نے مسلسل بولنے کی جیسے مشق کی ہوئی تھی۔ وہ اپنے والدین کی پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے خدمات کا ذکر بار بار کرتے ہوئے مجیب الرحمٰن کو مسلسل گالیاں دے رہا تھا جس نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا۔

"میرے خیال سے تم ٹھیک کہہ رہے ہو اور تمہارے جیسے لوگ تو ہمارے خصوصی سلوک کے مستحق ہیں آؤ میرے ساتھ۔"

اچانک ہی کمپنی کمانڈر کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

اس نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ مومن میاں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر اسے دو سپاہیوں کی حفاظت میں اس کی جیپ میں بٹھا دیا جائے۔

مومن میاں کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے تغیر پیدا ہوا لیکن وہ بہت مضبوط آدمی معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔

"جیسے آپ کی مرضی سرکار!" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

O

سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا جب کمپنی کمانڈر نے مومن میاں کو اپنی جیپ میں بٹھایا۔ دو رینجرز نے اسے اپنے درمیان بٹھا کر اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

بھیگی رات کے پہلو سے زرد سورج انگڑائیاں لیتا نمودار ہو رہا تھا جب وہ مومن میاں سمیت کمپنی ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوا۔

صبح سے رات تک رینجرز انٹیلی جنس کے جوان اس کی تفتیش کرتے رہے لیکن کیا مجال جو مومن میاں ٹس سے مس ہوا ہو۔ اس دوران انہوں نے اپنی دانست میں اس پر تمام حربے آزما لئے تھے اور اب کمپنی کمانڈر کو رپورٹ کرنے جا رہے تھے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔'' کمپنی کمانڈر اپنی بات پر قائم تھا۔

''سر! ہم نے ہر حربہ آزما لیا ہے۔'' جواب ملا۔

''بہرحال میں اسے آرمی انٹیلی جنس کے لوگوں کو سونپ رہا ہوں۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ خطرناک آدمی ہے۔ ان لوگوں کے پاس اصلیت اگلوانے کے لئے شاید بہتر طریقے موجود ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے کمپنی کمانڈر نے مقامی انٹیلی جنس یونٹ کے میجر صاحب سے رابطہ قائم کیا۔

شام ڈھل رہی تھی جب مومن میاں کو آرمی انٹیلی جنس کے فیلڈ یونٹ کے سپرد کیا گیا اور صبح ڈھلنے سے پہلے اس نے اپنی اصلیت بیان کر دی۔

O

اس کا نام شام کمار تھا.....!

اور وہ بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کا تربیت یافتہ ایجنٹ تھا۔ جو اس سے پہلے دنیا کے بیشتر ممالک میں جاسوسی کارروائیاں اور کئی کامیاب آپریشن کر چکا تھا۔

شام کمار نے بتایا کہ اس کے ساتھیوں کی تعداد پانچ ہے۔ اس سے پہلے ان کے پانچ ساتھی جن میں تین عورتیں اور دو مرد شامل ہیں' اسی طرح مظلومیت کا روپ دھار کر اور دوسرے طریقوں سے پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں۔

آج رات بھی پاکستان کی مختلف سرحدوں سے ان پانچ آدمیوں نے سرحد عبور کی تھی۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ پکڑا گیا۔ اس نے اپنی گرفتاری کا سبب پاکستان انٹیلی جنس کے بجائے اپنی بدبختی کو قرار دیا اور بتایا کہ اس کے دو ساتھی اس سے پہلے اسی بہروپ میں پاکستان پہنچ چکے ہیں جبکہ جن قافلوں کے ساتھ وہ پاکستان میں داخل ہوئے وہ قافلے پکڑے بھی گئے تھے۔

شام کمار نے بتایا کہ اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ہی یہ طریقہ اختیار کیا تھا' حالانکہ وہ اگر چاہتا تو بذریعہ پاسپورٹ پاکستان میں داخل ہوتا اور پھر آسانی سے غائب ہو سکتا تھا۔ اسی طریقے پر عمل کرتے ہوئے ان کے درجنوں ساتھی اس سے پہلے پاکستان پہنچ چکے ہیں اور کامیابی سے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

شام کمار نے پاکستانی حکام کو بتایا تھا کہ دس بھارتی جاسوسوں کا یہ ٹولا جس میں تین خوبصورت لڑکیاں بھی شامل ہیں' انتہائی خاص مشن پر پاکستان آیا ہے.....!

اس کا کہنا تھا کہ اس مشن میں بھارتی حکومت کے علاوہ ایک اور غیر ملکی حکومت بھی بہت دلچسپی لے رہی ہے۔

لیکن.....

وہ اس حکومت کا نام نہیں بتا سکتا کیونکہ اسے اس کا علم ہی نہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو (خاکم بدہن) تباہ کرنے کا مشن لے کر آئے ہیں اور پاکستان میں موجود غیر ملکی سفارت خانوں میں سے کسی ایک میں موجود ماہرین نے انہیں کنٹرول کرنا تھا۔

اس نے پاکستانی حکام کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ اسے نہ تو منصوبے کی تفصیلات کا علم ہے نہ ہی اس سفارت خانے کا جس سے انہیں مدد ملنی تھی۔

اسے یہ بھی علم نہیں کہ بھارت کے علاوہ وہ کون سی غیر ملکی طاقت ہے جس کی مدد سے بھارتی حکومت نے یہ خطرناک منصوبہ تیار کیا ہے.....اس کا خیال تھا کہ پاکستانیوں کی سوچ کے مطابق وہ ملک اسرائیل ہی ہو سکتا ہے۔

لیکن.....

یہ مشن اتنا خفیہ رکھا گیا تھا کہ اسرائیل کا نام بھی انہیں نہیں بتایا گیا تھا ان لوگوں کو بھارت میں ایٹمی تنصیبات کو تلاش کرنا' ان تک پہنچنا اور انہیں تباہ کرنے کی خصوصی تربیت دی گئی ہے۔

اس تربیت کی نگرانی غیر ملکی کرتے تھے جن کی شہریت کا اسے علم نہیں۔ ان سب لوگوں کو الگ الگ ٹھکانوں پر پہنچنا تھا جہاں ان کے ساتھ بھارتی انٹیلی جنس خود ہی رابطہ کرتی اور انہیں اگلی ہدایات پہنچائی جاتیں۔

مشن اتنا خفیہ تھا کہ ''متعلقہ شخص'' کو ''متعلقہ معلومات'' تک محدود رکھا گیا تھا۔ ان میں شاید کوئی بھی ایسا ایجنٹ نہیں تھا جسے تمام منصوبے کا علم ہو۔ ان لوگوں نے الگ الگ قسم کی تربیت حاصل کی تھی اور دوران تربیت بھی انہیں ایک دوسرے سے الگ رکھا گیا تھا۔

ان سب کے ''کورنام'' اور ''کورشناختیں'' تھیں۔

اس نے کراچی پہنچ کر لندن میں ایک نمبر پر ٹیلی فون کرنا تھا۔ وہاں اپنے بخیریت پہنچنے کی اطلاع دے کر ان لوگوں کو یہاں اپنے ایڈریس سے مطلع کرنا تھا۔ جس کے بعد وہ خود ہی اس سے رابطہ قائم کرتے۔

شام کمار نے پاکستانی انٹیلی جنس کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس سے زیادہ نہ اسے کسی بات کا علم ہے اور نہ ہی وہ ان کی اس سے زیادہ مدد کرسکتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر اس کے جسم کا بند بند بھی الگ کر دیا جائے تب بھی ان لوگوں کو اتنی ہی معلومات حاصل ہوں گی۔

''اول تو آپ لوگوں کو میرا شکرگزار ہونا چاہئے کہ میں نے بغیر کسی تکلیف میں ڈالے آپ کو اپنے حصے کی تمام معلومات منتقل کر دی ہیں۔ اگر آپ کو میرے بیان پر یقین نہیں آ رہا تو شوق سے آپ جو بھی طریقہ چاہیں آزما دیکھیں۔ یہ بات میں آپ کو بتا دوں کہ بہرحال آپ کو ناکامی ہوگی۔''

وہ بڑا مطمئن اور پراعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

جیسے یہ گرفتاری بھی اس کے مشن ہی کا ایک حصہ رہا ہو۔

پاکستان انٹیلی جنس کے ذمہ داروں نے آنکھیں بند کر کے اس کے بیان پر یقین نہیں کرلیا تھا۔ انہوں نے واقعی شام کمار کے جسم کی بوٹی بوٹی الگ کر کے دیکھ لی تھی۔

ماہرین نفسیات سے ''پولی گراف مشین'' (جھوٹ پکڑنے والی مشین) تک ہر مرحلے سے اسے گزارا گیا تھا۔

لیکن......

نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

پندرہ روز کی مسلسل تفتیش کے بعد وہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ شام کمار کے پاس اتنی ہی معلومات تھیں جو اس نے مار کھائے بغیر مہیا کی تھیں۔

لندن کا ایک ٹیلی فون نمبر ضرور تھا جو اس سے حاصل ہوا تھا لیکن وہ بھی تفتیش کے دسویں دن اور اس بات کے امکانات اب باقی نہیں رہے تھے کہ اس فون نمبر پر متعلقہ ''رابطہ'' موجود رہا ہو۔

بہرحال ان کے پاس کام کی صرف یہی اطلاع تھی۔

O

یہ پاکستان انٹیلی جنس کی صلاحیتوں کا امتحان تھا کہ وہ ایک غیر ملکی فون کا سہارا لے کر کس طرح دشمن کی شہ رگ تک پہنچتی ہے۔

اگلے ہی روز ''آئی ایس آئی'' کے دو مایہ ناز آفیسر اس خصوصی مشن پر لندن کی طرف محو پرواز تھے۔

ان کے دلوں میں ایک ہی عزم تھا۔

دشمن کے خوفناک منصوبوں کو جان لینے کا عزم.....

دشمن کو اس کے گھناؤنے منصوبوں سمیت نیست ونابود کر دینے کا عزم۔

اور......

یہ اعتماد کہ وہ دشمن سے بہت کم وسائل رکھنے کے باوجود اپنے زور بازو اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی معاونت اور مدد کے سہارے دشمن کو کسی بھی میدان اور محاذ پر شکست فاش دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

''خدا تمہارا حامی وناصر ہو...... اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ دشمن بڑے گھناؤنے منصوبے کے ساتھ میدان میں اترا ہے..... تمہارے چاروں طرف دشمن کے مددگار ہوں گے۔ تمہاری مدد صرف اللہ تعالیٰ کریں گے یا پھر تمہارا مصمم ارادہ۔''

دم رخصت پاکستان انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر نے انہیں ہدایت اور دعا دی۔

رات کے اندھیرے میں جب ان کا جہاز فضاؤں کا سینہ چیرتا لندن کی طرف محو پرواز تھا تو انٹیلی جنس ڈائریکٹر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑگڑاتا ہوا ان کے مشن کی کامیابی کے لئے دعا گو تھا......!

''را'' میں موجود ان کے خصوصی ذرائع نے اطلاع دی تھی کہ یہ بھارت اور اسرائیل کا

مشترکہ منصوبہ ہے۔ دشمن کا نشانہ پاکستان کا پرامن ایٹمی پروگرام تھا۔

یہ ایٹمی پروگرام جو دشمن کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا' پاکستان ہی کی نہیں عالم اسلام کی امید تھا۔

ساری دنیا کے مسلمان اس کی کامیابی کے لئے خدا سے رو رو کر التجائیں کیا کرتے تھے۔

اس دور میں کہ جب عالم اسلام ہزیمت سے دوچار ہے ایک یہی مملکت خداداد تھی جس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کی امیدیں وابستہ تھیں۔

O

اسلام آباد سے روانہ ہونے والی برٹش ایئرویز کی یہ پرواز مانچسٹر سے ہوتی ہوئی "گٹ وگ" لندن ایئرپورٹ پر پہنچی تو دوپہر کے دو بج رہے تھے......!!

دونوں یہاں سیاحت کے ویزے پر آئے تھے اور ان کا "دوست" پہلے ہی سے ان کی آمد کا منتظر تھا۔ اس نے خان اور بھٹی دونوں کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور انہیں لندن میں اپنی رہائش گاہ پر لے آیا۔

"دوست" کا قیام لندن کے معروف علاقے اور ایشیائی باشندوں کے گڑھ "ساؤتھ ہال" میں تھا اور یہیں سے انہیں مدد بھی میسر آ سکتی تھی۔

انہوں نے اس رات شام کمار سے ملنے والے فون نمبر کے متعلق کمپنی کے کمپیوٹر ریکارڈ تک اپنے ذرائع سے رسائی حاصل کر کے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ نمبر برمنگھم کا ہے..... جو حال ہی میں گزشتہ تین مہینوں میں اپنے چوتھے مالک کو منتقل کیا گیا ہے.....

"ہمیں فوری طور پر ان چاروں مالکان کے ایڈریس چاہئیں۔ جن کے پاس گزشتہ چھ ماہ میں یہ فون نمبر رہا ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ ہمارا کام قدرے آسان ہو جائے گا۔"

خان نے مقامی دوست سے کہا۔

"کل صبح یہ کام ہو چکا ہوگا....." پراعتماد لہجے میں جواب ملا۔

ساری رات دونوں کروٹیں بدلتے رہے۔

لندن میں وہ پہلی مرتبہ نہیں آئے تھے۔

خان نے تو اپنی تعلیم ہی یہاں مکمل کی تھی۔ وہ اس علاقے کے چپے چپے سے آج بھی آشنائی رکھتا تھا۔

ساری رات دونوں حالات کی سنگینی پر غور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی مدد کی دعائیں مانگتے رہے۔ صبح جب وہ نماز پڑھ کر تھوڑی دیر کے لئے لیٹے تو ان کا "مقامی دوست" اس پیغام کے ساتھ وہاں سے جا چکا تھا کہ اب اس کی واپسی چاروں ایڈریس کے ساتھ ہی ہوگی......!

"انشاء اللہ"......دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

انہوں نے اپنے لئے ناشتہ خود ہی تیار کیا تھا۔

ناشتہ مکمل کرنے کے بعد وہ بی بی سی کا خبرنامہ دیکھ رہے تھے تب اطلاعی گھنٹی ہوئی۔ بھٹی نے دروازہ کھولا تو "مقامی دوست" تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ "وکٹری" کا نشان بنائے ان کے سامنے موجود تھا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک مڑا ہوا کاغذ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

"ویل ڈن"...... بھٹی نے کاغذ کا پرزہ چوم لیا۔

اس پرزے پر برمنگھم کے چار مختلف ایڈریس لکھے تھے جن کو گزشتہ چھ ماہ کے دوران یہ نمبر الاٹ ہوتا رہا تھا۔

چاروں ایڈریس مسلمان باشندوں کے تھے۔

ان میں ایک بھارتی نژاد اور تین پاکستانی نژاد دوہری شہریت کے حامل تھے۔ یہ لوگ لمبے عرصے سے یہاں مقیم تھے۔

آٹھ دن تک بھٹی اور خان ان چاروں سابقہ فون مالکان کی تفصیلات جمع کرتے۔ یہ تفصیلات روزانہ شام کو ایک مخصوص وقت پر پاکستان میں "فیکس" کر دی جاتیں اور یہ سلسلہ جاری رہا۔

آٹھ دن کے بعد محب وطن پاکستانیوں کے تعاون سے جنہوں نے ملک کی خدمت کے لئے دن رات ایک کر دیا تھا بالآخر گوہر مقصود ان کے ہاتھ لگ گیا۔

ایک ہی وقت میں جب وہ لندن میں اپنے کام میں مصروف تھے' پاکستان میں انٹیلی جنس کے پندرہ بہترین دماغ اور ان کے جانثار معاونین کی مختلف ٹیمیں سرگرم عمل رہیں۔ جس کے

بعد ہی وہ لوگ کسی نتیجے پر پہنچے تھے۔

دسویں دن دونوں قابل آفیسر کامیابی کے مژدہ کے ساتھ اپنے وطن کی طرف گامزن تھے۔ یہ کامیابی ان کی توقعات سے بڑھ کر تھی۔ یہ فتح تھی اس عزم کی جس پر وہ صدق دل سے کاربند تھے۔

دس دن تک ملک اور بیرون ملک اپنی بہترین توانائیاں بروئے کار لانے کے بعد ''آئی ایس آئی'' نے بالآخر ایک ایسا مشتبہ نام تلاش کرلیا تھا جس کی مدد سے وہ دشمن تک پہنچ سکتے تھے۔

یہ نام تھا......امداد بھائی۔

امداد بھائی کا تعلق ایک لسانی جماعت سے تھا۔ یہ جماعت زبان اور صوبے کی بنیاد پر انتہاپسندی کو عروج دے رہی تھی اور نوجوانوں کو غلط خواب دکھا کر انہیں ورغلا کر اپنے ساتھ شامل کرنے کے بعد ان کی اس طرح برین واشنگ کی جاتی تھی کہ وہ لاشعوری طور پر ملک دشمن بنتے چلے جارہے تھے۔

امداد بھائی کے پاس دوہری شہریت تھی۔ وہ زیادہ وقت پاکستان میں گزارتے تھے لیکن لندن میں بھی وہ خاصی حمول شخصیت شمار ہوتے تھے۔ پاکستان میں قائم ہونے والی اس لسانی جماعت کی بنیاد بھی ان کے گھر میں ڈالی گئی تھی گو کہ امداد بھائی نے اس لسانی جماعت میں کوئی عہدہ قبول نہیں کیا تھا۔

لیکن......!

اس ملک کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ دراصل اس جماعت کے کرتا دھرتا وہی ہیں یا کم از کم ان کا شمار اس جماعت کے انتہائی اہم لوگوں میں ہوتا تھا۔ شہر کے سفارتی 'سیاسی اور معاشرتی حلقوں میں انہیں ہمیشہ سے خاص مقام حاصل رہا ہے۔

پاکستان انٹیلی جنس کے کاؤنٹر سیل نے جلد ہی اس بات کا پتہ چلالیا کہ امداد بھائی کے ہاں گزشتہ دس بارہ دنوں سے زیب نامی ایک لڑکی قیام پذیر ہے جو اپنا تعلق امریکہ سے جوڑتی ہے۔

پاکستان میں قانونی طریقے سے داخل ہونے والوں کے ایک مہینے کے ریکارڈ کا

مسلسل جائزہ لینے کے بعد انٹیلی جنس کی مشترکہ ٹیم جس میں ملک کے بہترین دماغ شامل تھے اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس نام کی کوئی خاتون قانوناً کم از کم گزشتہ ایک ماہ میں تو پاکستانی سرحد میں داخل نہیں ہوئی۔ پانچ چھ روز تک زیب اور امداد بھائی کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنے کے بعد وہ لوگ ایک فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

O

انسپکٹر نصیب کے لئے یہ تعاقب چیلنج بن چکا تھا۔

زیب کی گاڑی نے اس مرتبہ شہر کی جس آبادی کی طرف موڑ کاٹا تھا وہ اس ماڈرن شہر کا سب سے حساس کنٹونمنٹ ایریا تھا۔

سڑکوں پر ہر طرف سناٹا طاری تھا اور کار مختلف بلاکوں کے سامنے رک رک کر چل رہی تھی شاید اسے کسی خاص نمبر کی تلاش تھی۔ پھر انسپکٹر نصیب نے کار ایک جگہ رکتے دیکھ لی۔

امداد بھائی کا ڈرائیور باہر گاڑی میں بیٹھا رہ گیا اور زیب بڑی بے تکلفی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

نصیب نے ایک لمحے کے لئے موٹر سائیکل کھڑی کی پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کا انجن بند کردیا۔ اب وہ موٹر سائیکل کو اس طرح گھسیٹتا ہوا لارہا تھا جیسے اس میں کچھ نقص پیدا ہوگیا ہو۔

عین اس کوٹھی کے سامنے جس سے زیب اندر داخل ہوئی تھی وہ رک گیا۔ ڈرائیور کار کا شیشہ کھولے ٹانگیں پسار رہا تھا۔

''بھائی صاحب آپ کے پاس تین نمبر کی چابی ہوگی۔ معاف کیجئے میں اپنی ٹول کٹ گھر بھول آیا ہوں اور مجھے پلگ کھول کر صاف کرنا ہے۔'' اس نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

''ابے جا بے۔ راستہ ناپ اپنا۔ میں نے کیا ورکشاپ کھول رکھی ہے......'' ڈرائیور خاصا اکھڑ نظر آتا تھا۔

نصیب نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر موٹر سائیکل آگے بڑھالی۔ اس دوران اس کی محتاط آنکھوں نے کوٹھی کا نمبر اور اس کے باہر لگی نیم پلیٹ پر لکھا نام بھی پڑھ لیا تھا۔

چند ثانیے تو اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہوگئی۔

یہ کوئی عام سے فوجی آفیسر کا نام نہیں تھا۔

انٹیلی جنس کے ایک اہم ذمہ دار کا نام تھا۔

کرنل آفتاب حال ہی میں ریٹائر ہوئے تھے۔ انہیں بڑی اہم ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ وہ ایٹمی پلانٹ کی سکیورٹی پر معمور تھے اور یہ ذمہ داری بہت سوچ بچار کے بعد ہی کسی آفیسر کے سپرد کی جاتی تھی۔ اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد وہ تین چار ماہ پہلے ہی ریٹائر ہوئے تھے۔

"خدا کی پناہ!...... یہ لوگ کہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔" انسپکٹر نصیب نے دل ہی دل میں کہا۔

دو بلاک مزید چلنے کے بعد اس نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور اب وہ تیز رفتاری سے اس علاقے کی واحد مارکیٹ کی طرف جا رہا تھا جہاں سے فون کر کے اسے تازہ ہدایات حاصل کرنا تھیں۔

"ویل ڈن...... نگرانی پر جمے رہو۔ انسپکٹر شفیع تمہاری جگہ سنبھالنے آ رہا ہے۔ پھر تم وہاں سے ہٹ جانا۔"

ہدایت موصول ہوتے ہی اس نے موٹر سائیکل سنبھالی۔ اب وہ ایک دوسرے راستے سے کوٹھی کے دائیں طرف آ گیا تھا۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ کوئی خاص نقل و حرکت وہاں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

O

پندرہ بیس منٹ بعد انسپکٹر شفیع نے اس کی جگہ سنبھال لی۔ شاید معاملے کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اس کے آفیسروں نے نگرانی سخت کر دی تھی' کیونکہ انسپکٹر نصیب نے وہاں آفس کی تین چار گاڑیوں کو شفیع کے تعاقب میں آتے دیکھا تھا۔ شاید وہ لوگ زیب کی گاڑی پہچان رہے تھے۔

انسپکٹر نصیب وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

زیب دو گھنٹے گزرنے کے بعد باہر آئی تھی۔ اسے دروازے تک چھوڑنے کے لئے کرنل آفتاب خود اس کے ساتھ آئے تھے۔

جیسے ہی زیب کی گاڑی چلی۔ انٹیلی جنس کے مستعد اہلکار اس سے اس طرح چپک گئے

کہ اب ان کی نظروں میں دھول جھونکنا شاید زیب کے ڈرائیور کے لئے ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

کرنل آفتاب کے گرد انٹیلی جنس کا گھیرا الگ سے باندھ دیا گیا تھا۔

یہ بات خاص طور سے نوٹ کی گئی تھی کہ زیب نے اس دوران عموماً ان لوگوں سے ہی ملاقاتیں کیں جن کا ماضی یا حال میں تعلق پاکستان کی ایٹمی پالیسی سے رہا ہے۔

زیب ان لوگوں سے ملاقات کرتی اور اگلے روز وہ امداد بھائی کی سوشل تقاریب میں آنا جانا شروع کر دیتے۔

امداد بھائی کے ہاں عموماً ہر شام کوئی نہ کوئی محفل احباب کی جمی رہتی یا پھر وہ کہیں نہ کہیں رونق محفل ہوتے تھے۔ آج کل ان تمام محافل کی جان ان کی بھانجی زیب بنی ہوئی تھی۔ اب تو وہ بجا طور پر شہر کی "جان محفل" کہلانے لگی تھی۔

O

زیب فائیو سٹار ہوٹل کے ڈائننگ روم میں داخل ہو رہی تھی جب اس دروازے سے برآمد ہونے والا ایک نوجوان اچانک اس سے ٹکرا گیا۔

"معاف کیجئے......" نوجوان نے جھک کر اسے سہارا دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"کوئی بات نہیں......" زیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ٹکراؤ اتنا زوردار تھا کہ وہ گر پڑی تھی۔

"سر!"

زیب نے اچانک ایک میجر کو دیکھا جس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی شاید وہ کسی کام سے ادھر آیا تھا اور اچانک اپنے "صاحب" کو دیکھ کر اس نے سلام کر دیا تھا۔

"کدھر بھئی......" نوجوان نے میجر کی طرف دیکھا۔

"سر! ایک گیسٹ سے ملنے آیا تھا۔"

"رائٹ......"

اور میجر چلا گیا......!

"میں معذرت خواہ ہوں خاتون کہ آپ کو زحمت اٹھانا پڑی۔" اس نے دوبارہ زیب سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جی نہیں کوئی بات نہیں۔''

نوجوان نے اس کے لہجے سے محسوس کر لیا تھا کہ پرندہ جال میں پھنس رہا ہے۔

''میرا نام کرنل عارف ہے''......اس نے بے تکلفی سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''زیب''......خاتون نے اس کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا۔

''آیئے ایک کپ چائے ہو جائے۔اس طرح مجھے کم از کم اطمینان رہے گا کہ آپ نے برا نہیں منایا۔''

''اوہ کیوں نہیں!'' زیب شاید اس موقع کی منتظر تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہال کے ایک کونے والی میز پر موجود تھے۔زیب نے اسے بتایا تھا کہ وہ حال ہی میں اس شہر میں آئی ہے اور کبھی کبھی یہاں کافی پینے چلی آتی ہے۔

''میری بھی پوسٹنگ ہوئے ابھی ایک مہینہ ہوا ہے۔'' نوجوان نے اسے کہا۔

''آپ تو شاید فوجی آفیسر ہیں آپ کے لئے تو یہ کوئی اہم بات نہیں۔اکثر آپ کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔'' زیب نے بات بڑھائی۔

''زیب صاحبہ! میرے لئے یہ کوئی ایسی جاب نہیں کہ جس پر خوش ہوا جا سکے۔کہاں انٹیلی جنس اور کہاں یہ ایٹمی پلانٹ کی نگرانی۔آپ جانیں اب تنخواہوں میں زندگی کی گاڑی تو چلنے سے رہی۔''

اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ زیب انٹیلی جنس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکی ہے۔مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں جانا۔

آدھا گھنٹہ اکٹھے گزارنے کے بعد عارف زیب کو یقین دلا چکا تھا کہ وہ دولت کا پجاری ہے اور اس کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہے۔اس کے نزدیک وطن پرستی وغیرہ جدید دور میں فضول چیزیں ہیں اور اس مادہ پرست دنیا میں اگر کوئی چیز انسان کو ممتاز کر سکتی ہے تو وہ صرف دولت ہے۔اس نے زیب کو یہ بھی باور کروا دیا تھا کہ وہ اس میں زیادہ دلچسپی اس لئے لے رہا ہے کہ وہ خوبصورت ہے اور جب بھی اسے کوئی اچھا چانس مل گیا وہ اس ملک ہی سے بھاگ جائے گا۔

زیب نے اسے بتایا تھا کہ وہ امریکہ کی رہنے والی ہے اور ایک ریسرچ سکالر ہونے

کے ناطے پاکستان آئی ہے۔اسے نے ''امداد بھائی'' کا غائبانہ تعارف عارف سے کرواتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ وہ امداد کی بھانجی ہے۔اس نے کرنل عارف کو امداد بھائی کے ہاں آنے کی دعوت دی تھی جو کرنل عارف نے بڑی اپنائیت سے قبول کر لی۔

زیب کی زندگی کا شاید سب سے شاندار دن تھا جب کوئی کام کا بندہ اس کے ہاتھ لگا تھا۔اس نے اگلے ہی روز کرنل عارف کو امداد بھائی کے ہاں ایک پارٹی پر مدعو کیا تھا۔

اس ملاقات کے قریباً تین چار گھنٹے بعد ہی ایٹمی پلانٹ کی سکیورٹی پر نگران انٹیلی جنس نے سونگھ لیا تھا کہ امداد بھائی نے اپنے ایک ''دوست'' کے ذریعے آج کل ایٹمی پلانٹ کے سکیورٹی چیف کا نام جاننے کی کوشش کی تھی۔

امداد بھائی کا یہ ''دوست'' پاکستان انٹیلی جنس کا ''اہم عہدیدار'' بھی تھا جس نے فوراً ہی ''ذمہ داران''......امداد بھائی کی اس تشویش سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ اس نے ''طے شدہ پلان'' کے مطابق سکیورٹی چیف کا نام کرنل عارف بتایا ہے اور ان تک یہ اطلاع بھی پہنچا دی ہے کہ کرنل عارف ٹھیک ٹھاک کھانے پینے والا آدمی ہے اور حال ہی میں غیر ممالک میں اپنی تربیت مکمل کر کے آیا ہے۔

امداد بھائی خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔

انہیں جو کچھ بتایا گیا تھا کرنل عارف وہی نکلا تھا۔

اب انہیں اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے صاف میدان مل گیا تھا۔

ایک ایسا راشی آفیسر جو ان کی مرضی کے عین مطابق تھا اور اس حساس علاقے میں پہرے داری کا انچارج جہاں انہیں داخل ہونا تھا۔

اسی روز کرنل عارف کے اعزاز میں خصوصی محفل سجائی گئی تھی جس میں زیب نے اپنی بھرپور نمائش کا مکمل اہتمام کر رکھا تھا۔

کرنل عارف زیب پر مر مٹا تھا......!

اس نے یوں ظاہر کیا تھا جیسے اسے صدیوں سے صرف زیب ہی کا انتظار تھا اور اب جیسے اس کی تلاش مکمل ہو گئی تھی۔زیب نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت نوجوان اور دل پھینک کرنل نہیں دیکھا تھا۔شاید اس کی خصوصی قابلیت کی وجہ سے اسے جلدی ترقی دی گئی تھی۔

اس نے کرنل عارف کے ساتھ خاصا وقت تنہائی میں گزار کر اس بات کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ خاصا سمجھدار آدمی ہے اور اس صورت حال سے قطعاً خوش نظر نہیں آتا۔

تین چار روز کی مسلسل اور "بھرپور" ملاقاتوں کے بعد زیب نے ایک روز جب اسے ڈیفنس سے متعلق مسائل پر چھیڑا تو اس کی توقع کے عین مطابق کرنل عارف بے تکان بولتا چلا گیا۔ اس نے زیب سے کہا تھا کہ اسے تو یہ سارا ڈھانچہ ہی سرے سے غلط نظر آتا ہے کیونکہ وہ فوج کے بجائے عوام کی حاکمیت کا قائل تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں بھارت کی بے شمار مثالیں دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہاں کا نظام یہاں سے بہت اچھا ہے اور پاکستان اور بھارت کو اچھے ہمسایوں کی طرح مل جل کر رہنا چاہئے۔

اس کا کہنا تھا کہ دونوں ممالک جتنی رقم ڈیفنس کے اخراجات پر خرچ کرتے تھے اس سے دونوں ممالک کے عوام کی قسمت بدلی جاسکتی تھی۔

"مسٹر عارف آپ تو مجھے کسی اور ہی دنیا کے انسان لگتے ہیں۔ کم از کم آپ اس سوسائٹی میں تو بالکل مس فٹ ہیں۔ آپ کو تو امریکہ میں ہونا چاہئے تھا۔"

زیب نے جو اس کے ساتھ ہی صوفے پر چپک کر بیٹھی تھی اپنا سا وزن یہ بات کہتے ہوئے اس طرح کرنل عارف پر ڈالا تھا کہ اس کو اپنے بدن میں سب کچھ بدلتا محسوس ہوا۔

"مس زیب ہمیں کون ملوائے امریکنوں سے....." کرنل عارف نے بائیں آنکھ دبائی۔

"میں ملوا دوں"..... زیب نے بظاہر مذاق کے انداز سے کہا۔

"ارے کیوں نہیں۔ ضرور۔ ضرور۔" کرنل عارف سیریس تھا۔

زیب نے محسوس کر لیا کہ واقعی تیر نشانے پر لگا ہے..... فی الوقت اس نے اسی موضوع پر بات کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اسے اگلے روز شام کو ملاقات کرنے کو کہا۔

"او۔ کے۔ مجھے امید ہے ہماری ملاقات بہتر حالات میں ہوگی....." کرنل عارف نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر گرمجوشی سے دباتے ہوئے کہا۔

O

اگلے روز جب وہ زیب سے ملا تو زیب نے محسوس کیا جیسے وہ امریکہ سے ہاتھ ملانے

کے لئے باؤلا ہو جاتا ہے۔

"میں ساری زندگی آپ کا احسان نہیں بھولوں گا۔" کرنل عارف نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ٹھیک ہے۔ آج شام آپ ماموں کے ہاں کھانا کھائیے گا۔"

اور.....

اسی شام ماموں اور بھانجی اس کو گھیر کر بیٹھے تھے۔

کرنل عارف اس طرح پوز کر رہا تھا جیسے وہ کوئی دودھ پیتا بچہ ہے اور عقل سے پیدل گدھا۔ اس نے زیب کو اپنے خاندان کی کہانی پہلے سے سنا رکھی تھی اور یہ باور کروا دیا تھا کہ وہ چونکہ ایک جنرل کا بیٹا ہے اس کی قابلیت کا یہی معیار کافی ہے' اس لئے وہ اس عہدے تک اتنی جلدی پہنچ گیا ہے۔

"مسٹر عارف! اس ملک کو ڈوبنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اگر آپ واقعی سیریس ہیں تو میں آپ کی 'ڈیل' کروا سکتا ہوں..... 50 لاکھ روپے..... دنیا کی جس کرنسی میں یا جس ملک میں آپ چاہیں آپ کو مل جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ میں محفوظ پناہ گاہ۔"

امداد بھائی نے بالآخر اس کے دل کی بات کہہ دی۔

"م مجھے کیا کرنا ہوگا....." عارف کی رال ٹپکنے لگی تھی۔

"کچھ بھی نہیں..... بالکل معمولی سا کام۔ تمہیں صرف سکیورٹی پلان بتانا ہوگا۔ ایٹمی مرکز کا سکیورٹی پلان۔ تمہیں اس راستے کی نشاندہی کرنی ہوگی جس سے گزر کر آسانی سے اندر پہنچا جا سکے۔"

امداد بھائی کی آنکھوں کا رنگ بدل رہا تھا۔

"میں تیار ہوں"..... کرنل عارف نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کے زانو پر رکھا لیکن آدھا ایڈوانس۔"

"اور باقی کام مکمل ہونے کے بعد"..... اس کی بات کاٹ کر امداد بھائی نے کہا۔

"کام کیا ہوگا؟....." کرنل عارف نے بے چینی سے پوچھا۔

"تمہیں کام سے نہیں دام سے مطلب رکھنا ہے۔ ہم تمہارے سکیورٹی پلان کی تصدیق

تو اپنے ذرائع سے کریں گے۔ اس کے بعد ہی......" امداد بھائی بات ادھوری چھوڑ کر مونچھوں کو بل دیتے ہوئے مسکرانے لگا۔

"میں تیار ہوں لیکن ہاف ایڈوانس کی شرط اپنی جگہ......" کرنل عارف نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

"دس لاکھ ایڈوانس باقی پلان ملنے پر اور آخری قسط پلان کی تصدیق کے بعد"...... امداد بھائی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

تھوڑی ہی ردوقدح کے بعد ہی کرنل عارف نے ہاں کہہ دی۔

O

امداد بھائی نے اس کے سامنے تین مختلف بینکوں کے چیک کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔

"لیکن اس طرح تو......" کرنل عارف نے کچھ کہنا چاہا۔

"ہاں اس طرح ہمارے پاس رقم وصول کرنے کا ثبوت ہوگا لیکن مسٹر عارف یہ ضروری ہے۔ اتنی بڑی رقم دیتے ہوئے ہمارے پاس کچھ تو اپنے بڑوں کو یقین دلانے کے لئے ہونا چاہئے ......اور اس طرح تمہیں بھی احساس ہوتا رہے گا کہ تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا۔ کیونکہ دھوکا دینے کی صورت میں یہ چیک تمہارے گلے کا پھندا بن جائیں گے۔"

امداد بھائی نے مکاری سے مسکراتے ہوئے چیک اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"بہت ہوشیار لوگ ہیں آپ"...... عارف نے زبردستی مسکراتے ہوئے چیک اپنی جیب میں ڈال لئے۔

"کام ہی ایسا ہے۔ اس میں ہوشیار تو رہنا پڑتا ہے ورنہ......" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر قہقہہ لگایا۔

"ٹھیک ہے۔ کل دوپہر کے بعد ہوٹل میں ملاقات ہوگی۔ اس درمیان مجھے بھی تصدیق ہو جائے گی چیکوں کے اصلی یا نقلی ہونے کی......" کرنل عارف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

زیب اس کو دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ جہاں اس نے عارف سے اچھا بھلا معانقہ کرنے کے بعد ہی اسے رخصت کیا تھا۔

O

امداد بھائی کو صبح گیارہ بجے تک علم ہو گیا تا کہ تینوں چیک کیش کروا لئے گئے ہیں جس کا مطلب یہی تھا کہ مرغا پھنس چکا ہے اب وہ اس "ڈیل" سے پھر نہیں سکتا۔

دوپہر کو اس نے شہر کے ایک فورسٹار ہوٹل میں کسی جعلی نام سے بک کروائے گئے کمرے میں کرنل عارف سے ملاقات کرنی تھی۔

کرنل اس کا منتظر تھا......!

امداد بھائی کے ساتھ دو اور آدمی تھے جنہیں کرنل عارف نے آج سے پہلے اس کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اندازہ لگالیا کہ یہ لوگ بڑے منجھے ہوئے فوجی ہیں اور ان کا تاثر بھی ناقابل چیلنج ہے...... انہوں نے کرنل عارف سے آدھا گھنٹہ تک مسلسل اس کی مہیا کردہ سکیورٹی پلان پر سوال جواب کئے تھے۔ اب انہیں بھی یقین ہونے لگا تھا کہ کرنل عارف نے ایٹمی پلانٹ میں داخل ہونے کا جو راستہ بتایا تھا وہی واحد اور محفوظ راستہ تھا جو پاکستانی فوج سے محفوظ تھا۔

"آپ کل سے دس پندرہ روز کی چھٹی لے لیں......" ان میں سے ایک نے مشورہ دیا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں"...... کرنل عارف نے کہا...... "لیکن باقی رقم مجھے کتنے دن بعد ملے گی...... خیال رہے یہ رقم میں اسی ملک میں اور غیر ملکی کرنسی میں لوں گا۔"

"کرنل ہم اب پکے دوست بن گئے ہیں۔ ہمارے کھیل میں دھوکے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں کوئی کسی سے دھوکا نہیں کر سکتا۔ تمہیں دس دن کے اندر اندر باقی رقم مل جائے گی۔ یہ آج سے تیسرا دن بھی ہو سکتا ہے اور آج سے دسواں دن بھی......" امداد بھائی نے کہا۔

"ٹھیک ہے......لیکن خیال رہے کہ......"

"مطمئن رہو......" ان میں سے ایک نووارد نے کرنل عارف کا تیار کردہ سکیورٹی پلان اپنے بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔

تینوں تھوڑی دیر بعد کمرے سے نکل گئے۔

وہ بڑے ہوشیار لوگ تھے...... "را" کے انتہائی چالاک اور بہترین ایجنٹ لیکن نہیں جانتے تھے کہ پاکستان انٹیلی جنس کے لوگ سائے کی طرح ان کے تعاقب میں ہیں۔ یہ لوگ مستقل نگرانی میں آ چکے تھے۔

اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اب وہ بچ کر جا سکیں......!!

ان کے مہمانوں اور میزبانوں' حرکات و سکنات' نقل و حرکت ہر چیز پر انٹیلی جنس کی کڑی نظریں لگی تھیں۔

O

کرنل عارف نے اگلے ہی روز ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ کے ساتھ دس روز کی چھٹی لے لی تھی۔

پاکستان کے ایٹمی پلانٹ کو ایس ایس جی کے جانبازوں نے گھیرے میں لے رکھا تھا ......اس طرف آنے والے راستوں سے ہوا کا گزر بھی مشکل تھا۔

لیکن......

اس اندھیری رات پلانٹ سے قریباً دس میل دور شام ڈھلے ایک ویگن آ کر رکی۔ جس سے پانچ سائے برآمد ہوئے اور ویگن آگے بڑھ گئی۔ یہ لوگ کرنل عارف کے بتائے ہوئے خفیہ راستے پر سفر کرنے لگے۔

وہ بڑے چوکنے اور مستعد تھے...... معمولی آہٹ پر ان کے جسموں میں بجلی سی دوڑ جاتی تھی اور ان کے ہاتھوں میں تھامے تباہ کن ہتھیار جو انہوں نے مقامی دیہاتیوں کی طرح اوڑھی ہوئی بڑی بڑی چادروں میں چھپا رکھے تھے' پر ان کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو جاتی تھی۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا جب ان کا پلانٹ سے فاصلہ بمشکل ایک میل رہ گیا تھا کہ اچانک ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔

ان پر چاروں طرف سے سرچ لائٹس پڑنے لگی تھیں اور سینکڑوں پاکستانی کمانڈوز جو جھاڑیوں' درختوں' پتھریلی چٹانوں کا حصہ بنے بیٹھے تھے ان پر آٹو میٹک رائفلیں تانے کھڑے تھے۔

اس سے پہلے کہ انہیں صورت حال کی مکمل سمجھ آئے اچانک ہی کچھ کمانڈوز چیتوں کی طرح ان پر لپکے اور انہیں بے بس کر کے زمین پر ڈال دیا۔

''ٹریپ......'' ''را'' کے ایک ایجنٹ کے منہ سے بمشکل نکل پایا تھا۔

وہ بری طرح پھنس گئے تھے......!!

ان کے ہاتھ پیچھے باندھے جا رہے تھے اور آنکھوں پر پٹیاں باندھی جا رہی تھیں...... تھوڑی دیر بعد انہیں ایک فوجی ٹرک میں نامعلوم منزل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

ایک گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد جب انہیں ایک کمرے میں لے جا کر ان کی آنکھوں سے پٹی اتاری گئی اور ان کی آنکھیں کسی قدر دیکھنے کے قابل ہوئیں تو کرنل عارف ان کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔

''ویل کم ٹو کہوٹہ......'' کرنل عارف کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔

O

امداد بھائی کے ہاں معمول کی پارٹی چل رہی تھی جب ان کے دولت خانے پر حملہ ہوا......!!

سفید پوشوں کی فوج ہی اندر گھس آئی تھی۔ انہوں نے اس تقریب سے زیب اور امداد بھائی کے علاوہ دو لڑکیوں اور سات دیگر افراد کو گرفتار کیا...... انہیں اپنی جیپوں میں پھینکا اور برق رفتاری سے اس سمت کو چل دیئے' جدھر سے آئے تھے۔

اگلے روز اخبارات کی چیختی چلاتی سرخیاں پاکستان کے خواب غفلت میں سوئے حکمرانوں اور عوام کو گزری رات کی قیامت کا احوال سنا رہی تھیں۔

پاکستانی عوام کو علم ہوا کہ بھارتی انٹیلی جنس' 'را' اور ''موساد'' نے مل کر ایٹمی پلانٹ کی تباہی کا منصوبہ تیار کیا تھا جسے ''آئی ایس آئی'' نے دشمن کے ناپاک ارادوں سمیت خاک میں ملا دیا۔

خبر میں بتایا گیا تھا کہ دشمن پاکستان ایجنسیوں کو ایک لسانی جماعت کے سرکردہ راہنما کی پشت پناہی بھی حاصل تھی جو بظاہر حب الوطنی کا لبادہ اوڑھے دراصل پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا۔

اگلے روز ساری دنیا کے سفارتی حلقوں میں اس واقعے کی گونج سنائی دے رہی تھی اور بزعم خویش پاکستان کو انڈر اسٹیمیٹ کرنے والے مغربی پریس کو یقین ہونے لگا تھا کہ پاکستان کے پرامن ایٹمی پلانٹ کی نگرانی پر معمور آہنی ہاتھوں کی گرفت کبھی نہیں ٹوٹ سکتی...... کبھی نہیں......!!

ترپ چال

کہوٹہ ایک مرتبہ پھر دشمن کے سینے پر مونگ دل رہا تھا......!

''موساد'' اور ''را'' کے لئے یہ چوٹ تلملا دینے والی تھی۔ ان کے ناپاک عزائم پر پانی پھر گیا تھا۔

''را'' کے لئے اس مرتبہ ''موساد'' کا ردعمل چونکا دینے والا تھا۔ عموماً ایسے مواقع پر بریگیڈیئر شمیر غصے سے پاگل ہو جایا کرتا تھا۔

لیکن......

اس مرتبہ اس نے کسی شدید ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس نے ''را'' میں اپنے ہم منصب سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اپنے حوصلے قائم رکھیں اور کام جاری رہنا چاہئے۔ اس نے امریش پوری کے بہترین ایجنٹوں کی گرفتاری پر اس سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ ''آئی ایس آئی'' کے اس زوردار تھپڑ کا جواب وقت آنے پر ضرور دے گا۔

امریش پوری کے لئے ''موساد'' کے سربراہ کا یہ رویہ بڑا چکرا دینے والا تھا۔

وہ اپنی دانست میں شاید یہی سمجھ رہا تھا کہ ''موساد'' چونکہ ان کی مدد کے بغیر کہوٹہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی اور یہی ضرورت شمیر کی مجبوری ہے۔

لیکن......

چانکیہ کے چیلوں کو یہ سمجھ نہ آ سکی کہ ان کے مقابلے میں ان کے گورو آ گئے ہیں۔

''موساد'' کے سربراہ کو اچانک ہی دوسرے محاذ پر بڑی کامیابی کی اُمید ہو چلی تھی۔

عراق کی مسلسل بڑھتی ہوئی طاقت اور اسرائیل کے خلاف اس کے عزائم نے بریگیڈیئر شمیر کی توجہ

اس طرف بڑھا دی تھی۔

عراق اور بھارت کے قریبی تعلقات کے حوالے سے شمیر نے ایک منصوبہ ترتیب دے دیا تھا۔

ابو احمد کی کوششوں سے مخصوص ضرورت کی کچھ اشیاء عراق پہنچنے کے بعد سے ''موساد'' کی اطلاع کے مطابق اب عراق اس پوزیشن میں آ گیا تھا کہ نہ صرف وہ اسرائیل کے کسی بھی حملے کا منہ توڑ جواب دے سکے بلکہ اب انہیں عراق کی طرف سے کسی اچانک جارحیت کا خطرہ بھی درپیش تھا۔

''موساد'' کے سازشی دماغوں نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

وہ لوگ عراق کی آڑ میں عالم اسلام کی ساری طاقت کا شیرازہ بکھیر دینے کا گھناؤنا منصوبہ تیار کر چکے تھے۔

انہوں نے مسلمان دنیا کو بڑے پیمانے پر آپس میں لڑا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بریگیڈیئر شمیر نے خود عراق کے ساتھ جنگ میں الجھنے کی بجائے عراق کو امریکہ کے ساتھ ٹکرا دینے کا گھناؤنا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

وہ جانتا برطانوی حکومت خصوصاً عراق سے نفرت کرنے لگی ہے۔

حال ہی میں عراق کے چھ سفارت کاروں کا برطانیہ سے اخراج اس کا بہت بڑا ثبوت تھا۔

برطانیہ کے ذریعے ''موساد'' امریکہ کو رام کر سکتی تھی۔

''را'' کے ذریعے ''موساد'' عراق کو چکر دے سکتی تھی۔

اس مرتبہ شمیر نے ''را'' کو بے خبر رکھ کر استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ''را'' کے ساتھ طویل ڈیلنگ کے بعد اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ اس نے ان لوگوں کی چالاکی ہوشیاری کے جو قصے سن رکھے ہیں وہ صرف کہانیوں کی حد تک ہی سچ ہو سکتے ہیں۔

یہودی ہندو سے کئی گنا بڑے بیوپاری تھے۔

وہ کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتے۔

''موساد'' نے بھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔

اس نے فی الوقت پاکستانی ایٹمی پروگرام کی تباہی میں "را" کا ساتھ دیا تھا۔ تو محض اس لئے کہ بھارت سے زیادہ اسرائیل اس کا خواہش مند تھا۔

اور اب......

"موساد" کا چالاک بھیڑیا۔ چانکیہ کے چیلوں کو استعمال کرنے جا رہا تھا۔

برطانوی اخبار آبزرور کا صحافی "فرزاد بازوفت" جسے عراق نے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر کے سزائے موت دے دی تھی۔ "موساد" کے لئے "ترپ چال" ثابت ہوا......!

اس مسئلے پر "موساد" نے اتنی آگ بھڑکائی کہ برطانیہ اور عراق کے درمیان سرد جنگ کی سی کیفیت پیدا کر دی۔

اب "موساد" کسی ایسے موقعے کی تلاش میں تھی جب لوہا گرم ہو اور وہ چوٹ کرے۔

یہ موقعہ بالآخر اسے مل گیا۔

O

اس روز بغداد کے بھارتی سفارت خانے میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی تھی جس میں عراق کے اعلیٰ حکام کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔

اس تقریب کی جان بھارتی سفارت خانے کی ویلفیئر آفیسر مس گیتا نجلی تھی۔

گیتا نجلی بنگال نژاد برہمن زادی تھی۔ اسے دیکھ کر بنگال کے جادو کے سر چڑھ کر بولنے کا یقین ہونے لگتا تھا۔

انگریزی اور عربی پر اسے عبور حاصل تھا۔

اپنی پہلی تعیناتی کے چند دنوں بعد عراق کے سفارتی حلقوں میں اس کی پذیرائی توقع سے بڑھ کر ہونے لگی تھی۔

اس روز بھی گیتا نجلی "جان محفل" بنی ادھر ادھر بھاگتی پھرتی تھی۔ عراق کی بغداد میں موجود قریباً سبھی اعلیٰ شخصیات یہاں موجود تھیں۔

گیتا نجلی جو سب کی دلچسپی کا مرکز تھی خود اس عراقی نوجوان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی' جس سے اس کا تعارف چند روز پہلے ہی ہوا تھا۔ گو کہ اس نوجوان نے جس کا نام فواد تھا' خود کو پولیس سروس سے متعلق بتایا تھا لیکن گیتا نجلی جانتی تھی کہ وہ انٹیلی جنس کا اعلیٰ افسر ہے۔

فواد کے لئے گیتا نجلی کے پاس وہ سب کچھ تھا جو کسی بھی اس قماش کے مرد کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ گیتا نجلی کو اس کی خصوصی تربیت بھی حاصل تھی۔

وہ "را" کا بہترین ہتھیار تھی۔

ایسے ہتھیار جنہیں "را" سنبھال کر اور احتیاط سے استعمال کرتی ہے تا کہ ان کا وار کبھی خالی نہ جا سکے۔

انٹیلی جنس کا اعلیٰ آفیسر ہونے کے ناطے فواد کو عراق کے دیگر شہریوں کے مقابلے میں بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ عام حالت میں کوئی عراقی شہری اس بات کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی غیر ملکی کے ساتھ اس طرح گل چھرے اڑاتا پھرے گا' جس طرح اگلی رات وہ گیتا نجلی کے ساتھ اڑا رہا تھا۔

بغداد کے "ہوٹل الرشید" میں اس کا خصوصی کمرہ بک رہتا تھا جہاں آج گیتا نجلی اس کی مہمان تھی۔

"تیل کے کنوؤں کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟......"

گیتا نجلی نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ کر دی۔ اب تک وہ اپنے ہاتھ سے تین جام بنا کر اس کے حلق سے نیچے اتروا چکی تھی۔

"موساد" کو علم تھا کہ عراق اور کویت کے درمیان "رملہ" میں موجود تیل کے ذخائر پر اندر ہی اندر ایک تنازعہ چل رہا ہے۔ اس کی وجہ کویت کی طرف سے ایران عراق جنگ کے دوران عراق کو دیئے جانے والے قرض کی واپسی کا تقاضا تھا۔

جب سے کویت سے عراق نے قرض واپس مانگنا شروع کیا' عراقیوں نے اس جرأت کی سزا کویت کو دینے کی ٹھان لی تھی۔

"انہیں سزا دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے...... گیتا نجلی تاریخ خود کو دہرائے گی اور ہم کویت کو دوبارہ عراق کا حصہ بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔"

فواد نشے سے ڈگمگاتے ہوئے ڈینگیں مار رہا تھا۔

"اور یہ عرب لیگ کا اجلاس......" گیتا نجلی نے جام تیار کر کے اس کی طرف بڑھایا۔

"لعنت بھیجو اس پر...... ہم کیا اہمیت دیتے ہیں ان دو کوڑی کے بادشاہوں اور شیوخ کو...... یہ ڈرامہ بھی چلتا رہے گا لیکن کویت کو بالآخر عراق کا حصہ بننا پڑے گا۔"

فواد اب واقعی "آؤٹ" ہونے لگا تھا۔

اس بات کا امکان موجود تھا کہ کسی بھی لمحے اس کی کوئی "غلط حرکت" ہوٹل انتظامیہ کو متوجہ کر دے کیونکہ اس ہوٹل پر عراقی انٹیلی جنس کی کڑی نظریں لگی تھیں۔

"او۔ کے ہنی! مجھے اب جانا ہوگا۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔ وہاں لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

اس نے فواد کے گلے میں باہیں حمائل کرتے ہوئے کہا۔

لیکن......

ابھی وہ اتنا "مدہوش" بھی نہیں ہوا تھا کہ ان قیمتی معمولات کا عوضانہ گیتا نجلی سے وصول نہ کرتا۔ جو اس نے گیتا نجلی کو فراہم کی تھیں۔

"چلی جانا جان مان......" اس نے خود کو گیتا نجلی سمیت پلنگ پر ڈھیر کرتے ہوئے کہا۔

گیتا نجلی کے لئے یہ کچھ نیا چونکا یا گھبرا دینے والا نہیں تھا۔ اس فن میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کے بعد ہی وہ اس منصب تک پہنچی تھی۔

"را" کی قاتل ایجنٹ نے فواد کو سب کچھ دیا جس کی ایک مرد خواہش کر سکتا ہے۔

رات ایک پہر ڈھلنے لگی تھی جب عراقی انٹیلی جنس کی گاڑی اسے اس کے ٹھکانے تک چھوڑ گئی تھی۔

اگلے ہی روز "را" کی طرف سے اس ملاقات کی مکمل روئیداد اور گیتا نجلی کا یہ خیال کہ عراق نے کویت پر قبضے کا فیصلہ کر لیا ہے "موساد" کو مل گئی۔

O

"آبزرور" میں چھپنے والی اس رپورٹ نے ایک مرتبہ تو ساری مغربی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

لیکن......

برطانوی اور امریکی جاسوسی ادارے اس بات کا بھی کھوج نہ لگا سکے کہ "آبزرور" کو یہ

خصوصی رپورٹ کیسے ملی ہے؟

یہ "موساد" کا کارنامہ تھا......!!

اپنے پروردہ اخبار نویسوں کے ذریعے انہوں نے عراق کی جنگی تیاریوں کے وہ وہ طومار باندھے تھے کہ مغربی ممالک کے سفارتی ایوانوں میں ہلچل مچا دی تھی۔

اس رپورٹ میں انکشاف کیا گیا تھا کہ عراقیوں نے ایسی توپیں تیار کر لی ہیں جن کے گولے براہ راست اسرائیل پر گریں گے۔

عراق کی ایٹمی قوت کے خودساختہ اندیشے جو یہودیوں نے تراشے تھے مغربی اذہان پر خوف کی طرح طاری ہو گئے۔

اس نوعیت کی رپورٹوں کی اشاعت کا سلسلہ پھر امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک کے اخبارات میں بھی شروع ہو گیا۔

امریکن سی آئی اے کے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ ان کے سیٹلائٹ وہ معلومات حاصل نہیں کر سکے جو ان اخبارات کو فراہم کی گئی تھیں۔

صدر امریکہ کی طرف سے بار بار ان رپورٹوں کی صداقت کا جائزہ لینے کے احکامات جاری ہو رہے تھے۔

لیکن......!

"موساد" کا منصوبہ کامیاب رہا تھا۔ انہوں نے بڑی چالاکی سے عراق کا ہوا کھڑا کر کے پوری مغربی دنیا کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ مستقبل میں اگر عراق کو لگام نہ دی گئی تو یہ خطرہ کسی روز ان کی سلامتی کے لئے بھی چیلنج بن جائے گا۔

اس "اخباری مہم" کے ذریعے صدر صدام حسین کو ہٹلر ثانی بنا کر پیش کیا گیا۔ اس کے عجیب عجیب سے نفسیاتی تجزیئے کرنے کے بعد یہ ثابت کر دیا گیا کہ صدر صدام حسین کے دماغ میں ساری دنیا پر حکومت کرنے کا بھوت سوار ہے اور اس کا آغاز وہ عرب کے صحراؤں سے کرے گا......!

انکشاف کیا گیا کہ ایک ایک کر کے عراق اپنے ہمسایہ عرب ممالک کو ہڑپ کر جائے گا اور اس کا آغاز کویت سے ہوگا۔

اتفاق سے ان دنوں کویت اور عراق کے درمیان "رملہ آئل فیلڈ" کا جھگڑا اچل رہا تھا اور عراق نے بجائے کویت کا قرض لوٹانے کے الٹا اسے ڈھائی بلین ڈالر جرمانہ ادا کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا اس الزام کے ساتھ کہ وہ عراق کے حصے کا تیل چوری کر کے فروخت کرتا رہا ہے۔

صدام کا جارحانہ لہجہ اسرائیل کے حق میں نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو رہا تھا......!

اس نے عراق کی توپوں کا رُخ بڑی کامیابی سے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی طرف موڑ دیا۔

بریگیڈیر شمیر کے گماشتے ساری دنیا میں متحرک ہو گئے تھے......!

عراق کے نزدیکی دوست بھارت کا سفارت خانہ "موساد" کے ایجنٹوں کا مرکز بن گیا تھا۔

بھارتی سفارت خانے میں موجود "را" کے ایجنٹ "موساد" کے زرخرید غلاموں کی طرح ایک ایک اطلاع اسرائیل پہنچا رہے تھے۔

یہودیوں نے بڑی کامیاب چال چلی تھی۔

انہوں نے اپنی دانست میں عراق کو صفحہ ہستی سے ہی مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن......!

عراق ہی کیوں؟

وہ تو اس سے بھی آگے سوچ رہے تھے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو آپس میں ٹکرا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"موساد" کے ماہر بڑی ہوشیاری سے ایک ایک مہرہ آگے بڑھا رہے تھے۔ شطرنج کی ہر چال ان کے حق میں جا رہی تھی۔ عراق اور کویت کے تنازعہ بڑی خطرناک صورت اختیار کر گیا تھا۔ اسرائیلی ایجنٹوں نے ساری دنیا کے میڈیا کو اپنی گرفت میں پہلے رکھا تھا اور عراق کے جارحانہ اقدام سے بہت پہلے ہی انہوں نے عالمی رائے عامہ کو اس کا دشمن بنا دیا تھا۔

O

2 اگست 1991ء

کویت کے شہریوں پر ایک بلائے ناگہانی ٹوٹ پڑی۔

صبح کے رزود و بجے تھے جب کویت کی عراق کو ملانے والی سرحد پر بنی واحد کسٹم پوسٹ کو عراقی ری پبلیکن گارڈز جو عراق کی بہترین افواج شمار ہوتی ہیں، اپنے ٹینکوں اور بکتر بند دستوں کی مدد سے روندتی ہوئی کویت میں داخل ہو گئیں۔

کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر عراقی افواج کویت کے سرحدی قصبے ابدالی میں داخل ہو گئیں جہاں سے کویت کی مشہور سپر ہائی وے کا آغاز ہوتا ہے۔ شہر یہاں سے 80 میل دور تھا اور صدام کا حکم تھا کہ کویتیوں کے صبح بیدار ہونے تک کویت پر مکمل کنٹرول کر لیا جائے۔

عراقی افواج نے سپر ہائی وے پر چھ قطاروں میں شہر کی طرف برق رفتاری سے پیش قدمی شروع کر دی۔ حالانکہ ان کو کہیں بھی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

لیکن......!

عراقی افواج ہوائی فائرنگ کرتی ہوئی شہر کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ مقصد صرف کویتیوں کو ہراساں کرنا تھا۔

صبح سورج طلوع ہونے پر عراقی شہر میں داخل ہو چکے تھے۔

کویت کے امن اور عیش پسند شیوخ کے لئے وہ صبح کسی قیامت کی رات سے کم نہیں تھی۔ جب انہوں نے اپنے پرتعیش محلوں اور مکانات کی کھڑکیوں سے باہر جھانکا تو زمین پر عراق کی افواج قابض تھیں اور فضا میں عراقی طیارے اور ہیلی کاپٹر منڈلا رہے تھے۔

کویت کے شہریوں کے لئے یہ لرزا دینے والے اور جان لیوا منظر تھے۔ کئی شہری تو اس کی تاب ہی نہ لا سکے اور دہشت سے ہی ہارٹ فیل ہونے سے مر گئے۔

کویت کے پاس مزاحمت کرنے کے لئے تھا ہی کیا!

کسی محافظ نے جذباتی ہو کر اکا دکا گولی چلا بھی دی تو عراقی میکنائزڈ ڈویژن کا کیا بگاڑ لیتی۔

امیر کویت کی خوش قسمتی تھی کہ عین ان لمحات میں جب عراقی افواج کے پھینکے ہوئے راکٹ شاہی پیلس سے کچھ فاصلے پر پھٹ رہے تھے اور کسی بھی لمحے وہ کسی ایسے ہی پھٹتے ہوئے راکٹ کا نشانہ بننے والے تھے۔ امریکیوں نے "حق نمک" ادا کر دیا۔

امیر کویت کو حالانکہ 24 گھنٹے پہلے ہی امریکی سیٹلائٹ کی طرف سے پیغام گان کو

فراہم کردہ تصاویر کی مدد سے تیار کردہ رپورٹ کی بنیاد پر کویت پر عراقی افواج کی ممکنہ جارحیت کی اطلاع پہنچادی گئی تھی۔

لیکن......!

ان کے وہم وگمان میں بھی شاید یہ بات نہیں آسکی تھی کہ ایک برادر مسلمان ملک جس کی انہوں نے عراق ایران جنگ کے دوران بے تحاشہ مدد کی تھی اپنے دوسرے مسلمان اور عرب ممالک کے اخلاقی دباؤ کو نظرانداز کرتے ہوئے مروجہ انسانی اور اخلاقی حدود کو روند کر ان پر چڑھ دوڑے گا۔

امیر کویت کا دل امریکیوں کی اس "وارننگ" کو نہیں مان رہا تھا۔ البتہ حفظ ماتقدم کے لئے ان کے محافظوں نے امیر کے اچانک فرار کی تیاری ضرور مکمل رکھی تھی۔ جیسے ہی 2 اگست کا آغاز ہونے پر عراقی افواج نے کویت کی طرف بڑھنا شروع کیا امریکی سٹلائٹ نے "پینٹاگان" اور "سی آئی اے" کو ریڈ الرٹ دے دیا۔

اس کے ساتھ ہی امیر کویت کے سرہانے رکھے ایک خصوصی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور ایک ہمدرد آواز نے اپنی شناخت کروانے کے بعد انہیں اسی لمحے اور اسی حالت میں کویت سے نکل جانے کی ہدایت کی۔ فون ابھی امیر کویت نے کریڈل پر رکھا ہی تھا جب اس کے حساس کانوں نے دور سے آتی بمباری کی آوازیں سنیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے دو خصوصی محافظ تمام آداب بالائے طاق رکھ کر امیر کویت کی خوابگاہ میں گھس آئے......!!

"ہیلی کاپٹر تیار ہے یا امیر......" ان میں سے ایک نے کہا۔

"چلو"......امیر کویت نے کہا۔

ان حالات میں بھی ان کا حوصلہ اور عزم برقرار تھا۔

صدام کی افواج پیلس سے بمشکل "سات آٹھ منٹ" کی دوری پر تھیں جب امیر کویت کا ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا۔

مستعد پائلٹ نے حالات کی نزاکت کا مکمل ادراک رکھا تھا۔ وہ ہیلی کاپٹر اس انداز سے انتہائی برق رفتاری کے ساتھ اڑا کر سعودی عرب کی سرحد کی طرف لے گیا کہ اس کے تعاقب میں لپکنے والے گولے اور میزائل بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

سعودی سرحد کی طرف محو پرواز امیر کویت صبر اور تسلیم ورضا کا پیکر بنا اپنے اس اقدام پر ضرور مطمئن تھا کہ اس نے تین چار روز پہلے محل کی خواتین اور بچوں کو سعودی عرب پہنچا کر خود کو آنے والے طوفان کی تباہ کاریوں سے قدرے محفوظ کرلیا تھا۔

عراقی ری پبلکن گارڈز کے مستعد دستے جب محل میں داخل ہوئے تو امیر کویت کا خالی بستر ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

معمولی مزاحمت ہوئی جس میں ایک شہزادہ مارا گیا اور عراقیوں نے محل پر قبضہ کرلیا۔

اگلے ہی لمحے عراقی ٹینک کویت کے سنٹرل بنک کو اپنے گھیرے میں لے رہے تھے جہاں کویت کا زیادہ تر زر نقد اور سونے کی اینٹیں رکھی جاتی تھیں، عراقیوں نے سارا سونا اور نقدی لوٹ لی۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے بڑی بڑی عمارات پر بغیر کسی وجہ کے گولہ باری شروع کر دی اور چند منٹوں ہی میں انہیں ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کردیا۔ کویت کی انفارمیشن منسٹری میں واقع ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی عمارات ان ٹینکوں کی وحشیانہ گولہ باری کا اگلا نشانہ بنیں...... جہاں سے ایک ہی پیغام تکرار کے ساتھ نشر ہو رہا تھا۔

"ہماری مدد کرو......ہماری مدد کرو"

چند منٹ کے اندر اندر اس آواز کا دم گھٹ گیا......!!

عراقیوں نے دوپہر ڈھلنے تک کویت پر کنٹرول حاصل کرلیا تھا۔

صدام حسین نے امریکن انٹیلی جنس کو کبھی نہ بھولنے والا "سرپرائز" دے دیا تھا کیونکہ "ڈیگو گارشیا" میں مقیم بحری بیڑہ اس پوزیشن میں تھا کہ وہ اس جارحیت کا مقابلہ کر پاتا اور امریکن "ریپڈ فورسز" کو وہاں سے اٹھا کر یہاں پہنچا دیتا۔

لیکن......!

جون کے آخر میں اچانک ہی سی آئی اے کو یہ اُمید ہو چلی تھی کہ صدر صدام حسین نے اپنا ارادہ تبدیل کرلیا ہے اور اب وہ شاید کویت پر فوج کشی نہ کرے۔ اس اطلاع کو بنیاد بنا کر ڈیگو گارشیا میں مقیم ایم پی ایس پانچ کارگو جہازوں میں سے ایک کو کچھ تکنیکی خرابیاں دور کرنے کے لئے "نارفوک" بھیج دیا گیا۔ جولائی میں دوسرے جہاز کو بھی ایک ایسے ہی مشن پر روانہ کردیا گیا اور

جب صدام نے کویت پر شب خون مارا تو امریکیوں کے لئے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کیونکہ انہوں نے اس درمیان اپنا آخری جہاز بھی جنوبی افریقہ کے پانیوں میں پہنچا دیا تھا جسے وہاں سے بحر ہند پہنچنے کے لئے کئی مہینے لگ جاتے......!!

O

صدر بش اس وقت سات ہزار میل کی مسافت اور مغرب میں وقت کے آٹھ زونوں کے فاصلے پر وائٹ ہاؤس کے فیملی کوارٹرز میں موجود تھا۔

صبح آٹھ بجے کا عمل تھا جب اچانک صدر کے مخصوص فون کی گھنٹی بجی۔

نیشنل سکیورٹی کا ایڈوائزر بریجنٹ سکوکرافٹ لائن پر تھا......!

سکوکرافٹ نے لگی لپٹی رکھے بغیر صدر کو سب کچھ بتادیا۔

ممکن ہے وہ صدر کے سامنے جا کر یہ بات اتنی جلدی نہ کہہ پاتا۔

ایک لمحے کے لئے امریکی صدر کا بلڈ پریشر ابنارمل ضرور ہوا تھا لیکن چند سیکنڈ میں ہی اس نے اس ہیجانی کیفیت پر جس سے وہ اس "حادثے" کی خبر سنتے ہی دوچار ہوا تھا' قابو پالیا۔

"جناب والا! امیر کویت کو بروقت مطلع کر دیا گیا اور وہ بحفاظت سعودی عرب پہنچ گئے ہیں"......سکوکرافٹ کو اندازہ تھا کہ صدر کسی ہیجانی کیفیت سے دوچار ہے اس نے اپنی دانست میں یہ اطلاع دے کر صدر کو قدرے نارمل کرنا چاہا تھا......!

"تھینک گاڈ......" امریکی صدر نے کہا......"میں جلدی پہنچتا ہوں۔ ہنگامی میٹنگ کا بندوبست کرو"......کہہ کر صدر نے کوئی استفسار کئے بغیر فون بند کر دیا۔

صدر کے لئے پریشان کن بات یہ تھی کہ سی آئی اے کو تین روز پہلے تک اس بات کا یقین کیوں نہ آسکا کہ صدام کویت کو ہڑپ کر جائے گا......!

کیا واقعی صدام نے امریکیوں کو کبھی نہ بھولنے والا "سرپرائز" دیا تھا؟

ایک گھنٹے کے بعد صدر بش نیشنل سکیورٹی کونسل کی خصوصی میٹنگ میں موجود تھا۔ اس کے بعد رات گئے تک مشاورت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس درمیان صدر مسلسل ایک ہیجانی کیفیت میں مبتلا رہا۔

رات کے آخری پہر بالآخر وہ چند اہم فیصلے کرنے کے بعد اپنی خواب گاہ میں سونے

کے لئے چلا گیا۔

اگلے روز علی الصبح سکوکرافٹ اپنے آفس میں صدر امریکہ کے وہ انتظامی احکامات ٹائپ کروا رہا تھا۔ جن کے مطابق امریکہ میں عراق اور کویت کے اثاثے منجمد کر لئے گئے تھے۔

صبح چھ بجے صدر بش اپنے "اوول آفس" میں سکوکرافٹ کے ساتھ ان آرڈرز پر دستخط کرنے کے بعد فوری جنم لینے والے مسائل کے حوالے سے بات چیت کر رہا تھا۔ اس وقت زیر بحث اور اہم سوالات یہ تھے کہ اپنے حلیفوں کو کس طرح اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ بھی عراق اور کویت کے اثاثے منجمد کر دیں۔

اسرائیل کو ممکنہ مداخلت یا جارحیت سے کیسے روکا جائے؟

اور سب سے اہم بات کہ روس کو اپنا مکمل ہم خیال کیسے بنایا جائے؟

اس علاقے میں امریکی اثر و رسوخ کو جو شدید دھچکا لگا تھا اس سے کیونکر نمٹا جائے اور امریکہ کی عالمی ساکھ کیسے بحال کی جائے؟

صدام حسین نے امریکہ کو بہت "مناسب وقت" پر رگیدا تھا۔

اس نے اپنی دانست میں حملے کے لئے بہترین وقت کا استعمال کیا تھا اور عین ان دنوں میں کویت پر قبضہ کیا تھا جب امریکہ روسی صدر گورباچوف کو درپیش مشکلات کے ازالہ اور جرمنی کے دوبارہ اتحاد جیسے اہم مسائل میں اُلجھا ہوا تھا اور صدر بش کو مغربی ممالک کے دوسرے پر جزیرہ آسپین جانا تھا۔

سی این این سے حملے کی خبر نشر ہونے کے بعد جب صدر بش پہلی بار منظر عام پر آیا تو اس پر سکتہ طاری تھا۔ اس نے اخبار نویسوں کے بیشتر سوالات کے جوابات میں خاموشی اختیار کئے رکھی۔ بہرکیف اس نے مغرب کا دورہ منسوخ نہیں کیا اور اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق جزیرہ آسپین کی طرف پرواز کر گیا جہاں برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

مغرب کی طرف دوران پرواز صدر بش نے سعودی عرب کے شاہ فہد اور مصر کے صدر حسنی مبارک سے ٹیلی فون پر بات کر کے ان کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ دونوں حکمرانوں کے لئے عراق کی اس جارحیت نے کیا نفسیاتی اور سیاسی صورت حال پیدا کر دی ہے۔

O

جزائر آسپین میں مارگریٹ تھیچر اور صدر بش کے درمیان دو گھنٹے تک علیحدگی میں خفیہ مذاکرات جاری رہے۔

مارگریٹ تھیچر بہت مضبوط عورت تھی۔

"مسٹر پریذیڈنٹ! میں آپ کے ردعمل سے مطمئن نہیں...... صدام کو لگام دینی پڑے گی۔ اسے یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ اس نے ساری دنیا کو للکارا ہے اور اب وہ جوابی کارروائی سے نہیں بچ سکتا۔" اس نے امریکی صدر سے بالآخر دوٹوک لہجے میں کہا۔

"ہمیں فوراً اس طرف فوجیں روانہ کرنی ہوں گی...... آپ فرانس کی فکر نہ کریں۔"

آئرن لیڈی نے امریکی صدر کو جسے اب تک دو مرتبہ سکون آور ادویات دی جا چکی تھیں اطمینان دلایا۔

بلاشبہ صدر بش کا یہ دورہ بہت کامیاب تھا......

مارگریٹ تھیچر نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

واشنگٹن واپس پہنچنے پر صدر بش نے نیشنل سکیورٹی کونسل کا ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ اس نے اپنے مشیروں سے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا کہ اس خطے میں امریکہ کے کن مفادات کو خطرہ درپیش ہے۔

صدر کو تفصیل کے ساتھ مکمل صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ میٹنگ کے خاتمے تک وہ بہرحال ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔

صدر بش نے عراق پر فوج کشی کر کے صدام حسین کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا "لانگ ٹرم" منصوبہ بنا لیا تھا۔

لیکن ابھی تک اس نے اشارتاً ہی یہ بات کی تھی۔ صدر کو ابھی ایک اور اہم میٹنگ کے نتائج کا انتظار تھا۔

O

اسی روز دوپہر کے بعد پینٹاگان کے اندرونی خفیہ کمرے میں امریکہ میں متعین سعودی سفیر شہزادہ بندر بن سلطان، امریکی وزیر دفاع ڈک چینی اور چیئرمین جائنٹ چیف آف سٹاف

جنرل کولن پاول اس اہم مسئلے پر تبادلہ خیالات کے لئے جمع تھے۔

"آپ صدر محترم کو میری حکومت کے یہ جذبات پہنچا دیجئے کہ امریکہ صدام کو نکالنے کے بعد جو سزا دیتا ہے ہمیں اس پر شک ہے۔ صدر کو بتا دیجئے کہ ہم نے صدر جمی کارٹر کی اس کارروائی کو ابھی بھلایا نہیں جب ایک ایسے ہی خلفشار کے موقع پر صدر جمی کارٹر نے مملکت سعودیہ کے تحفظ کے لئے صرف ایک درجن غیر مسلح ایف 15 طیارے بھیجے تھے۔ اس مرتبہ کوئی بیوقوف ہی ایسی امداد قبول کرے گا۔ شاہ فہد کو ایسی امداد کی ضرورت نہیں جو اونٹ کے منہ میں زیرہ سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی ہو...... ہمیں اس امر کی یقین دہانی درکار ہے کہ کیا واقعہ امریکہ صدام کو لگام دینا چاہتا ہے؟"

جنرل پاول اور ڈک چینی شہزادے کا جارحانہ موڈ سے اندازہ لگا رہے تھے کہ امریکہ کی جان سستی چھوٹتی نظر نہیں آتی۔

انہوں نے شہزادے کو مطمئن کرنے کے لئے پینٹاگان میں عراق کے متوقع حملے سے سعودی عرب کو محفوظ رکھنے کے لئے ڈیزائن کئے گئے نقشے دکھانے شروع کر دیئے۔

یہ نقشے ایک بنڈل کی صورت میں گزشتہ کئی سالوں سے بندھے رکھے تھے اور آج ایک مدت کے بعد انہیں کھولنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اس پلان کے مطابق بوقت ضرورت تین ڈویژن فوج ایک ایئر ونگ اور ایک کیریئر ٹاسک فورس خلیج میں روانہ کی جاتی تھی۔

ڈک چینی نے شہزادے سے کہا گو صدر ابھی تک متذبذب ہے لیکن امید ہے کہ وہ اس کی اجازت دے دے گا اور جلد ہی امریکی افواج خلیج کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔

شہزادہ اس منصوبے سے بہت مطمئن تھا لیکن اس نے امریکیوں کو باور کرانا ضروری سمجھا کہ سعودی عرب کو "ڈھیلی ڈھالی" امداد ہرگز قبول نہیں۔

O

شام پانچ بجے صدر بش قومی سلامتی کونسل کے ایک اور ہنگامی اجلاس میں موجود تھا۔

"جناب صدر! ہماری اطلاعات کے مطابق افواج جنوب میں سعودی عرب کی طرف پیش قدمی کرنے والی ہے۔ عراقی منتخب افواج کے ہراول کو چوکس کر دیا گیا ہے اور صدام حسین مشرقی سعودی عرب میں واقع تیل کے چشموں پر قبضہ کر کے سعودیوں کی شاہ رگ پر اپنی گرفت

مضبوط کرنا چاہتا ہے...... جناب صدر! میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سعودیوں کے لئے عراقی ری پبلکین گارڈز کو پیچھے دھکیلنا ممکن نہیں ہوگا۔"

سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیبسٹر نے لگی لپٹی رکھنے بغیر صدر کو بڑے دعویٰ سے کہہ دیا۔

بحث کا نیا دروازہ کھل گیا۔

اس میٹنگ میں موجود بیشتر جرنیلوں کا خیال تھا کہ ولیم ولیبسٹر نے سی آئی اے کی گزشتہ ناکامی سے جو عراقی افواج کے اچانک حملے سے لاعلمی تھی' دل برداشتہ ہو کر اتنی سخت بات کہہ دی ہے اور وہ اس تجزیے سے مکمل اتفاق نہیں کرتے تھے۔

لیکن......

امریکی صدر کو ولیم ولیبسٹر سے مکمل اتفاق تھا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ صدام کا اگلا ہدف سعودی عرب ہے۔ تیل کی سپلائی پر کنٹرول حاصل کرنا اس کا مطمع نظر ہے...... اب ہمارے لئے کوئی مصلحت باقی نہیں رہی۔ میں امریکی مفادات اور عالمی معیشت کو داؤ پر لگانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا اور اب بڑی مہم جوئی ناگزیر ہوتی جارہی ہے۔"

صدر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جناب صدر! کیا ہم یہ سمجھیں کہ آپ نے ریت میں دیوار کھڑی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے......"

جنرل پاؤل نے امریکی صدر کے دل کی گہرائیوں میں جھانک لیا تھا کہ امریکی فوج کے کمانڈر انچیف (امریکی صدر) نے دریا کی گہرائیوں مین اترنے کا خطرناک فیصلہ کرلیا ہے۔

"کچھ بھی کرنا ہوگا...... صدام کو سبق سکھانا ہوگا۔ امریکہ کم از کم اتنی فوج خلیج میں اتارے کہ صدام کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے اور سعودی عرب پر حملے کی جرأت نہ کرسکے۔"

صدر ابھی تک حتمی بات نہیں کہہ رہا تھا۔

"جناب صدر! کون سی افواج بھیجی جائیں"...... ڈک چینی نے سوال کیا۔

"تم کل صبح مجھے کیمپ ڈیوڈ میں ملو......"

صدر نے اپنے وزیر دفاع کی بات کا جواب دینے کی بجائے جنرل پاؤل کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔ اب وہ ڈک چینی سے مخاطب ہوا۔

"ہمیں خلیج میں جانا چاہئے...... میری معلومات اتنی مکمل نہیں کہ فوری تمہارے سوال کا جواب دیا جاسکے۔"

میٹنگ روم سے کچھ فاصلے پر موجود ملاقاتی کمرے میں مصر کے سفیر سے ہاتھ ملانے کے بعد "کیڈساک ٹینز" کی طرف جانے کے لئے امریکہ میرین کور کے ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے سے پہلے صدر نے مصر کے سفیر سے کہا۔

"اگر سعودی عرب نے امداد مانگی تو ہم اپنے دوست کو اتنے بڑے پیمانے پر امداد دیں گے کہ صدام بوکھلا کر رہ جائے گا۔"

اگلی صبح کیمپ ڈیوڈ کے آسپن لاج میں صدر امریکہ اور اس کی مشاورتی ٹیم نے حتمی فیصلہ کرلیا کہ اب امریکہ کو بیک وقت سفارتی اور فوجی محاذ پر تیزی سے آگے بڑھنا تھا۔

جان بیکر نے یہیں سے سفارتی حملے کا آغاز کیا اور "شکار" کرنے منگولیا کی طرف چل دیا وہاں سے اگلے روز وہ ماسکو جا پہنچا۔

بیکر نے ماسکو کے کمزور اور مرعوب حکمرانوں کو اسی روز چاروں شانے چت کر دیا اور روسی حکومت کی طرف سے اعلامیہ جاری ہو گیا جس میں عراق کے اس حملے کی مذمت کرتے ہوئے اسے ہتھیاروں کی معطلی کا حکم سنایا گیا تھا۔

ایک طرف برطانیہ کے ساتھ امریکی شراکت فائدہ مند تھی اور دوسری طرف امریکی انتظامی کی روس کے ساتھ "ورکنگ ریلشنز شپ" نے کمال دکھا دیا۔ اب امریکیوں نے یو این او پر چڑھائی کرنی تھی تاکہ عراق کی اقتصادی' بحری' بری اور فضائی ناکہ بندی کر کے اس پر دباؤ کا آغاز کیا جائے۔

اگلی میٹنگ میں جنرل نارمن شوارزکوف آرمی کمانڈر برائے مڈل ایسٹ اور جان کیلے نے صدر بش اور اس کی کابینہ کے سامنے فوجی امکانات اور ممکنہ وسائل کی تفصیلات بتانا شروع کیں۔

انہوں نے صدر کو باور کروایا کہ محض بحری بیڑے اور فضائیہ سے کام نہیں چلے گا اور پیدل فوج کو میدان میں اتارنا ناگزیر ہوگیا ہے۔ یہ امکان بھی زیر بحث آیا ہے کہ پیدل فوج کا کام

صدر حسنی مبارک کو سونپ دیا جائے لیکن امریکی کمانڈروں کو خطرہ تھا کہ شاید مصری پیدل افواج عراقیوں کو مرعوب نہ کر سکیں...... وہ بہر صورت بلادِ عرب کے ریتلے صحراؤں میں امریکی بوٹوں کے نشانات ثبت کرنا چاہتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی امریکی فوجوں کی صف بندی کا کام شروع ہو گیا۔

امریکیوں نے طے کیا تھا کہ 82 ویں ایئر بورن بریگیڈ کے 2300 جوانوں کو فوراً سعودی عرب روانہ کر دیا جائے۔ جنہیں بحریہ کے کیریئر جہازوں اور ایف 15 طیاروں کا تحفظ حاصل ہو۔

16500 انفنٹری پر مشتمل میرین بریگیڈ جس کے ساتھ بھاری بکتر بند گاڑیاں ہوں گی' نے اس کے بعد روانہ ہونا تھا۔

ان کے پیچھے 101 ایئر موبائل ڈویژن کے 19 ہزار اور 24 ویں ہیوی آرمڈ ڈویژن کے 12 ہزار جوان جنہیں صحرائی جنگ کی خصوصی تربیت حاصل تھی روانہ ہوں گے۔

ابھی تک امریکیوں نے کویت کو آزاد کرانے کے لئے حملے کا اشارہ تک نہیں دیا تھا۔

واحد جارحانہ کارروائی اگر کوئی کی گئی تو وہ یہ تھی کہ اگر صدام حسین نے سعودی عرب کے آئل فیلڈز پر حملہ کیا تو امریکی افواج اس کا منہ توڑ جواب دیں گی۔

O

صدام حسین نے عراق کے تابوت میں ایک اور کیل ٹھونک دی تھی۔

اس نے اچانک ہی اپنا فیصلہ بدل دیا تھا۔

عرب بھائیوں سے اس نے اگلے 24 گھنٹوں میں کویت سے نکل جانے کا وعدہ کیا تھا۔

لیکن......

اب اچانک اس نے کویت کو عراق کا صوبہ بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس صورتِ حال نے شاہ فہد کو پھر ہیجان میں مبتلا کر دیا۔ سعودی حکومت کی طرف سے اچانک ہی امریکہ سے اعلیٰ سطح وفد سعودی عرب بھیجنے کا مطالبہ داغ دیا گیا۔

صدر بش نے 14 گھنٹے کے اندر ڈک چینی کو سعودی عرب روانہ ہونے کا حکم دے دیا

تھا۔

اسی صبح صدر بش نے اردن کے شاہ حسین کے ساتھ 60 منٹ دورانیہ کے انٹرویو کی ایڈوانس ٹیپ دیکھی۔

انٹرویو نشر ہونے سے پہلے صدر بش نے شاہ حسین سے اس مسئلے پر تعاون کی درخواست کی تھی اور شاہ اردن نے اس درخواست پر کان دھرنے کی بجائے امریکہ کو لعن طعن شروع کر دی تھی۔

صدر بش کا پیمانہ صبر بالآخر چھلک پڑا۔

کیمپ ڈیوڈ سے واپسی پر جب وہ ہیلی کاپٹر سے باہر نکلا تو غصے سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

"مہذب دنیا اس جارحیت کو کبھی برداشت نہیں کرے گی۔ کویت کے خلاف ننگی جارحیت ہوئی ہے...... صدام کو سبق سکھایا جائے گا......"

بش کو امریکہ پریس نے پہلی مرتبہ اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

O

صدر بش کی اس پریس کانفرنس کے چند گھنٹے بعد ہی صدام حسین نے اسے مزید طیش دلایا اور مزید دو ڈویژن فوج سعودی سرحد پر پہنچا دی۔

یہ قدم اس نے ڈک چینی کے جدہ ایئر پورٹ پر اترنے سے چند گھنٹے پہلے اٹھایا تھا۔

آلِ سعود کے شاہی محلات ایک مرتبہ تو لرز کر رہ گئے۔

ڈک چینی جدہ سے سیدھا ریاض پہنچا۔ اس نے شاہ فہد سے دو گھنٹے طویل ملاقات کی۔

اس ملاقات میں اس کی معاونت سی آئی اے کے اعلیٰ افسروں نے جو اس کی ٹیم میں شامل تھے کی۔ انہوں نے شاہ فہد کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کے سیٹلائٹ کی تصاویر بتاتی کہ صدام صرف گیدڑ بھبھکیاں دے رہا ہے اور اس کے اعلانات کے برعکس اس کی جنگی قوت محدود ہے۔!

"اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو ہم خود عراقیوں سے نمٹ لیں گے۔" شہزادہ عبداللہ نے جو اب تک خاموش تھا کہا۔

"کویت کا رقبہ سعودی عرب کے ہوٹلوں جتنا بھی نہیں اور ہم اس کی تباہی کی قیمت پر جنگ لڑنا نہیں چاہتے۔"

شاہ فہد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

یہ جنگ کی طرف کوچ کا فیصلہ کن مرحلہ تھا......!

''جلالتہ الملک! امریکن حکومت کی خواہش ہے کہ آپ اپنے ملک سے گزرنے والی عراق کے تیل کے پائپ لائن کاٹ دیجئے۔''

یہ اقدام عراقی آمر کو تلملا کر رکھ دیتا......!

اس کے جواب میں وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ امریکیوں نے سعودی بادشاہ کو امتحان میں ڈال دیا تھا۔

شاہ فہد نے چند لمحے خاموشی اختیار کی۔

وہ کسی گہری سوچ میں غرق دکھائی دے رہے تھے۔

''ٹھیک ہے''...... انہوں نے صرف دو الفاظ کہے اور اپنے خادمین کو مہمانوں کی مدارت کا حکم دے کر ڈک چینی سے ہاتھ ملا کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

امریکی وفد نے شاہ کی اس ''ادا'' کا معمولی نوٹس بھی نہیں لیا تھا۔

اس مرحلے پر انہیں بہر صورت شاہ فہد کی حمایت درکار تھی خواہ اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

☆☆☆

ڈیزرٹ شیلڈ

تھوڑی دیر بعد ہی ڈک چینی وائٹ ہاؤس فون کر کے کامیابی کا مژدہ سنا رہا تھا۔

اس کے فون کا رابطہ اوول ہاؤس میں سپیکر فون سے کر دیا گیا تھا جہاں صدر بش سکوکرافٹ اور کولن پاول' برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر سے ملاقات کر رہے تھے۔

آسپن سے لندن واپس آتے ہوئے سفارتی دوا کی ایک اور خوراک دینے کے لئے خصوصی طور پر مختصر قیام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس دوران برطانیہ کی آئرن لیڈی نے صدر بش کو ہر طرح اپنے تعاون کی یقین دہانی کرواتے ہوئے یہ بھی باور کروا دیا تھا کہ یورپی یونین میں ابھی اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ برطانیہ کے کسی فیصلے کے خلاف احتجاج کر سکیں۔

ڈک چینی اور صدر بش جب فون پر گفتگو کر رہے تھے تو اس محفل میں بیکر' وائٹ ہاؤس کا چیف آف سٹاف جان سنونو اور نائب صدر ڈان کوئیل بھی موجود تھے۔ یہ امریکہ کی ''منی کابینہ'' کا اجلاس تھا۔

اگلے روز صدر بش نے ٹی وی پر اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مشرق وسطیٰ میں امریکی فوجیں روانہ کرنے کے اہم ترین فیصلے کا اعلان کر دیا۔

''ہمارا یہ اقدام جارحیت نہیں...... بلکہ جارحیت کے خلاف کمزوروں کا دفاع ہے۔''

صدر نے کینیڈا اور برطانیہ کا شکریہ خاص طور سے ادا کیا تھا اور یہ گوہر افشانی بھی فرمادی تھی کہ مارگریٹ تھیچر سے بڑھ کر آزادی اور خود مختاری کا دوست کوئی نہیں۔

فرانس' جرمنی اور جاپان سے تعاون کا معاملہ ابھی باقی تھا۔

O

ایک لاکھ پچیس ہزار امریکی فوجی خلیج کی طرف یلغار کر رہے تھے۔

عالم اسلام پر سکتہ طاری تھا۔

دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے عوام اپنے حکمرانوں سے ٹکرا گئے تھے۔

جذباتی مسلمانوں کو احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کس عالمی صیہونی سازش کا شکار ہوئے تھے۔

صدام حسین صیہونی سازش کا شکار ہو گیا تھا۔

عالم اسلام کے دو مضبوط ستون عراق اور پاکستان اسرائیل کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکتے تھے اور انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ ان دونوں کے ساتھ براہ راست ٹکراؤ سے وہ نتائج کبھی حاصل نہیں کر پائیں گے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

یہودیوں نے امریکہ کو قربانی کا بکرا بنا دیا تھا......

خود کو بزعم خویش سپر پاور بتانے والا امریکہ اسرائیل کے جال میں پھنستا جا رہا تھا۔

ساری دنیا کے مدبر مسلمان اور ان کی حکومتیں جو اس سازش کو سمجھنے لگی تھیں' اپنے عوام کو ٹھنڈا کر رہی تھیں۔

ان بحرانی لمحات میں جب عالم اسلام بین الاقوامی یہودی سازش کا شکار ہو چکا تھا' بیشتر مسلمان ممالک خصوصاً پاکستان جو اسلام کا آخری قلعہ ہے سیاستدان اپنے گھناؤنے ہتھکنڈوں کے ساتھ میدان عمل میں اتر آئے!

اپنی ذاتی عناد' محرومیوں اور ناکامیوں کو انہوں نے اپنی ناک کا مسئلہ بنا کر عراق اتحادی جنگ کی آڑ میں اپنا شکار کھیلنا شروع کر دیا تھا۔

دشمن کی سازش کو جانتے ہوئے بھی ناعاقبت اندیش سیاسی گُرگے اسے اپوزیشن اور حکومت کی جنگ بنانے پر تل گئے تھے۔

پاکستانی عوام کو حقائق بتائے بغیر اندھیرے میں رکھ کر ایک سازش کے تحت دو کیمپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک عراق کا حامی دوسرا مخالف......!!

ان حالات میں حکومت کے لئے کوئی سیاسی لائحہ عمل طے کرنے ممکن ہی نہیں رہا تھا......!

ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا تھا۔

حکومت یا تو بین الاقوامی سازش کا مقابلہ کرتی یا پھر اپنے مخالفین سے نمٹتی۔

افسوس! حکومت نے دونوں محاذوں پر شکست کھائی۔

O

ابواحمد کے لئے عراق کی طرف سے کویت پر قبضے کی اطلاع ایک نہ بھولنے والا سانحہ تھی۔

اس روز جب وہ برمنگھم کی ایک مسجد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا......

ایک مقامی بھارتی مسلمان نے مسجد میں آ کر یہ خبر سنائی۔

تمام نمازیوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔

یہاں ابواحمد اپنی شناخت بدل کر رہائش پذیر تھا۔ وہ چپ چاپ مسجد سے باہر آ گیا' اپنے گھر کی طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ ان کے اندازے کتنے غلط ثابت ہوئے۔

فلسطینیوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر عراق کو مضبوط کیا تھا وہ اس لئے کہ وہ ان کی نئی اُمید تھا۔

مسلمان حکمرانوں سے وابستہ ان کی اُمیدیں ایک ایک کر کے دم توڑنے لگی تھیں۔

ان حالات میں صدام کے دعوئی کو سچ جان کر وہ اس کے سپاہی بن گئے تھے۔

ہر وہ مسلمان جو اسرائیل کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا دعوئی دار ہو ان کے لئے سایۂ رحمت تھا۔

ابواحمد اور اس کے ساتھیوں نے سوچ لیا تھا کہ ایک دن آئے گا جب عراق اپنے اعلانات کے مطابق اسرائیل پر حملہ کرے گا اور مسلمانوں کی گمشدہ عظمت واپس لوٹ آئے گی۔

لیکن......

اس کے برعکس عراق کے ٹینکوں نے کویت ہی کو روند ڈالا......!

کویت اور دنیا بھر میں موجود بیشتر رہنماؤں نے صدر صدام حسین کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اس کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔

لیکن......!

ابواحمد جانتا تھا کہ مسلمان ایک مرتبہ پھر اپنی سادہ دلی کے ہاتھوں مار کھا گئے ہیں۔

وہ سب یہودیوں کے بچھائے جال میں بری طرح پھنس گئے تھے۔اول تو ابواحمد کو عراق کے کویت پر قبضہ کی منطق ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اگر اس کو تسلیم کر بھی لیا جاتا تو بھی اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کہ عراق اس قبضے کو برقرار رکھ سکتا۔

ابواحمد انقلابی مسلمان مجاہد تھا وہ جانتا تھا کہ غیر مسلم قوتیں کویت کو آزاد کروانے کے چکر میں عراق کا صفایا کر دیں گی۔

اب اس کے دل سے ایک ہی دعا نکلتی تھی کہ خدا کرے مسلمان ممالک کی کوششیں بار آور ثابت ہوں اور عراق کویت سے اپنی فوجیں نکال لے۔

اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر عراق ان حالات میں اسرائیل پر حملہ کر دے تو عالم اسلام اس کی پشت پر کھڑا ہو گا۔

لیکن......!

اس کی سوچ خوابوں میں رہنے والے مسلمان کی سوچ تھی۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اقتدار کے نشے میں اندھا صدام حسین ساری دنیا کے مسلمانوں کے جذبات کو روندتے ہوئے کویت سے بھی آگے بڑھ کر اب سعودی عرب پر نظریں جمائے بیٹھا ہے۔

O

اگلے تین ہفتے صدر بش کے لئے بڑے اعصاب شکن تھے۔

اس درمیان امریکہ خاموشی سے صدام حسین کی حرکات نوٹ کرتا رہا۔صدام نے سعودی عرب کی فضائی خلاف ورزی متعدد مرتبہ کر کے امریکنوں کو للکارا۔

لیکن......

ابھی امریکن خاموش رہو اور انتظار کرو کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا تھے۔صدر بش کو روزانہ سٹیلائٹ کی تصاویر بھیجی جاتی تھیں جن میں دکھایا گیا تھا کہ عراقی ہراول اب سعودی عرب کی سرحد کی طرف بڑھ رہا ہے اور صدام اپنی تازہ دم افواج کے دستے اگلے محاذوں پر پہنچا رہا ہے۔

صدر بش نے اب اگلا سفارتی حملہ کیا اور اقوام متحدہ کی قرارداد کو مزید موثر کروانے کے چکر میں عراق کی بحری ناکہ بندی بھی کر دی۔

خوفزدہ اور انتہائی محتاط امریکیوں کے لئے وہ لمحات انتہائی حیران کن تھے۔جب امریکنوں نے ایک عراقی آئل ٹینکر کو جو سرحدی ناکہ بندی توڑنے کی کوشش کر رہا تھا اپنا نشانہ بنایا اور عراق کی طرف سے بغیر مزاحمت کے پسپائی اختیار کر لی گئی۔

حالانکہ امریکی کسی سخت ردعمل کی توقع کر رہے تھے۔

دیگ کا ذائقہ چکھنے کے لئے امریکنوں نے چند چاول ہی چکھے تھے اب اگر کوئی غلط فہمی باقی رہ بھی گئی تھی تو ختم ہو گئی۔

تین بحرانی ہفتے اس کیفیت کی نذر ہو گئے۔

ان تین ہفتوں مین اگر عراق چاہتا تو بڑی آسانی سے گلف کے ساحل کی نچلی سمت میں اُردن کے راستے اسرائیل کی طرف متحدہ عرب امارات تک ایڈوانس کر سکتا تھا۔

لیکن......!

عراق کا مرد آہن صرف گیدڑ بھبھکیوں سے کام لیتا رہا۔

ان تین ہفتوں میں اس نے اتحادیوں کو موقعہ دیا کہ وہ اطمینان سے اپنی افواج مڈل ایسٹ میں اپنی مرضی کے ساحلوں اور زمین پر اُتار لیں......!

صدام کے ڈھول کا پول اس مرحلے پر کھل گیا تھا۔

اس درمیان امریکنوں نے پچاس بی 52 بمبار طیارے ڈیگو گارشیا میں جمع کر لئے تھے۔

صرف تین بی 52 طیاروں سے اہداف پر 76500 پونڈ بارود گرایا جا سکتا تھا۔اس کے باوجود بیکر اور کرافٹ صدر بس کو جنگ سے حتی الوسع احتراز برتنے کی کوششوں میں لگے تھے۔

پینٹا گان نے فی الوقت یہی منصوبہ بنایا تھا کہ اگر ناگزیر ہوا اور عراق نے اپنی افواج سعودی عرب میں داخل کر دیں تو وہ عراق کے انتہائی اہم فوجی نوعیت کے اہداف پر فضائی حملے کریں گے۔

لیکن......!

زمینی جنگ کا ابھی تک کوئی منصوبہ زیر بحث نہیں آیا تھا۔

O

ابھی تک امریکن صدام کی دھمکیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ بالآخر انہوں نے صدام کو میدان میں اتارنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

4 اگست کو جنرل کولن پاول کا حکم پینٹا گان کو موصول ہوا۔

''انڈی پینڈنس'' اور ''آئزن ہاور'' سمیت 50 جنگی جہازوں کا رخ خلیج کی طرف موڑ دو۔

اس روز فلوریڈا میں جنرل شواز کوف کے ہیڈ کوارٹرز کو انتہائی اہم حکم جاری ہوا۔

''افواج کی صف بندی کے تفصیلی منصوبے تیار کر لئے جائیں۔''

اگلے روز چیف آف ٹرانسپورٹ کمانڈر جنرل ہنس فورڈ جانسن کو حکم ملا کہ وہ امریکی تاریخ میں تیز ترین اور سب سے بڑی فوج کو دور دراز مقامات پر پہنچانے کے لئے ''سٹینڈ بائی پوزیشن'' میں آ جائے۔

کرنل راک فیلڈ جو واشنگٹن نیوی یارڈ میں سی لیفٹ کے مرکز پیغامات میں ''آن ڈیوٹی'' تھا' کے سامنے احکامات کے ڈھیر لگتے چلے جا رہے تھے۔ بڑی افراتفری میں وہ اپنے دفتر تک پہنچا اور وہاں موجود آہنی سیف سے ایک پرانا نقشہ نکالا جس میں امریکی ہائی کمان کی طرف سے مشرق وسطیٰ میں صف بندی کا منصوبہ بنایا گیا تھا......!!

''اُف میرے خدایا سب کچھ کیسے ممکن ہوگا......''

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کیونکہ فی الوقت یہ منصوبہ اس کے کسی کام نہیں آ سکتا تھا۔

پینٹا گان کے پاس 88ء میں تیار کردہ ایک منصوبہ (88-2-10) موجود تھا جس میں پلان کیا گیا تھا کہ امریکہ خلیج فارس میں لڑائی کس طرح لڑ سکتا ہے' لیکن اب اس کا بنیادی مفروضہ ہی غلط ثابت ہو رہا تھا کیونکہ ایران اس جنگ کا حصہ نہیں تھا۔

اس منصوبے کے مطابق بھی صدر کو تیس دن کے اندر اپنے احکامات پینٹا گان کو پہنچانے تھے جبکہ یہاں صورت حال بالکل مختلف تھی اور صدام نے امریکہ کو تیاری کا موقع ہی نہیں

دیا تھا۔

89ء کے موسم گرما میں جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کی اس رپورٹ کے بعد کہ اب روس سے براہ راست تصادم کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ جنرل شواز کوف نے ایک نیا پلان نمبر (90-2-10) پر کام شروع کیا۔

خوش قسمتی سے امریکی افواج جولائی میں ایک جنگی مشق ''کمانڈ لوسٹ ایکسرسائز'' (سی پی ایکس) کر چکی تھیں۔

اور مزید خوش قسمتی سے اس میں دشمن کا کردار ''عراق'' نے ادا کیا تھا۔ اس مشق کے بعد سے امریکن اس اندازے پر پہنچ گئے تھے کہ صدام حسین کے ساتھ محاذ آرائی کی صورت میں انہیں کس تربیت اور تنظیم سے میدان کارزار میں اترنا ہے۔

دوران جنگ امریکی فوج کی روزانہ صف بندی کا کام پینٹا گان کے ''میجک کمپیوٹر'' انجام دیتے تھے۔ جسے ٹائم فیزڈ فورس ڈیپلائمنٹ لسٹ اور مختصر نام ''ٹپ فڈل'' کہا جاتا ہے۔

ٹپ فڈل بتاتا ہے کہ کسی بھی شخص یا سامان کو کسی بھی جگہ سے میدان کارزار تک کیسے پہنچایا جاتا ہے۔

لیکن......

ابھی تک (90-2-10) پروگرام کو ''ٹپ فڈل'' کے ذریعے ترتیب نہیں دیا جا سکا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کمپیوٹر فی الوقت امریکی فوج کے لئے خدمات انجام نہیں دے سکیں گے۔ اس نازک مرحلے پر امریکی فوج کے انجینئر نے ''فوجی معجزہ'' انجام دیا اور ''ریکارڈ مدت'' میں (90-2-10) کو کمپیوٹر میں پروگرام کر دیا۔

☆☆☆

ڈیزرٹ سٹارم

"آگے بڑھو اور کارروائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

6 اگست کی صبح جیسے ہی یہ حکم لینگلے ہمپٹن ایئر بیس پر موصول ہوا اگلے ہی لمحے ایف 15 طیاروں کے دو سکواڈرن ریاض اور دہران کی طرف پرواز کر گئے۔

اس کارروائی کے پس پردہ صدام حسین کے جیٹ طیاروں پر بالادستی حاصل کرنے کی حکمت عملی کارفرما تھی۔ امریکی اپنے مایہ ناز 82 ایئر بورن ڈویژن کے لئے فضائی تحفظ فراہم کر چکے تھے......!

اڑتالیس ایف 15 طیارے سعودی عرب پر اترے تو ان کے پائلٹوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسی فضائی جھڑپ کے بغیر یہاں تک پہنچ جائیں گے۔

صدام حسین نے یہاں پھر کمزوری دکھائی اور فرسٹ ٹیکٹیکل ایئر ونگ پر فضائی قوت ہونے کے باوجود حملہ نہیں کیا۔

امریکنوں کے لئے صدام حسین کے مگ طیارے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھے کیونکہ مشرقی یورپ سے نکلنے کے بعد روس کی ان طیاروں کے متعلق چھوٹی تمام معلومات امریکن کو مل چکی تھیں۔

فرانس سے حال ہی میں حاصل کردہ 30 میراج البتہ کوئی مسئلہ پیدا کر سکتے تھے یا پھر وہ قوی ہیکل۔15 ہاک میزائل تھے جو کویت سے صدام حسین کے ہاتھ لگے تھے۔ اگر عراقیوں نے ان کا استعمال سیکھ لیا تھا تو یہ امریکن ایف 15 کے لئے بے حد خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔

امریکہ کے فرسٹ ٹیکٹیکل ایئر ونگ کے ساتھ آنے والے 82 ایئر بورن ڈویژن بریگیڈ کے چھاتہ برداروں نے توپوں کے عین درمیان اپنا کیمپ لگایا تھا۔ یہ بریگیڈ ہلکے اینٹی ٹینک

ہتھیاروں اور ایم 55 ریگامکس رائفلز سے لیس تھا...... ان کے ہمراہ کوئی ٹینک نہیں تھا۔

اگلے سات دنوں تک بھی امریکن یہاں کوئی ٹینک نہیں پہنچا سکے۔

اس کے باوجود صدام حسین خاموش رہا۔

اس دوران چیف آف آرمی سٹاف جنرل کارل ایف کی جان پر بنی رہی وہ جانتا تھا کہ اس بریگیڈ کے پاس صدام حسین کے حملے کا کوئی جواب نہیں۔

اگر صدام حسین نے سعودی عرب کی سرحد عبور کر لی تو دہران تک کوئی طاقت اس کے راستے کی دیوار نہیں بن سکتی تھی۔

لیکن......

خوشگوار حیرت سے امریکنوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے کہ صدام حسین کے فوجی اس دوران صرف دوربین لگائے صحرا کا تماشہ کرتے رہے۔

"ڈیزرٹ شیلڈ" کا پہلا مہینہ جنرل شوازکوف کے لئے بڑا اعصاب شکن تھا۔

عراق نے ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی (ڈی آئی اے) کے ممکنہ اندازوں کے برعکس تین گنا زیادہ پھرتی سے کویت کو پامال کیا تھا۔ کویت پر حملے کے بعد ڈی آئی اے نے صدام کی دس لاکھ فوج جسے ایران کے خلاف جنگ کا آٹھ سالہ تجربہ حاصل تھا اور اس کے آلات حرب وضرب کو پیش نظر رکھ کر منصوبہ بندی کی تھی۔

لیکن......

سی آئی اے کی اس رپورٹ نے جو "موساد" کی معاونت سے تیار کی گئی امریکنوں کو بتایا کہ ڈی آئی اے کے ممکنہ اندازوں کے برعکس عراق کے پاس ایک ہزار ٹینک، دو ہزار بکتر بند گاڑیاں اور ڈھائی سو لڑاکا طیارے اس تعداد سے زیادہ ہیں جو امریکنوں کو بتائی گئی ہے۔

اسی مہارت اور طاقت کے ساتھ عراق سعودی سرحدوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

صدام کی طرف سے مسلسل خاموشی اور محض نمائش کو اتحادیوں نے "تائید غیبی" جانا تھا......!

جنرل شوازکوف کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ 24 ویں میکنائزڈ انفنٹری ڈویژن کو اس کے 216 ایم آئی اے ٹینکوں سمیت کس طرح میدان کارزار میں اتارے

''ڈیزرٹ شیلڈ'' کے مطابق 120 دنوں میں تمام سامان حرب وضرب مقررہ مقامات تک پہنچانا تھا لیکن بعد میں نیوی نے یہ معیاد گھٹا کر 95 یوم کر دی۔ انتظار کے دنوں میں اس نے کمپیوٹر کے چھوٹے نقشے واپس لے کر تمام ٹینکوں کو نئے نقشے فراہم کئے تھے۔

ایئر فورس سے مزید مدد طلب کی گئی۔ اے 10 کلوز اپ طیاروں کے علاوہ مزید میزائل طلب کئے گئے اور صدام حسین کے سکڈ میزائل سے بچنے کے لئے پیٹریاٹ میزائل کی بیٹریوں کا جال بڑی تیزی سے بچھایا گیا۔

ان ایام میں اگر صدام چاہتا تو ایک گولی فائر کئے بغیر وہران تک قابض ہو سکتا تھا اور جنرل شوازکوف کے پاس ان دنوں عراق کے اس حملے کا صرف ایک ہی جواب ہوتا......اور وہ تھا پسپائی......!

جنرل شوازکوف ابھی تک اپنے میڈیکل یونٹس کا منتظر تھا۔

اس صرف ''دھوکے کی چال'' چلنا تھی جو وہ کامیابی سے چلتا رہا۔

اور ''مردِ آہن صدام حسین'' بڑی آسانی سے اس کا شکار ہوتا گیا۔

پینٹا گان کی طرف سے فوجوں کی روانگی کے اعلانات کا تانتا بندھا رہا جبکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس تھی اور ان اعلانات کی حیثیت صرف ''کاغذی'' تھی۔

صدام حسین کی انٹیلی جنس کا سب سے اہم ذریعہ معلومات ''سی این این'' تھا اور جنرل شوازکوف نے اس بات کا خصوصی اہتمام کر رکھا تھا کہ ٹی وی کا عملہ ہر چند منٹ کے بعد اترنے والی ٹرانسپورٹ تصاویر باقاعدگی سے دکھاتا رہے۔

پینٹا گان کا ٹرانسپورٹ عملہ اس ہنگامی صورت حال سے نمٹنے میں شدید دشواری محسوس کر رہا تھا جو جنرل شوازکوف نے ان پر ڈال دی تھی۔

لاکھوں فوجیوں کو ان کے سامان سمیت امریکہ سے سعودی عرب پہنچانا ایک عذاب شکن کام تھا۔ امریکیوں نے اس سے پہلے دوسری جنگ عظیم میں ''نارمنڈی'' میں ایسا آپریشن کیا تھا لیکن یہ تجربہ اس سے کئی گنا زیادہ قوت اور استعداد کا متقاضی تھا۔

کمپیوٹروں کے ذریعے ساری دنیا میں بکھرے چار سو پچاسی سی۔5' سی 130 اور سی۔141 طیاروں کا سراغ لگا کر انہیں ایک جگہ اکٹھا کرنا ہی آسان نہیں تھا۔

لیکن......

امریکن ڈٹ گئے۔

آرمی اور نیوی کے افسروں نے ٹریفک کے سپاہیوں کی طرح ریلوے بوگیوں اور بندرگاہوں کی گودیوں میں کھڑے ہو کر دن رات کام کیا۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کارگو طیارے غلط مقامات پر اتر گئے۔ توپیں کہیں اور ان کا ایمونیشن کہیں اور اتار دیا گیا۔

لیکن......

اگست کے آخر تک کارگو طیاروں نے روزانہ تین سو پروازوں کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے 72 ہزار فوجی اور ایک لاکھ ٹن سامان خلیج میں پہنچا دیا۔

نیوی کے حالات اس سے بھی زیادہ نازک تھے۔ بھاری ساز وسامان کی نقل وحمل کے لئے دوسری جنگ عظیم میں استعمال شدہ 96 وکٹری جہازوں سے کام لیا گیا۔ پریشان حال نیوی کے اعلیٰ افسران امریکہ بھر میں اس عملے کو تلاش کرتے رہے جو پرانے بوائلروں کو چلانے کا تجربہ رکھتے ہوں۔

ان بوسیدہ جہازوں کے ذریعے امریکنوں نے بحراوقیانوس عبور کرنے کا خطرناک مرحلہ بڑی کامیابی سے طے کیا۔

بعد از خرابی بسیار آٹھ تیز رفتاری لفٹ جہازوں کو قابل استعمال بنایا گیا اور اوائل ستمبر تک 24 واں ڈویژن خلیج میں پہنچ گیا تو شوازکوف کے دم میں دم آیا۔ اس درمیان وہ مسلسل اس خوف کا شکار رہا کہ کہیں صدام حسین اس پر اچانک حملہ نہ کر دے۔

لیکن......!

ساری دنیا کے جنگی مبصرین یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ صدام حسین نے اگر حملہ نہیں کرنا تھا تو یہ سارا ''کھڑاگ'' پھیلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

امریکی جرنیل اس خوف سے کانپ رہے تھے کہ جب ان کے مردہ سپاہی امریکہ پہنچنے شروع ہوئے تو ان کے قومی مورال کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔

صدام دعوے کرتا رہا۔

لیکن......!

اس کے دعوؤں کی حیثیت گیدڑ بھبکیوں سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

صدام کے جرنیل شوازکوف کو مسلسل حیرت اور خوف میں مبتلا کرنے کی پالیسی پر کامیابی سے عمل پیرا رہے۔ جنوری کے آغاز میں اس نے اپنی مایہ ناز ''ری پبلکن گارڈز'' کی ڈیڑھ لاکھ نفری کو جنوبی عراق سے لا کر ان حالات میں سعودی سرحدوں پر بٹھا دیا جبکہ انہوں نے اپنی جنگی مشقوں میں ابھی توپ چلانے کی مکمل تربیت بھی حاصل نہیں کی تھی۔

لیکن......

صدام کو صرف یہ اطمینان ضرور حاصل تھا کہ یہ لوگ مورچے نہیں چھوڑیں گے اور اپنی اے۔کے 47 توپوں سے فائر کرتے رہیں گے۔ ان کے پیچھے مضبوط میکنائزڈ اور آرمڈ یونٹس اور آخر میں ریپبلکن گارڈز تعینات تھے۔

صدام کے جرنیل انتہائی جدید اور مضبوط صف بندی کر رہے تھے لیکن تاریخ اس مرحلے پر خاموش ہے کہ آخر کس کے لئے؟

امریکی حیران رہ گئے جب اس نے کویت کے ساحل کے ساتھ انفنٹری یونٹوں کی جگہ آرمڈ دستے تعینات کر دیئے۔

عراق اور سعودی عرب کے درمیان ''غیر جانبدار علاقے'' میں بکتر بند دستوں نے پوزیشن سنبھال لی۔

وہ لائن جس پر شوازکوف چاروں طرف سے حاوی ہونا چاہتا تھا' خطرناک حد تک طویل ہو گئی۔

صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اگر کور نمبر 13 سامنے سے گزرنے میں کامیاب ہو جائے تب ہی وہ ''ری پبلکن گارڈز'' کو گھیرے میں لے سکے گی۔ عراقی ایسی پوزیشن میں چلے گئے تھے کہ وہ جب بھی چاہتے کویت سے جوابی حملہ کر کے امریکیوں کے منصوبے پر پانی پھیر دیتے۔

شوازکوف اس مرحلے پر واقعی گھبرا گیا۔ اسے ''وسیع تر پھیلاؤ'' کے ساتھ ایڈوانس کرنا تھا تا کہ حملے کی صورت میں ریپبلکن گارڈز کو عراقی فوج سے کاٹ کر رکھ دے۔ ہنگامی بنیادوں پر پینٹاگان نے ایک مرتبہ پھر جنرل شوازکوف کی درخواست پر جرمنی میں مقیم 7 ویں کور کو خلیج میں

پہنچانا شروع کر دیا۔

O

30 اکتوبر کو جنرل پاول اور ڈک چینی نے امریکی صدر کو بتایا کہ ''ڈیزرٹ شیلڈ'' کا دوسرا مرحلہ یعنی نیا فوجی اجتماع 15 جنوری تک مکمل ہو جائے گا۔

اگلے روز صدر بش' ہارورین' بیکر' جنرل پاول' ڈک چینی' وائٹ اور سکوکرافٹ پر مشتمل ٹیم نے ایک ہنگامی میٹنگ میں طویل بحث و مباحثے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صدام حسین پر ابھی تک امریکی فوجی دباؤ کا کوئی اثر نہیں پڑا اور وہ اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے۔

''جناب صدر! ہمیں اب دفاع سے نکل کر حملے کی پوزیشن میں آنا ہوگا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔''

امریکی صدر اس بات کو سمجھتا تھا کہ فوجوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ جنگ کا لازمی پیش خیمہ بن جائے گا لیکن اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

اس اہم ترین خفیہ اجلاس میں اس امر سے اتفاق کیا گیا کہ بین الاقوامی کولیشن کے ممبران کو حکمت عملی میں کی گئی تبدیلی سے لازماً مطلع کیا جائے۔ یہ سوال اپنی جگہ غور طلب تھا کہ اس کا اندرون ملک ردعمل کیا ہوگا۔

3 نومبر کو بیکر پھر ایک نازک مشن پر جا رہا تھا۔

امریکہ اب اقوام متحدہ سے ایک ایسی قرارداد پر مہر ثبت کرانا چاہتا تھا جس میں اس امر کی اجازت ہو کہ اگر صدام کویت سے غیر مشروط واپسی اختیار نہ کرے تو اس کے خلاف طاقت استعمال کی جا سکتی ہے۔

بیکر سیدھا جدہ پہنچا جہاں پہلے مرحلے پر اسے اہم کامیابی ملی جب شاہ فہد نے با دل نخواستہ ہی سہی اس منصوبے پر حکم صادر کر دیا۔

اس کی اگلی منزل ماسکو تھی۔

جہاں ایک قباحت پہلے ہی سے درپیش تھی کہ گورباچوف نے اپنا ذاتی ایلچی پریماکوف جو پرانا عربی دان اور عراق کا زبردست حامی رہا تھا' بغداد بھیج دیا تھا جبکہ روسی وزیر خارجہ شیورڈ ناتزے امریکی وزیر خارجہ بیکر کا حامی تھا۔

گورباچوف پریشان تھا کہ کس کا ساتھ دے اور کس کا نہ دے۔ اس مسئلے پر اس کی کابینہ واقعی دو گروپوں میں بٹ گئی تھی۔

لیکن......

کامیابی بیکر کا مقدر بنی۔

گورباچوف نے بیکر کو ماسکو سے باہر اپنی قیام گاہ پر بلایا۔ وہ اب بھی امن کے امکانات کی بابت پرامید تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ صدام کو اشتعال نہ دلایا جائے۔ اس نے کوئی وعدہ تو نہیں کیا لیکن اپنی دو انگلیاں جوڑ کر یہ ضرور کہا کہ وقت آنے پر ہم اسی طرح اکٹھے ہو جائیں گے۔

شیورڈ نازے نے البتہ کھل کر کہہ دیا۔ ''بعض دفعہ طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔''

بیکر یہ گرین سگنل لے کر واشنگٹن آ گیا۔

اکتوبر کے اواخر میں صدر بش نے خلیج میں اپنی فوجوں کی تعداد دوگنا کرنے کا اعلان کر کے جنگ کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی۔

امریکہ یو این او کے سیکرٹری جنرل پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ صدام کے خلاف طاقت کے استعمال کی اجازت کے بارے میں قرارداد کی توثیق کر دے۔ اس کی راہ میں صرف ایک رکاوٹ تھی اور وہ تھا روس کا ''ڈیڈ لائن'' کے لئے بڑھتا ہوا اصرار۔ روس نے 15 جنوری پر زور دیا اور اس کی بات مان لی گئی۔

O

20 دسمبر کو صدر بش نے بی ڈائل مرغ کا سالانہ شکار کھیلا......

نئے سال کی تقریب اس نے ہوسٹن میں منائی پھر بارہ دن کی رخصت پر کیمپ ڈیوڈ روانہ ہو گیا۔

سال نو کے آغاز تک اس کی خوش فہمی برقرار رہی۔ صدام کو آخری موقع دینے کے لئے اس نے پیشکش کی کہ وہ بیکر کو عراقی وزیر خارجہ طارق عزیز کے ساتھ ملاقات کے لئے جنیوا بھیجے گا۔

دنیا میں امید کی نئی کرن پھوٹی۔ مصالحت کی قیاس آرائیاں جنم لینے لگیں۔ بش کو طارق

عزیز پر اعتماد نہیں تھا...... صدر جانتا تھا کہ اس کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ کچھ نہیں اور وہ اتنی ہمت بھی نہیں رکھتا کہ بیکر اور اپنے درمیان ہونے والی کوئی ایسی گفتگو بھی صدام تک پہنچا سکے جس سے صدام کا موڈ خراب ہو جائے۔

صدر بش اپنا ایک ذاتی خط اس کے ذریعے صدام حسین تک پہنچانا چاہتا تھا جو طارق عزیز نے وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

طارق عزیز نے خط وصول کرنے سے انکار کر کے صدر بش کو ایک ''سیاسی تحفہ'' دے دیا تھا۔ اب وہ کانگریس اور سینٹ میں اپنے مخالفین کو مطمئن کر سکتا تھا۔ جو اس پر ''جنگی جنون'' کے الزامات لگا رہے تھے۔

تین روز بعد کانگریس میں طاقت کے استعمال پر ووٹنگ ہوئی۔ سینٹ میں صرف پانچ ووٹوں کے فرق سے اسے منظوری کا سگنل مل گیا۔

صدر صدام اپنے مطالبات پر اڑا رہا۔ وہ جنرل پاول کے اس پیغام کو بھی نہ سمجھ پایا جس میں اس نے کہا تھا۔ ''اگر ہم لڑے تو فتح کے لئے لڑیں گے۔ خود کو تماشہ نہیں بنائیں گے۔''

اس کے ناعاقبت اندیش اور خوفزدہ مشیر اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ بالآخر وہ منحوس گھڑی آ گئی جب بغداد کی فضائیں اتحادیوں کے طیاروں کی گڑگڑاہٹ سے گونج اٹھیں...... آپریشن ڈیزرٹ سٹارم شروع ہو گیا۔ بالآخر یہودی منصوبہ کامیاب ہو گیا۔

اپنے چار پانچ شہریوں اور پانچ سات مکانات کی قربانی دے کر ''موساد'' نے عالم اسلام کے آہنی ستون کو مسمار کروا دیا۔

O

آج ''موساد'' کے ہیڈکوارٹر میں جشن مسرت برپا تھا......!

بریگیڈیئر شمیر نے ''فتح کا جام'' تجویز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ہماری فتوحات کا آغاز ہے...... ہماری اگلی منزل ہے کہوٹہ ری ایکٹر جس کے لئے ہمارے بھارتی دوست ہمارے شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے۔''

''را'' کے افسران کی خصوصی ٹیم اس جشن مسرت میں شمولیت کے لئے تل ابیب پہنچی تھی۔

امریش پوری اور بریگیڈیئر شمیر نے اپنے جام آپس میں ٹکرائے۔ اس کے ساتھ ہی "را" اور "موساد" نے اپنا حصہ اس فتح میں ڈالا اور شراب اپنے حلق میں انڈیلنے لگے۔

ان کے سامنے پاکستان کا نقشہ دیوار پر موجود تھا جہاں کہوٹہ کے گرد سرخ دائرہ لگا کر ایک خاص مقام پر "موساد" کے چیف نے ایک چھوٹا سا تیر گاڑ دیا تھا۔

نیلا چیلنج ان کے سامنے تھا......!

اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ ایک مرتبہ پھر وہ یہاں موجود تھے۔ عین ان لمحات میں جب پاکستان کے سیاسی ایوانوں میں جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی۔

جب پاکستانی سیاست دان اپنی ہر ممکن کوشش سے ملکی سالمیت کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف تھے۔ تل ابیب کی اس بلڈنگ کے خوبصورت ہال میں "موساد" اور "را" کے شیطان ذہن اکٹھے ہو کر پاکستان کی اس سیاسی ابتری کو کیش کروانے کے گھناؤنے منصوبے بنا رہے تھے۔

